مکتوبات امام ربانی

اردو

مؤلفہ

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

ترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

مدینہ پبلشنگ کمپنی
بندر روڈ کراچی

بسم الله الرحمن الرحیم

تحفۂ بشیر کشمیری ـ صاحبزادہ حضرت آغا عبدالوحید جان سرھندی مجددی ۔ موقعہ تقریب دستار بندی ۔

۲ ـ ۱۱ ـ ۱۹۹۶ء ـ پیر سید آغا عبدالوحید جان سرھندی ولد قبلہ پیر سلطان احمد جان سرھندی ـ قبلہ عالم دل [illegible]

کوکب برج سعادت عمر [illegible]

فلک استقلال علیہ اجلال الالٰہ [illegible] ـ عطا [illegible] کا نظام [illegible] ۱۳۷۴

فضیلت [illegible] ق [illegible] ۱۳

زهی مسعود شگفتن گلستانِ [illegible] ۶۶۸ ۔ ۶۹۷

عبدالصمد فیض موروث شگفتن [illegible] ۱۷

۳

60

مکتوباتِ امامِ ربانی

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ

اُردو ترجمہ

[redacted] — [redacted]

تصحیح وحواشی وترجمہ

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

خطیب امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

لله الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

یعنی

(اُردو ترجمہ)

مکتوبات امام ربّانی

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرّہٗ

دفتر اوّل — حصہ چہارم

(تصحیح و حواشی و ترجمہ)

مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی

خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

(ناشر)

مدینہ پبلشنگ کمپنی • بندر روڈ • کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

آفسٹ طباعت ——— ۱۹۷۱ء

نام کتاب ——— مکتوبات امام ربانی

مترجم ——— محمد سعید احمد نقشبندی خطیب جامع حضرت داتا گنج بخش۔ لاہور

طابع ——— مشہور آفسٹ پریس بیکلوڈ روڈ کراچی

ناشر ——— مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

تعداد ——— دو ہزار (۲۰۰۰)

قیمت ——— Rs 60.00

ملنے کا پتہ

مدینہ پبلشنگ کمپنی

بندر روڈ ——— کراچی ——— پاکستان

فہرست مضامین مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اردو ترجمہ دفتر اول حصہ چہارم

مضامین	صفحہ
مکتوب نمبر ۲۳۱	
خصائص و کمالات طریقہ نقشبندیہ کے	
بیان میں۔	۲۱
اس طریق کے بلند معارف کے اظہار کا سبب	
ان کے بعید ہونے کے باوجود۔	۲۲
اس طریقہ کے سر حلقہ حضرت صدیق اکبر ہیں	۲۲
ابتداء کے انتہاء میں درج ہونے کے	
متعلق دو سوال اور ان کا جواب۔ اور وصل عریان	
کے مرادی معنی۔	۲۲
ذاتی وصفاتی اور اسمائی تجلیات کے	
غیر متناہی ہونے کے متعلق دو اعتراض اور ان	
دونوں کا جواب۔	۲۳
تجلی کے معنی کا بیان۔	۲۴
اگر سوال کریں کہ ان تجلیات کو ذاتی کس اعتبار	
سے کہتے ہیں، اس کا جواب الخ۔	"
جاننا چاہیے کہ اس مقام میں وصل مطلوب	
بھی بے کیف و بے مثال ہے، اس نہایت تک	
پہنچنے والے اس طریقہ اور دوسرے طریقوں سے	
بہت ہی کم ہیں۔	"
سفر در وطن اور خلوت در انجمن کے معنی۔	۲۵
تفرقہ اور عدم تفرقہ منتہی کے حق میں مطلقاً	"

مضامین	صفحہ
برابر نہیں، لیکن اس کی نفس جمعیت میں برابر ہے۔	۲۵
بعض اوقات تفرقۂ ظاہر کے بغیر چارہ نہیں۔	"
بندوں کے تین حصے تمامۃً اللہ تعالیٰ	
کے لیے ہیں۔	"
مشائخ طریقت کی بعض عبارات کے بارے	
میں سوال و جواب۔	۲۶
یہ طریقہ تمام باقی طریقوں سے اقرب ہے۔	"
اس طریقہ میں ابتداء میں حلاوت اور وجدان ہے	
اور انتہاء میں بے مزگی، اور فقدان ہے بخلاف	
دوسرے طریقوں کے۔	۲۷
اور اس طریقہ میں ابتداء میں قرب و شہود	
ہے، اور انتہاء میں بعد و حرمان ہے۔ اور	
اس معنی کا راز۔	"
اس طریقہ کے اکابر نے احوال و مواجید کو	
احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے۔ اور اذواق	
اور معارف کو علوم شرعیہ کا خادم گردانا ہے۔	"
یہ بزرگ سماع اور رقص کو جائز نہیں رکھتے	
اور ذکر جہر کی طرف رُخ نہیں کرتے۔	"
وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لیے بجلی کی	۲۸
طرح مختصر سے وقت کے لیے نمودار	
ہوتی ہے ان بزرگوں کو ہمیشہ کے لیے	

مضامین	صفحہ
حاصل ہے۔	۲۸
اس طریقہ میں پیری اور مریدی طریقوں کے سکھانے اور سیکھنے سے ہے۔ کلاہ اور شجرہ سے نہیں۔	"
متعدد پیر پکڑنے کے جواز کا بیان، اور اس بارے میں علمائے بخارا شریف کا فتویٰ معنی پیر کا بیان۔	"
اس طریقہ میں نفس امارہ کے مجاہدات و ریاضات، احکام شرعیہ بجالانے اور روشن سنت کی پیروی کا التزام کرنے میں ہیں۔	"
اس طریق نقشبندیہ میں طالب کو چلانا شیخ مقتدا کے تصرف سے وابستہ ہے۔ اس کے تصرف کے بغیر کام نہیں بنتا۔	۲۹
یہ بزرگ جس طرح نسبت عطا کرنے میں قدرت رکھتے ہیں، اسے چھین لینے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔	"
اس طریقہ نقشبندیہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔	"
مکتوب نمبر ۲۲۲	
خرابی احوال اور اپنے اعمال کو کم دیکھنے کے بیان میں۔	۳۰
ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ مرید صادق وہ ہے کہ بیس سال تک برائیاں لکھنے والا فرشتہ اس سے کوئی برائی صادر نہ دیکھے، جسے وہ لکھے۔	"
یہ فقیر اپنے ذوق سے محسوس کرتا ہے کہ کافر فرنگ بھی اس سے کئی مرتبے بہتر ہے، اور اگر اس کی کوئی شخص دلیل طلب کرے تو یہ فقیر دلیل پیش کرنے سے عاجز نہیں ہوگا۔	۳۰
اس مضمون سے متعلق سوال و جواب پیر سے غائب ہونے کی صورت میں پیر سے رابطہ عظیم نعمت ہے۔	۳۱
قرب قلوب کے باوجود قرب ابدان کو بھی نہیں کھونا چاہیے۔	۳۱
مکتوب نمبر ۲۲۳	
اظہار احوال اور اپنے پیر کی خدمت میں واقعات پیش کرنے پر ابھارنے کے بیان میں۔	۳۲
مکتوب نمبر ۲۲۴	
رعایت آداب اور نصائح ضروریہ کے بیان میں۔	"
بزرگوں نے فرمایا ہے جب دشمن لعین نیکی اور نصیحت کی راہ سے آئے تو اس کا دفع کرنا مشکل ہوتا ہے۔	۳۳
فقر اور نامرادی اس گروہ کا جمال ہے اور عین سید کونین علیہ السلام کی اقتدا ہے۔	"
حق تعالیٰ اپنے کمال کرم سے بندوں کے رزق کا کفیل بن چکا ہے، اور ہمیں اور تمہیں اس فکر سے فارغ کر دیا ہے۔ تو اپنے متعلقین	۳۳

مضامین	صفحہ
کا غم بھی اسی کے حوالے کرنا چاہیے۔	۳۳
الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ	۳۳
اکابر طریقت نے بعض مریدوں کو بعض مصلحتوں کے پیش نظر مقام پیری تک پہنچنے سے قبل ایک قسم کی اجازت دی ہے۔	۳۴
مکتوب نمبر ۲۲۵	۳۵
اس بیان میں کہ اس طریقہ کے ابتداء میں ہی وہ حالات میسر آجاتے ہیں جو دوسروں کو نہایت میں جاکر میسر آتے ہیں اور احوال کا ظہور اس شخص کے کمال کو مستلزم نہیں۔	〃
مکتوب نمبر ۲۲۶	۳۶
اس بیان میں کہ فرصت بہت تھوڑی ہے اور ہمیشہ کا عذاب اس پر مرتب ہونے والا ہے	〃
اہل اللہ سرہند شریف میں جمع ہونے کا بیان اور حضرت شیخ مجدد قدس سرہ کی خدمت میں ان کی جمعیت۔	۳۷
اہل دھیال کی رضا جوئی کے لیے اپنے آپ کو بلا اور مصیبت میں ڈالنا۔	〃
عقل دور اندیش سے بہت بعید بات ہے۔	〃
دنیا بے وفائی میں مشہور ہے اور اہل دنیا خست و کمینگی میں مشہور ہیں۔	〃
مکتوب نمبر ۲۲۷	۳۷
ان نصائح اور مواعظ کے بیان میں جو مقام پیری سے تعلق رکھتے ہیں۔	۳۷
عارفین کا ریا مریدین کے اخلاص سے بہتر ہے۔ اور اس کے راز کا بیان اور اس سے رفع وہم کا بیان۔	۳۷
مکتوب نمبر ۲۲۸	۳۹
ان نصائح کے بیان میں جو مقام تکمیل اور تعلیم طریقت سے تعلق رکھتے ہیں۔	〃
اس طریقہ کا مدار دو اصول پر ہے، ایک شریعت پر استقامت، دوم شیخ طریقت کی نسبت میں پختگی اور استحکام۔	〃
اپنے کام کی فکر کرنی چاہیے تاکہ بوقت موت سلامتی ایمان نصیب ہو۔ اس وقت اجازت نامے اور مریدین کچھ کام نہیں آئیں گے۔	۴۰
مکتوب نمبر ۲۲۹	〃
اس بیان میں کہ ہمارا طریقہ حضرت خواجہ کا ہی طریقہ ہے۔ اور ہماری نسبت بھی وہی نسبت ہے۔ لیکن اتنی بات ہے کہ نسبت کی تکمیل بہت سے افکار جمع ہونے سے ہوتی ہے۔	〃
شیخ علاء الدولۃ نے فرمایا ہے جس قدر واسطے زیادہ ہوں گے راستہ زیادہ نزدیک ہو جائے گا۔	۴۱
مکتوب نمبر ۲۳۰	۴۲
ہمت بلند رکھنے، اور جو کچھ حاصل ہو چکا	

مضامین	صفحہ
ہو، اس پر کفایت نہ کرنے کے بیان میں۔	۴۲
خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ دیکھا گیا یا سنا گیا یا جانا گیا وہ سب غیر خدا ہے، اور ذات تعالیٰ اس سب سے وراء الوراء ہے۔	۴۳
مکتوب نمبر ۲۳۱	״
درج ذیل سوالات کے جوابات میں:	״
(۱) حصول اور وصول کے درمیان کیا فرق ہے؟	״
(۲) وہ اسماء جو انبیاء کے مبادی کے تعینات ہیں۔ کیا وہی اولیاء کے مبادی کے بھی تعینات ہیں یا نہیں؟	״
(۳) ذکر جہر سے کیوں منع کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ شوق و ذوق پیدا ہونے کا باعث ہے؟	״
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل مبارک دو قسم ہے، ایک بطور عبادت، دوسرا بطور طریقہ عرف و عادت۔ اول کی مخالفت بدعت ہے۔ دوسرے کی مخالفت بدعت نہیں۔	۴۴
مکتوب نمبر ۲۳۲	۴۵
کمینی دنیا کی حقیقت اور اس کی ردی ملمع سازیوں کی قباحت کے بیان میں، اور اس کمینی دنیا کی محبت کا علاج۔	״
مکتوب نمبر ۲۳۳	۴۶
بعض نصائح کے بیان میں۔	״
حضرت خواجہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا	۴۷

مضامین	صفحہ
ہے کہ اگرچہ یہ بات کفر ہے کہ کوئی اپنے آپ کو اتنا اونچا تصور کرنے لگے کہ اگر وہ برہم اعتراض ہو تو سارا جہاں درہم برہم ہو جائے لیکن کیا کیا جائے ہمیں تو ہمارے ارادہ کے بغیر ہی اونچا بنا دیا گیا ہے۔	۴۷
مکتوب نمبر ۲۳۴	۴۸
اس بیان میں کہ واجب تعالیٰ کی حقیقت وجود محض ہے، اور تجلی ذاتی کا بیان اور من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کا معنی اور آیہ کریمہ اللہ نور السمٰوٰت والارض کا معنی۔	״
صاحب فصوص کے نزدیک اعیان ثابتہ کا بیان اور حضرت امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک حقائق ممکنات۔	۵۰
حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ اور اعیان ثابتہ۔	۵۱
"تام المعرفت عارف جب حضرت وجود تک ترقی کرنے کے بعد عدم صرف کے مقام میں نزول فرماتا ہے الخ"	״
پس ناچار اس عارف کا شیطان بھی حسن اسلام پیدا کر لیتا ہے، اور اس کا نفس لوامہ نفس مطمئنہ بن کر اپنے مولیٰ تعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے۔	۵۲
یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا	״

مضامین	صفحہ
اَسلمَ شیطانی۔	۵۲
یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ان معارف سے حصہ وافر حضرت امام مہدی کو حاصل ہوگا۔	"
ممکنات بالذات شر و فساد کا محل ہیں اور ان میں کمال حضرت ذات واجب تعالیٰ کی طرف سے عاریتاً آیا ہوا ہے۔	"
عدم صرف کے وجود صرف کے ساتھ رنگین ہونے کے متعلق سوال و جواب۔ اور ایک اور سوال کا جواب متعلق باتصاف عدم کہ معقول ثانی ہے، وجود خارجی کے ساتھ۔	۵۳
ایک اور سوال و جواب جو صفات حقیقیہ کے مرتبہ ظلال میں ہونے سے متعلق ہے، اور مرتبہ اصل میں ان کے وجود کا نہ ہونا۔	۵۴
من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اور آیۂ کریمہ اللہ نور السموٰت والارض کا معنی	"
من فسر القرآن برأیہ فقد کفر	۵۵
ممکنات کے اصول و ذوات عدمات محض ہیں۔ اور ممکنات کے نقائص ان عدمات کے مقتضی۔	"
حسن و قبح کے مصداق کا بیان، اور نکاح میں لائی جانے والی خوبصورت عورتوں اور لونڈیوں کے لیے آرائش و زیبائش کے جواز کا سبب۔	"
ایاکم والدمن فان فیہم لونا کلون اللہ	"
ما الدنیا والآخرۃ الا ضرتان۔	۵۶

مضامین	صفحہ
کینے کی مذمت۔	۵۶
شیخ محی الدین عربی کے نزدیک حقائق ممکنات	۵۷
یہ علوم و معارف کہ کسی بھی اہل اللہ نے ان کے متعلق لب کشائی نہیں فرمائی۔ اشرف معارف اور اکمل علوم میں سے ہیں۔ جو ہزار سال کے بعد منصہ شہود پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔	۵۸
ہر سو سال کے بعد اس امت کے علماء میں سے کسی کو مجدد مقرر کرتے ہیں خاص کر ہزار سال گزرنے کے بعد۔	"
عارف تام المعرفت جب عروج و نزول کے مراتب طے کرنے کے بعد عدم صرف میں نزول فرماتا ہے۔ تو تمام کمالات اس میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔	۶۰
عدم کے وجود کا آئینہ ہونے سے متعلق ایک سوال و جواب۔	"
ان الہامات کے وساوس شیطانی میں سے نہ ہونے بلکہ علوم ربانی میں سے ہونے کی دلیل۔ اور ان علوم کے اظہار کی وجہ۔	"
مکتوب نمبر ۲۳۵	۶۱
اس بیان میں کہ اس گروہ کی محبت دنیوی اور اخروی سعادتوں کا سرمایہ ہے۔	"
اگرچہ جہاں بھر کی تاریکیاں باطن میں ڈال دیں	"
لیکن اس محبت کو قائم اور ثابت رکھیں تو کوئی غم نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر پہاڑوں کی مقدار میں	

مضامین	صفحہ
انوار و احوال دل میں ڈالیں لیکن ایک بال برابر اس صحبت میں فرق ڈال دیں تو یہ سراسر خرابی ہے۔	۶۱
مکتوب نمبر ۲۳۶	۶۲
بعض اسرار کے بیان میں۔	//
تمہیں ولایت موسوی میں پایا اور وہاں سے کھینچ کر ولایت محمدیہ خاصہ کے دائرہ میں داخل کیا۔ اب میں روضہ سے زیادہ دن ہو رہے ہیں کہ تمہیں اپنی گود میں رکھ کر پرورش کر رہا ہے۔	//
مکتوب نمبر ۲۳۷	۶۳
روشن سنت کی متابعت اور طریقہ نقشبندیہ کی مدح کے بیان میں۔	//
اس طریقہ کے اکابر کو اگر سنت کی پابندی کے ساتھ احوال و مواجید سے مشرف فرماتے ہیں تو یہ اسے عظیم نعمت جانتے ہیں۔ اور اگر اس پابندی میں قصور پاتے ہیں تو احوال کو پسند نہیں کرتے۔	//
ہندوستان کے برہمن اور جوگی اور یونان کے فلاسفہ تجلیات صوری اور علوم توحیدی کا کافی حصہ رکھتے ہیں۔ لیکن خرابی کے سوا انہیں کچھ حاصل نہیں۔	//
اس طریقہ سے منسلک رہنے والے پر اولاً موافق آراء اہل سنت و جماعت عقائد کی درستی لازم ہے۔ دوسرے فرض، واجب، سنت اور مستحب کا علم، تیسرے درجے میں علوم صوفیہ کی نوبت آتی ہے۔	//
مکتوب نمبر ۲۳۸	۶۴
اس میں کہ دینی بھائیوں کی تعداد زیادہ بڑھنے میں بہت سی امیدیں ہیں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ مریدوں کے احوال پیروں کی رکاوٹ کا باعث بن جائیں اور عجب اور خودستائی میں مبتلا کر دیں۔ مریدوں کے احوال پیروں کی ترقی کا باعث بنتے ہیں نہ کہ تنزل کا۔	//
یہ بھی چاہیے کہ مثلاً طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ میں خلط ملط نہ ہو۔	۶۵
مکتوب نمبر ۲۳۹	
ان استفسارات کے جواب میں جو مکتوب الیہ نے کیے تھے۔	۶۶
احوال سے مقصود محول احوال (حق تعالیٰ) کے ساتھ گرفتاری ہے۔	//
مخلص لوگوں کی لغزشیں معاف ہیں۔	//
جو بھی مقبول ہوتا ہے بلا علت اور بلا علت ہی ہوتا ہے۔	//
ہر کام میں استخارہ کرنا مسنون ہے اور استخاروں کی تعداد اور ان کے نتیجہ کا بیان۔	//
اسی قبیلہ سے ہیں وہ امدادیں جو روحانیت اکابر سے اجسام کی طرح ظہور پذیر ہوتی ہیں جیسے دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا۔	۶۸
مکتوب نمبر ۲۴۰	//
اس راہ کی بے نہایتی اور کلمہ طیبہ کے بعض	

مضامین	صفحہ
فوائد کے بیان میں۔	۶۷
جو کچھ دید و دانش میں آئے نقل کرنے کے قابل ہے۔	۶۸
دوسری نصیحت یہ ہے کہ شریعت پر استقامت ہو اور اپنے احوال کو اصول شرعیہ کے ساتھ مطابق کیا جائے۔	"
مکتوب نمبر ۲۴۱	
بعض دوستوں کی ترقی کے بیان میں۔	۶۹
مکتوب نمبر ۲۴۲	
بعض سوالات کے جواب میں۔	"
اس بات کا جواب کہ اسم ذات کے ساتھ شغل کب تک ہوتا ہے۔ اور اس سے کتنی مقدار میں حجاب دور ہوتے ہیں اور نفی و اثبات کس حد تک ہیں، اور اس کلمہ سے کتنی مقدار میں حجاب دور ہوتے ہیں۔	"
مکتوب نمبر ۲۴۳	
طریقہ نقشبندیہ اختیار کرنے کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ فنا کے بغیر اخلاص میسر نہیں آتا۔	۷۰
اس بلند طریقہ کے اکابر کی عادات کا بیان۔	۷۱
ماسوا اللہ کے نقوش ان اکابر کے باطن سے اس طرح زائل ہو جاتے ہیں کہ اگر بہزار حیلہ بھی تکلف کے ساتھ حاضر کرنا چاہیں تو حاضر نہیں ہوتے اور ان اکابر کے لیے تجلی ذاتی دائمی ہے	"

مضامین	صفحہ
مکتوب نمبر ۲۴۴	
اس خط کے جواب میں جو مکتوب الیہ نے اپنی خرابی احوال کے بارے میں تحریر کیا تھا۔	۷۲
مکتوب نمبر ۲۴۵	
ان استفسارات کے جواب میں، جو مکتوب الیہ نے کیے تھے۔	۷۳
ذکر اللسان لقلقہ و ذکر القلب وسوسہ ذکر الروح شرک و ذکر السر کفر۔	۷۴
حضرت امام غزالی بو علی سینا کی تکفیر کے قائل ہیں۔	"
مکتوب نمبر ۲۴۶	
اس مقام کے حصول کے بیان میں جس کا میر نعمان امیدوار اور منتظر تھا۔	۷۵
مکتوب نمبر ۲۴۷	
اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کے وجود پر دلیل بھی خود اس کا اپنا وجود ہے۔	۷۶
عرفت ربی بفسخ العزائم لابل عرفت فسخ العزائم بربی	"
مکتوب نمبر ۲۴۸	۷۷
اس بیان میں کہ انبیاء کی متابعت کرنے والے کاملین کو انبیاء کے تمام کمالات سے حصہ ملتا ہے۔ اور کوئی ولی کسی نبی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس بات کی تحقیق کہ تجلی ذاتی جو آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے ابھی	

مضامین	صفحہ
معنی سے ہے۔	۷۷
مکتوب نمبر ۲۴۹	
سیدالاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل کے بیان میں۔	۸۰
مکتوب نمبر ۲۵۰	
استفسارات کے جواب میں۔	
نسبت اگرچہ جہالت اور حیرت تک لے جاتی ہے۔ لیکن اچھی ہے۔	۸۱
زاد وراحلہ کی موجودگی میں اس زمانہ میں حج کے لیے جانا فرض ہے یا نہیں؟ اور اس کا جواب۔	"
مکتوب نمبر ۲۵۱	"
خلفائے راشدین کے فضائل اور حضرات شیخین کے فضائل اور حضرت امیر کے بعض خصائص اور تمام صحابہ کرام کی تعظیم کے بیان میں۔ اور ان کی باہمی لڑائیوں کی صحیح توجیہات کے بیان میں۔	"
حضرات شیخین انبیاء سابقین کے درمیان حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور ذوالنورین حضرت نوح کے ساتھ اور حضرت علی حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔	۸۲
خلفاء اربعہ کے تعینات کے مبادی صفۃ العلم ہے۔	"
اور یہ صفت حضرت محمد حضرت ابراہیم حضرت نوح علیہم السلام کا رب ہے۔	۸۲
حضرات شیخین نبوت کے بوجھ کے حامل ہیں اور حضرت علی ولایت کے بوجھ کے اور حضرت ذوالنورین دونوں طرف کے بوجھ کے حامل ہیں۔	۸۳
اس وجہ کے بیان میں کہ حضور علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی متابعت کا حکم کیوں دیا گیا۔	"
اکثر سلاسل صوفیہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ۔	"
حضرات شیخین کے ان کمالات کا بیان جو کمالات نبوت کے مشابہ ہیں۔	"
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک دروازہ جنت پر ثبت ہے۔	۸۴
جنت میں داخلہ حضرات شیخین کی رائے اور تجویز سے ہوگا۔	"
حضرت مہدی موعود بھی نسبت نقشبندیہ پر ہوں گے۔ اور اس نسبت کی تکمیل کریں گے۔	۸۶
مقام اقطاب، ابدال اور اوتاد کی تربیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد کے سپرد کی گئی ہے۔	"
قطب الاقطاب کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک کے نیچے ہے۔	۸۷

مضامین	صفحہ
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بزرگی اور شان کا بیان۔	۸۷
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے خطا پر تھے۔	″
کسی بھی صحابی کو گالی دینے والے کا حکم۔	۸۸
لفظ جور کی تاویل جو بعض فقہاء سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق واقع ہوا ہے۔	۸۹
حضرت امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیے۔	″
مکتوب نمبر ۲۵۲	
استفسارات کے جواب میں۔	۹۲
مکتوب نمبر ۲۵۳	
سوالات کے جواب اور اس راہ کی بے نہایتگی کے بیان میں۔	″
شیخ ادریس کے اس قول کا جواب کہ میں اگر جانب زمین کی طرف دیکھتا ہوں تو زمین مجھے نظر نہیں آتی۔ اور اسی طرح آسمان، عرش اور کرسی الخ کو بھی نہیں پاتا۔ اور اسلام، رضا اور اطمینان کے مقام کا بیان۔ نیز ایک سالک کے قول کا بیان کہ میں تیس سال معدوم کی پرستش کرتا رہا۔	۹۴
مکتوب نمبر ۲۵۴	
رسالہ مبدء و معاد کی عبارت کے متعلق بعض سوالات کا جواب۔	۹۵
مکتوب نمبر ۲۵۵	
روشن سنت کو زندہ کرنے کے بیان میں۔	۹۶
حضرت امام مہدی مدینہ کے ایک عالم کے قتل کا حکم صادر فرمائیں گے جو آپ کے بارے میں زبان طعن دراز کرے گا۔	۹۷
مکتوب نمبر ۲۵۶	
قطب، قطب الاقطاب، غوث اور خلیفہ کے معنی کا بیان۔ اور اس حدیث کی تحقیق لو اتزن ایمان ابی بکر مع ایمان امتی لرجح	″
صاحب فتوحات مکیہ فرماتے ہیں ما من قریۃ مومنۃ او کافرۃ الا وفیہا قطب	۹۸
عارف کا معاملہ اس مقام کو پہنچ جاتا ہے کہ آنکھ جھپکنے میں تمام گزشتہ کمالات حاصل کر لیتا ہے اور فقیر کے نزدیک ایک لمحہ میں سابقہ کمالات سے زیادہ کمالات حاصل کر لیتا ہے۔	۹۹
فرعون مردود کے ہاتھ سے قتل ہونے والے تمام بچوں کی استعداد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منتقل کر دی گئی اور اس کے راز کا بیان۔	″
مرید بھی پیروں کے کمالات کا ذریعہ بنتے ہیں۔	″
وفات کے بعد ولایت کے سلب ہو جانے	۱۰۰

مضامین	صفحہ
کا بیان جیسا کہ نفحات میں مذکور ہے مگر چند اشخاص سے۔	۱۰۰
مستورات کی بیعت کا حکم اور نحوست ایام کا بیان۔ اور لا ایام ایام اللہ کی تحقیق۔	〃
مکتوب نمبر ۲۵۷	
طریقے کا بطریق اجمال بیان۔	۱۰۱
مکتوب نمبر ۲۵۸	
حق تعالیٰ کی اقربیت کے بیان میں۔	۱۰۳
مکتوب نمبر ۲۵۹	
ارسال رُسل کرام اور پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والے کے خصوصی حکم اور زمانہ فترت کے مشرکین اور دار الحرب میں اطفال مشرکین کا بیان اور سرزمین ہندوستان میں بعثت انبیاء اور دیگر تحقیقات کا بیان۔	۱۰۴
پہاڑ کی چوٹی میں عمر گزارنے والے اس شخص کے بارے میں جس کو دعوت انبیاء نہ پہنچی ہو ماتریدیہ اور اشاعرہ اور صاحب فتوحات اور خاص حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے مذہب کا بیان۔	۱۰۵
مکتوب نمبر ۲۶۰	
حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے طریقہ کے بیان میں جس کے ساتھ آپ ممتاز ہیں اور ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ اور ولایت علیا کے بیان میں اور نبوت کی ولایت پر افضلیت اور لطائف	

مضامین	صفحہ
عشرہ انسانی اور عالم خلق کے عالم امر پر فضیلت کے بیان میں۔ اور عنصر خاک کے کمالات اور ہر مقام کے مناسب علوم غریبہ کے بیان میں۔	۱۰۹
فہو سبحانہ وراء الوراء ثم وراء الوراء۔	۱۱۵
اس مقام میں ایک سالک نے کہا ہے کہ میں تیس سال روح کو خدا تصور کر کے اس کی پرستش کرتا رہا۔	۱۱۷
تو اس قول کا کچھ معنی نہیں کہ اولیاء کی ابتداء انبیاء کی نہایت ہے۔	۱۲۳
خام صوفی اور بے مقصد عالم فرائض تو ضائع کرتے ہیں اور نوافل کو رواج دینے میں کوشش کرتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ ایک فرض کا ادا کرنا ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے۔	۱۲۴
اگرچہ تمام فرائض قرب اصلی عطا کرتے ہیں لیکن ان سب میں افضل نماز ہے	〃
فضائل نماز اور عالم خلق کی عالم امر کی فضیلت کا بیان۔	۱۲۵
جس عارف کو بھی عالم امر سے مناسبت زیادہ ہوگی اس کا قدم کمالات ولایت میں زیادہ آگے بڑھا ہوگا۔ اور جسے عالم خلق سے مناسبت زیادہ ہوگی اس کا قدم کمالات نبوت میں آگے ہوگا۔	〃
شرح صدر حاصل ہونے کے بعد نفس مطمئنہ	۱۲۶

مضامین	صفحہ
کے کمالات کا بیان۔	۱۲۶
نبوت کے کمالات طبقہ صحابہ میں زیادہ پائے جاتے تھے اور تابعین اور تبع تابعین میں قلیل مقدار میں۔ ان کے بعد کمالات نبوت روپوش ہو گئے، اور ایک ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت از سرِ نو تازہ ہوئی۔	۱۲۷
ان علوم کا بیان جو کمالات نبوت سے مناسبت رکھتے ہیں اور ان علوم کا بیان جو کمالات ولایت کے مناسب ہیں۔	۱۲۸
اس بلند طریقہ نقشبندیہ کا بیج بخارا شریف اور سمرقند سے لایا گیا۔ اور سرزمین ہندوستان میں یثرب وبطحا کی خاک سے لا کر بویا گیا۔	۱۲۹
اس راہ میں چلنا ان صفات والے شیخ مقتدا کی محبت وعقیدت کے ساتھ مربوط ہے۔	〃
اس طریقہ نقشبندیہ میں زندے مردے بچے، بوڑھے، جوان اور ادھیڑ عمر والے سب برابر ہیں۔	۱۳۰
اس سلسلے کا نور ہدایت اس کے مریدین میں بے واسطہ اور بالواسطہ اور کئی واسطوں سے اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اس مخصوص طریقہ میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو۔	۱۳۱
احکام اجتہادیہ امور محدثہ نہیں ہیں بلکہ دین کے اصول میں سے ہیں۔	۱۳۲
وہ قطب ارشاد جو کمالات فردیت کا بھی جامع ہو نہایت ہی نادر الوجود ہے۔ زمانہ کئی دور گزرنے کے بعد ایسا موتی ظہور فرماتا ہے اور ایمان اور رشد و معرفت اس کے راستہ سے آتی ہے۔	۱۳۲
اس بات کی تفصیل کہ کون اس سے فیض یاب ہوتا ہے اور کون اس کے فیض سے محروم رہتا ہے۔	۱۳۳
مکتوب نمبر ۲۶۱	
فضائل نماز اور اس کے ضمن میں اس کے کمالات مخصوصہ کے بیان میں۔	۱۳۴
یہ وہ کمال ہے جو ہزار برس کے بعد حسن وجود میں تشریف لایا ہے۔ اور وہ آخیر ہے۔ جو اولیت کے رنگ میں برآمد ہوا ہے۔	۱۳۵
طریقت اور حقیقت شریعت کی خادم ہیں اور نبوت ولایت سے بہرحال افضل ہے اگرچہ اس نبی کی ولایت ہی ہو۔	۱۳۷
مکتوب نمبر ۲۶۲	
اس بیان میں کہ ہمارا ارتباط چسپی ہے اور ہماری نسبت انعکاسی۔ اس میں قرب و بعد سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔	۱۳۸
مکتوب نمبر ۲۶۳	
نماز کے فضائل اور ان معارف کے بیان میں جو کعبہ ربانی سے تعلق رکھتے ہیں۔	〃

مضامین	صفحہ
حقائقِ الٰہی سے مراد اس کی عظمت و کبریائی کے پردے ہیں، اور حقائقِ الٰہی کا کچھ حصہ گفت کے حصے سے کچھ نصیب ہوتا ہے۔	۱۳۹
مکتوب نمبر ۲۶۴	
اس بیان میں کہ اپنے معاملے کو حیرت اور جہالت تک لے جانا چاہیے۔ اور بعض مشائخ کے ایک واقع کا بیان اور اس کی تعبیر۔	۱۴۰
مکتوب نمبر ۲۶۵	
اس بیان میں کہ عزلت اور خلوت نشینی کی صورت میں مسلمانوں کے حقوق پامال نہیں ہونے چاہییں۔ اور حقوق کا بیان۔	۱۴۲
دعا کی قبولیت کے شرائط۔	۱۴۳
خلوت اغیار سے چاہیے ذکر دوستوں سے۔	"
خلوت نشینی کے لیے نیت درست ہونی چاہیے اور جمعیت باطن کو اپنا مقصود قرار دینا چاہیے۔	"
مکتوب نمبر ۲۶۶	
آراء اہل سنت کے موافق بعض عقائد اور رد فلاسفہ اور طریقہ نقشبندیہ کے کمالات کے بیان میں۔	۱۴۴
اس فقیر نے اس طریقہ میں الف و با اور اس راہ کے حروف تہجی کا سبق اور رضایت کے بدایت میں درج ہونے کی دولت اور سفر وطن	
حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا اور حاصل کیا۔ آپ نے تھوڑے عرصہ میں اس ناقابل کو نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا۔	۱۴۵
عقلمندوں پر فرض اولین عقائد کی درستی ہے	۱۴۶
عقیدہ (۱) اللہ تعالیٰ اپنی ذات مقدس کے ساتھ موجود ہے۔ اور تمام اشیاء اس کی ایجاد سے وجود میں آئی۔	"
صفۃ العلم کا بیان۔	۱۴۷
صفۃ الکلام اور صفۃ التکوین کا بیان۔	۱۴۸
عقیدہ (۲) وہ ذات تعالیٰ کسی شے میں حلول نہیں کر سکتی اور نہ کوئی شے اس میں حلول کر سکتی ہے۔	۱۵۰
عقیدہ (۳) احاطہ اور قرب اور معیت حق تعالیٰ کا بیان۔ احاطہ اور قرب علمی کا قائل ہونا متشابہات کی تاویل میں داخل ہے اور ہم ان کی تاویل کے قائل نہیں۔	"
اذا تم الفقر فھو اللہ کا معنی	۱۵۱
قول انا الحق سے کیا مراد ہے۔	"
عقیدہ (۴) اس کی ذات اور صفات میں تغیر و تبدل کی کچھ گنجائش نہیں۔	"
عقیدہ (۵) وہ ذات غنی مطلق ہے ذات میں بھی اور صفات میں بھی اور افعال میں بھی۔	"
عقیدہ (۶) وہ ذات تعالیٰ تمام صفات	۱۵۲

مضامین	صفحہ
نقص اور حدوث کے نشانات سے منزہ ہے	۱۵۲
صفات کی عینیت اور غیریت کا بیان اور اس مسئلہ میں تفصیل مذاہب۔	〃
عقیدہ (۷) اللہ تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور اس کے غیر کو قدم اور ازلیت حاصل نہیں۔ اور شیخ ابن العربی ارواح کاملین کے قدم کا قائل ہے	〃
عقیدہ (۸) اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے۔ شائبہ ایجاب و بے بسی سے منزہ ہے۔ اور فلاسفہ کے مذہب کا رد۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت افلاطون کا قول۔	۱۵۳
شیخ محی الدین ابن العربی کی عبارات ایجاب کو ظاہر کرتی ہیں۔	۱۵۵
شیخ محی الدین ابن عربی کے متعلق حضرت امام ربانی قدس سرہ کا عقیدہ۔	〃
عقیدہ (۹) تمام ممکنات، جواہر ہوں یا اعراض، عقول ہوں یا نفوس، افلاک ہوں یا عناصر سب قادر مختار ذات کی ایجاد سے عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ اور اپنے وجود اور بقا میں اس ذات سبحانہ کے محتاج ہیں۔	۱۵۶
انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اسباب کی رعایت فرماتے ہیں۔ اور ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔	۱۵۷
اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں جس طرح کہ ناقص لوگوں کا گمان ہے۔	〃
عقیدہ (۱۰) اللہ تعالیٰ خیر و شر دونوں کا ارادہ فرماتا ہے۔ اور دونوں کا خالق ہے۔ لیکن خیر سے راضی اور شر سے راضی نہیں۔ اور معتزلہ کے مذہب کا بیان اور کسب اور خلق کے درمیان فرق۔	۱۵۸
ایک معین وقت تک کے اعمال پر ہمیشہ کی جزا بالکل موافق و مطابق جزا ہے۔ اور اس کی وجہ کا بیان۔	۱۵۹
بہشت میں داخل ہونا ایمان پر موقوف ہے۔ اور ایمان اس کا فضل ہے اور دوزخ میں جانا کفر کی وجہ سے ہوگا۔ اور کفر خواہش نفسانی سے پیدا ہوتا ہے۔	〃
عقیدہ (۱۱) آخرت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی رویت بے جہت اور بے کیف حاصل ہوگی	۱۶۰
مسئلہ رویت میں شیخ محی الدین ابن العربی کا مذہب۔	〃
عقیدہ (۱۲) بعثت انبیاء اہل جہاں کے لیے رحمت ہے۔	〃
اس مسئلہ سے متعلق سوال و جواب اور بعثت انبیاء کے فوائد کا بیان۔	〃
عقول انسانی احکام شرعیہ کی شناخت اور اشیاء کے حسن و قبح کے دریافت کرنے میں تصفیہ اور تزکیہ کے باوجود کافی نہیں ہیں۔	〃
ملحد اور بے دین لوگوں کا رد جو تکلیفات	

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
شریعت کے منکر ہیں۔ ان پر معترض ہیں۔	۱۶۲	کفر کے خصائص و لوازمات سے اظہار بیزاری	
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے		ہے۔	۱۷۰
لیے اجتہاد کو جائز قرار دینا اور اس میں خطاء اجتہادی		اس اظہار بیزاری کا کامل اور اعلیٰ درجہ	
پر قائم رہنے بغیر خطاء اجتہادی کو جائز رکھنا۔	۱۶۳	فرقہ شیعہ کا اس تبری کے معنی میں غلطی کھا	
عقیدہ (۱۳-۱۴) کافروں اور کچھ نافرمان		جانا کوئی عقلمند اس بات کو جائز تسلیم نہیں	
مومنوں کے لیے عذاب قبر حق ہے۔ اور قبر		کر سکتا کہ حضور کے صحابہ کرام حضور کے اہل بیت	
میں منکر و نکیر کا سوال کرنا بھی برحق ہے۔	"	کے دشمن ہوں۔	"
عقیدہ (۱۵) قیامت کا اپنی تمام تفصیلات		حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے	
کے ساتھ آنا برحق ہے۔	۱۶۵	جو بزرگی اور شان پائی اس کا سبب یہی تھا۔	
عقیدہ (۱۶) حساب، میزان اور		کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے بیزاری	
پل صراط حق ہے۔	۱۶۶	کا اعلان فرمایا۔ اور ان سے کنارہ کشی اختیار کی	"
عقیدہ (۱۷) بہشت اور دوزخ اس		اس فقیر کی نظر میں رضائے کے حصول کے	
وقت موجود ہیں۔ قیامت کے روز حساب کے	"	لیے اس بیزاری کے برابر کوئی کام نہیں۔	"
بعد ایک گروہ کو بہشت میں اور ایک کو دوزخ		حق تعالیٰ کو کفر و کافری سے ذاتی عداوت ہے	
میں لے جائیں گے۔	"	لہٰذا آخرت میں کافروں کو رحمت سے کچھ حصہ	"
صاحب فصوص کہتا ہے انجام کار سب		نصیب نہیں ہوگا۔	"
کو اللہ کی رحمت شامل ہو جائے گی اور اس کے		حدیث سبقت رحمتی غضبی کا معنی۔ اس	
قول کا رد۔	"	مسئلہ سے متعلق سوال و جواب۔	۱۷۲
عقیدہ (۱۸) ملائکہ خدا تعالیٰ کے بندے		ایک شخص کے حال کا بیان جو قریب المرگ تھا	
ہیں لغزشوں اور گناہوں سے معصوم۔	۱۶۸	اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی اس کے حال	
عقیدہ (۱۹) دین اسلام جس سے متعلق		پر توجہ۔	۱۷۳
تصدیق قلبی سے مراد ہے جو بداہت اور تواتر سے		ان مسلمانوں کی نماز جنازہ کا جواز جو لیاہی	
ساتھ پہنچی ہے	۱۷۰	کے باوجود اہل کفر کی رسوم کے مرتکب ہوتے ہیں۔	
اس تصدیق کی علامت کفر اور کافر اور		فقیر کے نزدیک دوزخ کا عذاب چاہیے د	۱۷۴

مضامین	صفحہ
کچھ وقت کے لیے ہو چکا ہے ہمیشہ کے لیے کفر اور صفات کفر اور اہل کبائر کے ساتھ مخصوص ہے۔	۱۷۴
اس مسئلہ سے متعلق سوال و جواب اور مسلمان کو عمداً قتل کرنے والے کا حکم۔	〃
ایمان کے زیادہ اور کم ہونے کی تحقیق، اور مسلمان عمداً قتل کرنے والے کا حکم۔	〃
ایمان کے زیادہ اور کم ہونے کی تحقیق اور اس مسئلہ میں مذاہب علماء کی تفصیل، اور اس مسئلہ میں امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کا رد۔	۱۷۵
امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انا مومن حقا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انا مومن ان شاء اللہ تعالیٰ فی الحقیقت ان دونوں بزرگوں میں نزاع لفظی ہے۔	۱۷۶
عقیدہ (۲۰) اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں معجزہ اور کرامت کے درمیان فرق۔	〃
عقیدہ (۲۱) خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں افضلیت کی ترتیب ان کی خلافت کی ترتیب سے ہے۔	〃
شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔	۱۷۸
لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر فضیلت تو اکثر علمائے اہلسنت اس پر ہیں کہ شیخین کے بعد فضیلت میں پہلے حضرت عثمان ہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہما۔	۱۷۸
حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول من علامات السنة تفضیل الشیخین وحب الختنین کی مراد کا بیان۔	〃
اس مذکورہ ترتیب سے افضلیت کے منکر کا حکم۔	۱۷۹
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیف خلفائے راشدین کی بے ادبی کے ذریعہ پہنچتی ہے وہ اسی طرح کی ہے جو آپ کو حضرت امام حسن و امام حسین کی بے ادبی کے ذریعہ پہنچتی ہے	〃
یہاں افضلیت سے مراد خدا تعالیٰ کے ہاں کثرت ثواب کے اعتبار سے ہے۔ ذکر فضائل و مناقب کے ظہور کی کثرت کے معنی سے۔	۱۸۰
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فضائل کے متعلق روایات جس قدر حضرت علی کے متعلق آئی ہیں، کسی صحابی کے متعلق نہیں آئیں۔	〃
وہ شخص احمق ہے جو تمام خلفائے راشدین کو مرتبے میں برابر جانے۔	〃
صاحب فتوحات مکیہ کے اس قول کی مراد کا بیان کہ خلفائے راشدین کی ترتیب خلافت کا سبب ان کی عمریں تھیں۔	〃
علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے	〃

مضامین	صفحہ
کہ صحابہ کرام میں جو جھگڑے واقع ہوئے وہ خلافت میں نزاع کے باعث نہیں تھے بلکہ خطا اجتہادی کی بنا پر تھے۔	۱۸۰
ہماری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والوں سے کوئی آشنائی نہیں بلکہ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں ہم کو رنج محسوس ہوتا ہے لیکن چونکہ جنگ کرنے والے بھی حضور کے صحابہ ہیں الخ	۱۸۱
حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر اس سے زیادہ کچھ کہنا نامناسب ہے۔	؍؍
درستی عقائد کے بعد احکام فقہیہ کے سیکھنے سے بھی چارہ نہیں نیز اس علم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔	۱۸۲
فضائل نماز سب سے اول وضو نہایت درستی اور کامل طریقہ پر کرنا چاہیے۔	؍؍
کسی بھی مستحب امر کو معمولی خیال نہ کریں۔	؍؍
اگر تمام دنیا کے مقابلہ میں ایسا عمل معلوم ہو جو خدا تعالیٰ کو پسند ہے اور اس کے مطابق عمل نصیب ہو جائے تو یہ غنیمت ہے۔	؍؍
اس کا اہتمام ہونا چاہیے کہ کوئی بھی فرض نماز بے جماعت ادا نہ ہو۔ بلکہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہیں ہونی چاہیے۔	؍؍
رکوع اور سجدہ میں اطمینان کو ملحوظ رکھنا فرض ہے یا واجب۔ اور قومہ میں سیدھا کھڑا ہونے کی شکل میں طمانیت کی ادائیگی جو فرض یا واجب یا سنت ہے۔ اور اسی طرح جلسہ میں۔	۱۸۲
نماز میں بندہ نظر کہاں رکھے اور اس کے فوائد کا بیان۔	۱۸۳
ان دو اعتقادی اور عملی پروں کو حاصل کرنے کے بعد طریقہ صوفیہ میں سلوک اختیار کرے۔ کسی زائد چیز کو حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس یقین کو حاصل کرنے کے لیے جو تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو۔	؍؍
طریقہ صوفیہ میں سلوک سے مقصود یہ نہیں کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ کیا جائے۔ کیونکہ لہو ولعب میں داخل ہے حسی صورتوں اور انوار کے مشاہدہ میں کیا نقصان ہے کہ کوئی الخ	۱۸۴
صوفیہ کے طریقوں میں سے طریقہ نقشبندیہ کو اختیار کرنا بہت اچھا اور بہتر ہے اور اس بہتری کی وجہ۔	؍؍
حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا شیخ کمال کو ڈانٹنا جس نے کھانا شروع کرتے وقت بلند آواز سے بسم اللہ کہی تھی۔	؍؍
حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ علماء	

مضامین	صفحہ
بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں لے گئے تاکہ انہیں ذکر جہر سے منع کریں۔	۱۸۴
وہ احوال و مواجید جو خلاف شرع کاموں پر مرتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج میں داخل ہیں۔ اہل استدراج کو احوال و مواجید میسر آتے ہیں۔ یونان کے حکما اور ہندوستان برہمن اور جوگی بھی اس معنی میں شریک ہیں۔	"
صدق احوال کی علامت یہ ہے کہ ایک تو وہ علوم شرعیہ کے موافق ہوں۔ دوسرے صاحب احوال امور محرمہ کے ارتکاب سے بچتا ہو۔	۱۸۵
اس بات کو جان لیں کہ سماع اور رقص فی الحقیقت لہو و لعب میں داخل ہیں۔	"
اس امر کا بیان کہ خدا تعالیٰ کے ارشاد ومن الناس من یشتری لہو الحدیث سے مراد صحابہ کرام تابعین عظام اور فقہاء علیہم الاحترام کی نقل کے مطابق گانا بجانا ہے۔	"
حل و حرمت کے بارہ میں صوفیہ کا عمل حجت نہیں۔ اس مقام پر امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول درکار ہے۔ نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا عمل۔	۱۸۶
اس وقت کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص و سرود کو دین وملت قرار دے لیا ہے۔	"
مکتوب نمبر ۲۶۷	۱۸۷
اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ نے جن اسرار و دقائق کے ساتھ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو نوازا ہے اس کا تھوڑا سا حصہ بھی ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ رمز و اشارہ سے بھی اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اور یہ اسرار و معارف بینہ نبوت سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اور بلند شان والے ملائکہ بھی اس دولت میں شریک ہیں۔	۱۸۷
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے علم حاصل کیے الخ	۱۸۸
طریقت کی برکات اس وقت تک فائض ہوتی رہتی ہیں۔ جب تک اس میں کوئی بدعت پیدا نہ ہو۔	"
مکتوب نمبر ۲۶۸	۱۸۹
اس بیان میں کہ وہ علم جو وراثت انبیاء ہے کون سا ہے۔ اور حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل میں علما سے کون سے علماء مراد ہیں۔ اور اس بیان میں کہ علم اسرار جو وراثت کے طور پر ابھی باقی ہے وہ ان اسرار کے علاوہ جن کو اولیاء امت نے بیان کیا ہے۔	"
عالم وارث وہ ہے، جسے دونوں قسم	"

مضامین	صفحہ
کے علوم سے حصہ ملا ہو۔ نہ کہ وہ عالم جس کو ایک نوع سے تو حصہ ملا ہو مگر دوسری نوع سے نہ ملا ہو۔	۱۸۹
ایک جماعت نے کمالات نبوت تک نارسائی کے باعث کہا ہے۔ الولایۃ افضل من النبوۃ اور ایک دوسری جماعت نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔ ان دونوں گروہوں نے حقیقت نبوت سے ناواقفیت کی بناء پر غائب پر حکم لگایا ہے۔	۱۹۰
صحو کو سکر پر ترجیح بخلاف بعض مشائخ کے	〃
کفر اور جہل مقام ولایت کے مناسب ہے اور اسلام و معرفت مرتبہ نبوت سے مناسبت رکھتا ہے۔	۱۹۱
منصور حلاج کا قول کفرت بدین اللہ والکفر واجب۔ الخ	〃
سوال و جواب۔	〃
انبیاء کرام نے یہ تمام بزرگی اور بلندی شان جو پائی ہے راہ نبوت سے پائی ہے نہ راہ ولایت سے۔	〃
تمت بالخیر۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔	۱۹۲

اردو ترجمہ مکتوبات حصہ چہارم

دفتر اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب نمبر ۲۲۱

سید حسین مانکپوری کی طرف صادر فرمایا:

طریقہ علیہ نقشبندیہ کی خصوصیتوں اور کمالات کے بیان میں یعنی اس طریق کے افضل ہونے اور دوسروں کی انتہا اس کی ابتدا میں مندرج ہونے اور اس طریق کے انتہا کے بیان میں۔ اور سفر در وطن اور خلوت در انجمن اور سلوک پر جذبہ کے مقدم ہونے کے بیان میں۔ اور اس بیان میں کہ اس طریق میں سیر کی ابتدا عالم امر سے ہے۔ اور یہ طریقہ موصل الی اللہ طریقوں میں سب سے اقرب ہے اور یہ طریقہ ایسا ہے کہ اس کی ابتداء میں حلاوت اور وجدان ہے۔ اور انتہا میں بیمزگی اور فقدان جو ناامیدی کے لوازم سے ہے۔ اور ایسے ہی اس طریق کے ابتداء میں قرب و شہود ہے اور انتہا میں بُعد و حرمان اور اس طریقہ کے بزرگواروں نے احوال و مواجید کو احکام شرعی کے تابع کیا ہے۔ اور ذوق و معرفتوں کو علوم دینی کا خادم قرار دیا ہے اور اس طریق میں پیری و مُریدی طریقت کے سیکھنے اور سکھانے پر ہے نہ صرف کلاہ و شجرہ پر۔ اور اس طریق میں نفس امارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجاہدے احکام شرعی کے بجالانے اور سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے لازم پکڑنے سے ہیں۔ اور اس طریق میں سالک کا سلوک شیخ مقتدا کے تصرف پر منحصر ہے اور جس طرح یہ بزرگوار نسبت کے عطا کرنے میں کامل طاقت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اس نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری پوری طاقت رکھتے ہیں اور اس طریق میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔ اور خاموشی اس طریق کے لوازمات سے ہے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ وَعَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

میرے عزیز بھائی! سیادت پناہ میر سید حسین نے دور پڑے ہوؤں کو فراموش نہ کیا ہوگا۔ اور اس طریقہ علیہ کے آداب کی رعایت کو جو مشائخ کرام کے تمام طریقوں سے کئی وجہ سے ممتاز ہے۔ ہاتھ سے نہ دیا ہوگا چونکہ آپ کو ملاقات کی فرصت کم ملی۔ اس لیے مطلب کو مد نظر رکھ کر اس طریقۂ علیہ کی بعض خصوصیتوں اور کمالات کو علوم بلند و معارف ارجمند کے ضمن میں لکھتا ہے۔

اگرچہ معلوم ہے کہ اس قسم کے علوم و معارف کا سمجھنا بالفعل سننے والوں کے فہموں سے بعید ہے لیکن ایسے معارف اختیار کرنا دو وجہ سے ہے۔ ایک یہ کہ سننے والے کو ان علوم کی استعداد ہے اگرچہ اس کو بالفعل دور دکھائی دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ بظاہر میں مخاطب معین ہے۔ لیکن حقیقت میں مخاطب وہ شخص ہے جو اس معاملہ سے واقف ہے۔ اَلسَّیْفُ لِلضَّارِبِ (تلوار مارنے والے کے لیے ہے) مثل مشہور ہے۔

اے برادر! اس بلند طریق کے سرحلقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تحقیقی طور پر تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔ اور اسی اعتبار سے اس طریق کے بزرگواروں کی عبارتوں میں آیا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ ان کی نسبت جس سے مراد خاص حضور اور آگاہی ہے بعینہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت اور حضور ہے۔ جو تمام آگاہیوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اس طریق میں نہایت اس کے ابتدا میں مندرج ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو ابتدا میں درج کرتے ہیں ؎

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کا اندازہ کر لو۔

اور اگر کوئی پوچھے کہ جب دوسروں کی انتہا ان کے ابتداء میں مندرج ہوئی تو پھر ان کی انتہا کیا ہوگی۔ نیز جب دوسروں کی نہایت وصول بحق ہے۔ تو پھر ان کو حق سے آگے کہاں تک سیر میسر ہوگا۔ حالانکہ لَیْسَ وَرَاءَ عَبَّادَانَ قَرْیَۃٌ (جزیرہ عبادان کے آگے اور کوئی گاؤں نہیں ہے) مثل مشہور ہے۔ تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ:

اس طریقہ علیہ کی نہایت اگر میسر ہو جائے وصل عریانی ہے جس کے حاصل ہونے کی علامت مطلوب کے حاصل ہونے سے ناامیدی کا حاصل ہونا ہے۔ پس اس کو سمجھ لے۔ کیونکہ ہمارا کلام وہ اشارات ہیں جن کو خواص بلکہ خاص میں سے بہت تھوڑے سمجھتے ہیں۔ اس اعلیٰ دولت کے حاصل ہونے کی علامت اس واسطے بیان کی ہے کہ

اس گروہ میں سے بعض نے وصل عریانی کا دم مارا ہے۔ اور بعض مطلوب کے حاصل ہونے سے ناامیدی کے قائل ہوتے ہیں۔ لیکن اگر دونوں دولتوں کا جمع ہونا ان کے پیش کیا جائے تو نزدیک ہے ان کے جمع ہونے کو جمع ضدین خیال کریں۔ اور محالات کی قسم سے جانیں۔ وہ جماعت جو وصل کا دعوٰی کرتی ہے یاس کو حرمان جانتی ہے۔ اور وہ گروہ جو یاس کے مدعی ہے وصل کو عین فصل خیال کرتا ہے۔ یہ سب کچھ اس بلند مرتبہ تک نہ پہنچنے کی علامت ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس عالی مقام کا ایک پرتو ان کے باطن پر چمکا ہے۔ جس کو بعض نے وصل خیال کیا ہے اور بعض نے یاس۔ اور یہ تفاوت ہر ایک گروہ کی استعداد سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک گروہ کی استعداد کے مناسب وصل ہے اور دوسرے گروہ کی استعداد کے مناسب یاس۔

اس حقیر کے نزدیک وصل کی استعداد سے یاس کی استعداد بہت اچھی ہے۔ اگرچہ وصل و یاس ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ اس جواب سے دوسرے اعتراض کا جواب بھی روشن ہو گیا۔ کیونکہ وصل مطلق اور ہے اور وصل عریاں اور۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اور وصل عریانی سے ہماری مراد یہ ہے کہ حجاب سب کے سب اٹھ جائیں۔ اور تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں اور چونکہ ہر قسم کی تجلیات اور مختلف قسم کے ظہورات بہت بڑے اور قوی حجاب ہیں۔ اس لیے ان سب تجلیات و ظہورات سے گزر جانا اور آگے بڑھنا ضروری ہے۔ خواہ یہ تجلی و ظہور امکانی آئینوں میں ہو۔ خواہ وجوبی مظہروں میں۔ کیونکہ اصل حجابوں کے حاصل ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ اور اگر کچھ فرق ہے تو شرف اور رتبہ میں ہے۔ اور وہ طالب کی نظر سے خارج ہیں۔

اگر پوچھیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ تجلیات کی نہایت ہے۔ حالانکہ مشائخ طریقت نے تصریح کی ہے کہ تجلیات کی نہایت نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجلیات کا بے نہایت ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اسماء و صفات میں سیر مفصل طور پر واقع ہو۔ اس تقدیر پر حضرت ذات تک پہنچنا میسر نہیں ہے۔ اور وصل عریانی حاصل نہیں۔ بلکہ حضرت ذات تک پہنچنا اسماء و صفات کو مجمل طور پر طے کرنے سے وابستہ ہے۔ پس اس وجہ سے تجلیات کی نہایت ہوگی۔ اور اگر کہا جائے کہ تجلیات ذاتیہ کو بھی بے نہایت کہا ہے۔ چنانچہ مولوی جامی قدس سرہ نے شرح لمعات میں اس کی تصریح کی ہے۔ پس تجلیات کی نہایت کہنا کس وجہ سے درست ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تجلیات ذاتیہ بھی شیون و اعتبارات کے لحاظ کے بغیر نہیں ہے۔ کیونکہ اس لحاظ کے بغیر تجلی کا ہونا ممکن نہیں اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ وہ ایک ایسا امر ہے جو تجلیات کے ماوراء ہے۔ خواہ وہ تجلیات صفاتی ہوں خواہ ذاتی۔ کیونکہ اس مقام میں تجلی کا اطلاق جائز نہیں۔ اس لیے تجلی پر تجلی کا ہونا مراد ہے۔ اشے کے ظہور سے جو دوسرے یا تیسرے یا چوتھے

مرتبہ میں جو جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور یہاں سب مراتب ساقط ہو گئے ہیں اور تمام مسافت طے ہو چکی ہے۔

اور اگر یہ پوچھیں کہ ان تجلیات کو ذاتی کس اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ تجلیات اگر معانی زائدہ کے ملاحظہ سے ہیں، تو تجلیات صفات ہیں۔ اور اگر غیر زائدہ معانی کے ملاحظہ سے ہیں۔ تو تجلیات ذات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وحدت کے ظہور کو جو تعین اوّل ہے۔ اور وہ ذات پر زائد نہیں ہے۔ بزرگوں نے تجلی ذات کہا ہے۔ اور ہمارا مطلب حضرت ذات تعالیٰ و تقدس ہے جہاں معانی کے ملاحظہ کو ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ خواہ وہ معانی زائد ہوں یا غیر زائد۔ کیونکہ معانی سب کے سب مجمل طور پر طے ہو کر حضرت ذات تعالیٰ تک وصول میسر ہوا ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ وصل اس مقام میں مطلب کی طرح بیچگون ہے۔ اور وہ اتصال جس کو عقل سمجھ سکے وہ بحث سے خارج ہے اور اس جناب پاک کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں ہے "لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاهُ" بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں" ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس

اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی جان سے بے کیف اور بے قیاس اتصال ہے۔

اس طریقہ علیہ کے مشائخ میں سے کسی نے اپنی نہایت کی خبر نہیں دی ہے۔ سچے اپنے طریق کے ابتدائی نسبت کہا ہے کہ نہایت اسی میں مندرج ہے۔ جب ان کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا مل ہوئی ہو۔ تو ان کی نہایت بھی اسی بدایت کے مناسب ہونی چاہیے۔ اور وہی ہے۔ جس کے ظاہر کرنے سے اس فقیر نے لحقیۃ حاصل کیا ہے ؎

اگر بادشاہ بر در پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اے خواجہ اگر بڑھیا کے دروازہ پر بادشاہ تشریف لائے تو تجھے مونچھیں اگر اپنی داڑھی نہیں نوچنی چاہیے۔

لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰى ذٰلِكَ۔ اس بات پر اللہ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔

اے برادر! اس طریق سے اور دوسرے طریقوں سے اس نہایت کے واصل بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اگر ان کے افراد کی تعداد ظاہر کریں۔ تو نزدیک ہے کہ نزدیک لوگ دوری اختیار کریں اور بعیدوں کے انکار سے تو کچھ تعجب ہی نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ سے نہایت النہایت تک کمال وصول کے سبب سے ہے۔

اور اس طریقہ علیہ کی خصوصیتوں میں سے ایک سفر در وطن ہے۔ جو سیر انفسی سے مراد ہے۔ اگرچہ سیر انفسی مشائخ کے تمام طریقوں میں ثابت ہے۔ لیکن وہ سیر سیر آفاقی کے قطع کرنے کے بعد نہایت میں میسر ہوتا ہے۔ اور اس طریق میں ابتدا اسی سیر سے ہے۔ اور سیر آفاقی اسی کے ضمن میں قطع ہو جاتا ہے۔ پس اس سیر کا منشا جو ابتدا میں حاصل ہوتا ہے۔ ابتدا میں انتہا کا مندرج ہوتا ہے اور دوسرا خاصہ خلوت در انجمن ہے۔ جو سفر در وطن پر متفرع و مترتب ہے۔ جب سفر در وطن میسر ہو جائے۔ خلوت در انجمن اس کے ضمن میں میسر ہو جائے گا۔ پس انجمن کا تفرقہ سفر در وطن کے خلوت خانہ میں تفرقہ نہیں ڈالتا۔ اور آفاق کا تفرقہ انفس کے مجمع میں راہ نہیں پاتا۔ یہ خلوت در انجمن اگرچہ دوسرے طریقوں کے منتہیوں کو حاصل ہے لیکن اس طریق میں چونکہ ابتدا ہی میں میسر ہو جاتی ہے اس لیے اس طریق کے خاصوں میں سے ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ خلوت در انجمن اس تقریر پر ہے کہ وطن کے خلوت خانہ کے دروازوں کو بند کیا ہو اور تمام سوراخوں کو مسدود کر دیا ہو یعنی انجمن تفرقہ میں کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور متکلم و مخاطب نہ ہو نہ یہ کہ آنکھ کو ڈھانپے اور حواس کو تکلف کے ساتھ بیکار کرے۔ کیونکہ یہ بات اس طریق کے منافی ہے۔

اے برادر! یہ سب حیلہ و تکلف ابتدا اور وسط ہی میں ہے۔ اور انتہا میں اس قسم کا حیلہ و تکلف درکار نہیں ہے۔ عین تفرقہ میں جمعیت ہے۔ اور نفس غفلت میں حاضر ہے۔ اس سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ منتہی میں تفرقہ و عدم تفرقہ مطلق طور پر مساوی ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تفرقہ و عدم تفرقہ اس کے باطن کے نفس جمعیت میں برابر ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کرے اور ظاہر سے بھی تفرقہ کو دفع کر دے تو پھر بہت ہی بہتر اور مناسب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امر کرتا ہوا فرماتا ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا[1] اپنے رب کا نام یاد کر اور سب سے توڑ کر اس سے جوڑ۔

جاننا چاہیے کہ بعض اوقات ظاہر کے تفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا۔ تاکہ خلق کے حقوق ادا ہوں۔ پس تفرقہ ظاہر بھی بعض اوقات اچھا ہے۔ لیکن تفرقہ باطن کسی وقت میں جائز نہیں۔ کیونکہ وہ خالص حق تعالیٰ کے لیے ہے۔

پس مسلمان بندوں سے تین حصے خدا نے تعالیٰ کے لیے مقرر ہوئے۔ باطن سب کا سب اور ظاہر سے ایک نصف۔ اور ظاہر کا دوسرا نصف خلق کے حقوق ادا کرنے کے لیے باقی رہا۔ لیکن ان حقوق کے ادا کرنے میں چونکہ حق تعالیٰ کے امر کی بجا آوری ہے اس لیے وہ دوسرا نصف بھی حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

---

[1] سورۂ مزمل، پارہ تبارک الذی ۱۲

اِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔

سب کام اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ پس اسی کی عبادت کر اور اسی پر توکل کر اور تیرا رب اس سے جو تم کرتے ہو غافل نہیں
اور اس طریق میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اور سیر کی ابتدا عالم امر سے ہے۔ برخلاف اکثر دوسرے طریقوں کے کہ ان کے سیر کی ابتدا عالم خلق سے ہے۔ اور اس طریق میں سلوک کی منزلیں جذبہ کے مراتب طے کرنے کے ضمن میں قطع ہو جاتی ہیں۔ اور عالم خلق کا سیر عالم امر کے سیر میں میسر ہو جاتا ہے۔ پس اگر اس اعتبار سے بھی کہیں کہ اس طریق میں انتہا ابتدا میں مندرج ہے تو گنجائش رکھتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابتدا کا سیر اس طریق میں انتہا کے سیر میں مندرج ہے۔ نہ یہ کہ انتہا سے ابتدا کی سیر کے لیے اتر آتے ہیں۔ اور نہایت کا سیر تمام کرنے کے بعد بدایت کا سیر کرتے ہیں۔

اس مضمون سے اس شخص کا خیال باطل ہو گیا جو یہ کہتا ہے کہ اس طریق کی انتہا دوسرے مشائخ کے طریقوں کی ابتدا ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ اس طریقہ کے بعض مشائخ کی عبارتوں میں واقع ہے کہ اسما و صفات میں ان کا سیر ان کی نسبت کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوتا ہے۔ پس درست ہوا کہ ان کی نہایت دوسروں کی بدایت ہے کیونکہ اسما و صفات کا سیر تجلیات ذاتیہ کے سیر کی نسبت میں ابتدا ہے۔ تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ان کا سیر اسما و صفات میں تجلیات ذاتیہ کے سیر کے بعد نہیں ہے۔ بلکہ اسی سیر کے ضمن میں وہ سیر بھی واقع ہو جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب سیر اسمائی و صفاتی کسی عارضہ کے پیش آنے کے باعث ظہور کرتا ہے۔ اور تجلیات ذاتی کا سیر پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ تو خیال میں آتا ہے کہ اس سیر کو تمام کر کے عارضہ کے باعث تجلیات اسمائی و صفاتی میں داخل ہو گیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہاں ولایت کے مدارج میں سیر پورا کرنے کے بعد خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے کے لیے عالم کی طرف جو رجوع واقع ہوتا ہے اگر اس رجوع کو ان کی نہایت سمجھ کر اپنی بدایت تصور کیا ہو۔ تو بعید نہیں۔ لیکن فقیر کیا کہے۔ جب کہ اس کے مشائخ نہایت میں ہی رجوع رکھتے ہیں۔ اور نیز نہایت و بدایت سے مراد ولایت کا نہایت و بدایت ہے۔ اور یہ رجوع کا سیر ولایت سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ مرتبۂ دعوت و تبلیغ کا ایک حصہ ہے۔ اور یہ طریق سب طریقوں سے اقرب ہے۔ اور بیشک مقصود تک پہنچانے والا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے۔ اور فرمایا

لے سورۂ ہود، پارہ ۱۲۔

حق تعالیٰ سے میں نے ایسا طریق طلب کیا ہے جو بے شک موصل ہے۔ اور آپ کی یہ التجا مقبول ہو گئی ہوئی ہے۔

چنانچہ رشحات میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ یہ طریقہ کیونکر اقرب اور موصل نہ ہو جب کہ انتہا اس کے ابتدا میں مندرج ہے وہ شخص بہت ہی بد قسمت ہے جو اس طریق میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب چلا جائے ع

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

سورج کا کیا قصور اگر کوئی خود ہی نابینا ہو۔

ہاں اگر کوئی طالب کسی ناقص کے ہاتھ پڑ جائے تو طریق کا کیا گناہ ہے اور طالب کا کیا قصور۔ کیونکہ حقیقت میں اس طریق کا رہبر موصل ہے نہ نفس طریق۔ اور اس راہ میں ابتدا میں حلاوت و وجدان ہے اور انتہا میں بے مزگی اور فقدان یعنی نا امیدی کے لوازمات میں سے ہے۔ برخلاف دوسرے طریقوں کے کہ ابتدا میں بے مزگی اور فقدان رکھتے ہیں اور انتہا میں حلاوت و وجدان اور ایسے ہی اس طریق کے ابتدا میں قرب و شہود ہے اور انتہا میں بُعد و حرمان۔ برخلاف دوسرے مشائخ کرام کے طریقوں کے۔

پس اس مضمون سے طریقوں کے فرق کو قیاس کرنا چاہیے۔ اور اس بلند طریق کی بزرگی کو معلوم کرنا چاہیے۔ کیونکہ قرب و شہود اور حلاوت و وجدان دوری اور مہجوری سے خبر دیتے ہیں۔ اور بُعد و حرمان اور بے حلاوتی اور فقدان نہایت قرب سے خبر دیتے ہیں۔ عقلمند لوگ اس بات کو سمجھتے ہیں۔

اس بھید کی شرح میں اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص کے لیے اپنے نفس سے زیادہ تر اپنے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔ اور قرب و شہود اور حلاوت و وجدان اس کے لیے اپنے نفس کے حق میں مفقود ہیں اور اپنے غیر کی نسبت جس سے بیگانگی رکھتا ہے۔ یہ سب نسبتیں موجود ہیں۔ اَلْعَاقِلُ تَكْفِيهِ الْإِشَارَةُ پس عقلمند کے لیے ایک ہی اشارہ کافی ہے۔

اور اس طریقہ علیہ کے بزرگواروں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے اور اذواق و معارف کو علوم دینیہ کا خادم بنایا ہے۔

احکام شرعیہ کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے اخروٹ و منقہ کے عوض ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اور صوفیہ کے کلمات سکریہ پر مغرور و مفتون نہیں ہوتے۔ اور ان کے احوال کو جو شرعی ممنوعات اور سنت سنیہ کے خلاف اختیار کرنے سے حاصل ہوں۔ قبول نہیں کرتے۔ اور نہ ہی انہیں چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سماع و رقص کو پسند نہیں کرتے۔ اور ذکر جہر کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ان کا حال دائمی ہے

اور ان کا وقت استمراری۔ وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کو برق خاطف کی طرح ہے۔ ان کے لیے دائمی ہے۔ اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو۔ ان بزرگواروں کے نزدیک بے اعتبار ہے۔ بلکہ ان کا معاملہ حضور و تجلی سے برتر ہے۔ جیسے کہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اس طریقہ علیہ کے خواجگان قدس سرہم ہر ادنیٰ و اعلیٰ کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا کام اس سے بلند تر ہے۔ اور اس طریق میں پیری و مریدی طریقہ کے تعلم و تعلیم پر موقوف ہے نہ صرف کلاہ و شجرہ پر جو مشائخ کے اکثر طریقوں میں مروج ہے۔ حتّٰی کہ ان میں سے متاخرین نے پیری و مریدی کو کلاہ و شجرہ پر منحصر کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیر کا تعدد تجویز نہیں کرتے اور طریق سکھانے والے کو مرشد کہتے ہیں پیر نہیں جانتے۔ اور آداب پیری کا اس کے حق میں مدنظر نہیں رکھتے۔ یہ ان کی بڑی جہالت اور نادانی ہے۔ نہیں جانتے کہ ان کے مشائخ نے پیر تعلیم اور پیر صحبت کو بھی پیر کہا ہے۔ اور پیر کا تعدد تجویز فرمایا ہے۔ بلکہ پیر اول کی عین حیات میں اگر طالب اپنی ہدایت کسی اور جگہ دیکھے تو اس کو جائز ہے کہ پہلے پیر کے انکار کے بغیر دوسرے پیر کو اختیار کرے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے اس بات کی تجویز کے لیے علمائے بخارا سے اس بات کا فتویٰ لے درست فرمایا تھا۔ ہاں اگر ایک پیر سے خرقہ ارادت لیا ہو تو پھر دوسرے سے خرقہ ارادت نہ لے۔ اور اگر لے تو تبرک کا خرقہ لے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا پیر ہرگز نہ پکڑے۔ بلکہ روا ہے کہ خرقہ ارادت ایک سے لے۔ اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے۔ اور اگر یہ تینوں دولتیں ایک ہی سے میسر ہو جائیں، تو زہے قسمت و نعمت اور جائز ہے کہ مشائخ متعددہ سے تعلیم و صحبت کا استفادہ کیجیے۔

جاننا چاہیے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہٗ کی طرف راہنمائی کرے۔ یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے۔ کیونکہ پیر تعلیم شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما بھی ہے۔ برخلاف پیر خرقہ کے۔ پس پیر تعلیم کے آداب کی زیادہ تر رعایت کرنی چاہیے۔ اور پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے۔ اور اس طریق میں ریاضتیں اور مجاہدے نفس امارہ کے ساتھ احکام شرعی کے بجالانے اور سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑنے سے ہیں۔ کیونکہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے نفس امارہ کی خواہشوں کو دور کرنا مقصود ہے جو اپنے مولائے جل شانہٗ کی دشمنی میں قائم ہے۔

پس نفسانی خواہشوں کا دور ہونا احکام شرعی کے بجالانے پر وابستہ ہے۔ جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا۔ اُسی قدر خواہش نفس سے دور تر ہوگا کیونکہ نفس پر شریعت کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں ہے۔ اور صاحب شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور

نہیں ہے۔ وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں وہ معتبر نہیں ہیں کیونکہ جوگی اور ہندو اور برہمن اور یونان کے فلسفی اس امر میں شریک ہیں اور وہ ریاضتیں ان کے حق میں گمراہی کے سوا کچھ زیادہ نہیں کرتیں اور سوائے خسارہ کے کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ اور اس طریقہ میں طالب کا سلوک شیخ مقتدا کی تقلید پر منحصر ہے۔ اس کے تصرف[1] کے بغیر کچھ کام نہیں ہو سکتا کیونکہ ابتدا میں نہایت کا درج ہونا اسی کی شریف توجہ کا اثر ہے اور بیخودی اور بیخبری کا حاصل ہونا اسی کے کمال تصرف کا نتیجہ ہے۔ بے خودی کی وہ کیفیت جس کے لیے انھوں نے مختص راستہ اختیار کیا ہے اس کا حاصل ہونا مبتدی کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور وہ ترجیہ جو شش جہت سے معرا ہے۔ اس کا وجود طالب کے حوصلہ سے باہر ہے ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند

کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

نقشبندی بزرگ عجیب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔

یہ بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالب صادق کو حضور و آگاہی بخش دیتے ہیں۔ اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اپنے اولیائے کرام کے غضب سے بچائے[2]۔

اور اس طریقہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔ ان بزرگواروں نے فرمایا ہے کہ جس کو ہماری خاموشی سے نفع حاصل نہ ہوا۔ وہ ہمارے کلام سے کیا نفع حاصل کرے گا۔ اور اس خاموشی کو انھوں نے تکلف کے ساتھ اختیار نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کے طریق کے لوازم اور ضروریات سے ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں کی توجہ ابتدا ہی سے احدیت مجردہ کی طرف ہے۔ اور اسم و صفت سے سوائے ذات کے کچھ نہیں چاہتے اور معلوم ہے کہ اس توجہ کے مناسب اور اس مقام کے موافق خاموشی اور گنگا ہونا ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہو گئی)[3] اس بات کی مصداق ہے۔

اب ہم اس گفتگو کو اللہ کی حمد اور اس کے حبیب کی صلوٰۃ پر ختم کرتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ وَصَحْبِہِمْ اَجْمَعِیْنَ ۔

ف۱ معلوم ہوا اولیاء اللہ کا تصرف کرنا برحق ہے ۱۲

ف۲ اولیاء اللہ کی قدرت و طاقت کے منکر امام ربانی کے ان کلمات کا غور سے مطالعہ کریں۔

ف۳ یہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے۔

"تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی آل پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو۔"

مکتوب نمبر ۲۲۲

خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اعمال کی خرابی اور اپنے حسنات کو کم دیکھنا اور متہم رکھنا اور اس دید قصور کا ولایت کے کمالات کے ساتھ جمع ہونے بلکہ اس دید کا ان کمالات کا اثر ہونے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِكَ وَثَبِّتْنَا عَلٰى طَاعَتِكَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔ .. یا اللہ تو ہم کو اپنی رضا مندی کی توفیق بخش۔ اور حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھ۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ مرید صادق وہ ہے کہ بیس سال تک اس کی بائیں طرف کے عمل لکھنے والے فرشتے اس کے عمل نامہ میں کچھ لکھنے نہ پائیں۔ اور یہ فقیر بہ تقصیر ذوق سے اپنے حق میں معلوم کرتا ہے کہ کاتب یمین معلوم نہیں کہ بیس سال کی مدت میں بھی کوئی ایسی نیکی پائے جو اس کے عمل نامہ میں درج کرے خدائے تعالیٰ جانتا ہے کہ فقیر اس بات کو بناوٹ اور تکلف سے نہیں کہتا۔ اور نیز از روئے ذوق کے معلوم کرتا ہے کہ کافر فرنگ اس سے کئی درجے بہتر ہے۔ اور اس کا باعث پوچھیں تو جواب سے عاجز نہیں ہے۔ اور نیز ذوق کے طریق پر اپنے آپ کو برائیوں کا احاطہ کیے ہوئے جانتا ہے۔ اور گناہوں کو شامل کیے ہوئے خیال کرتا ہے۔ اور وہ نیکیاں جو سرزد ہوتی ہیں۔ اپنے کاتب شمال کو ان کے لکھنے کا زیادہ مستحق پاتا ہے۔ اور معلوم کرتا ہے کہ اس کا کاتب شمال ہمیشہ اپنے کام میں مصروف ہے۔ اور کاتب یمین معطل و بیکار ہے اور دائیں طرف کے عمل نامے کو خالی اور سفید اور بائیں طرف کے عمل نامہ کو بھرا ہوا اور سیاہ جانتا ہے۔ رحمت کے سوا اسے کوئی امید نہیں اور مغفرت کے سوا کوئی وسیلہ نہیں جانتا۔

اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ۔ یا اللہ تیری بخشش میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے۔ اور مجھے اپنے عمل کی نسبت تیری رحمت پر زیادہ امید ہے۔

اس کے حال کے موافق ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ حق تعالیٰ کے فیوض و واردات جو ہمیشہ کمال اور تکمیل کے درجوں میں فائض اور

وارد ہیں وہ اس دید قصور کی تائید کرتے ہیں۔ اور اس عیب بینی کو تقویت دیتے ہیں۔ اور بجائے غرور کے منقصت زیادہ کرتے ہیں۔ اور بجائے رفعت و تکبر کے تواضع اور فروتنی کو بڑھاتے ہیں۔ اور ایک ہی وقت میں کمالات ولایت سے بھی مشرف ہے اور دید قصور سے بھی موصوف ہے۔ یہ فقیر جس قدر بلند جاتا ہے۔ اُسی قدر زیادہ نیچے اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ بلکہ وہی اوپر جانا زیادہ نیچے دیکھنے کا سبب ہوا ہے۔ دانا اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔ اور اگر اس بات کا بھید معلوم کریں۔ تو پھر شاید یقین کریں۔

سوال:۔ ان دو متنافی باتوں کے جمع ہونے کا کیا سر ہے۔ اور ایک متنافی کا وجود دوسرے متنافی کے وجود کا کیوں سبب ہے؟

جواب:۔ دونوں متنافی چیزوں کا جمع ہونا اس شرط پر محال ہے جب کہ محل دونوں کا واحد ہو اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں محل متعدد ہیں۔ انسان کامل سے اوپر جانے والے اس کے عالم امر کے لطائف ہیں۔ اور نیچے آنے والے عالم خلق کے لطائف جس قدر بلند جاتے ہیں۔ اسی قدر عالم خلق سے زیادہ بے مناسب ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہی بے مناسبتی عالم خلق کے زیادہ نیچے آنے کا سبب ہے۔ اور عالم خلق جس قدر زیادہ نیچے آتا ہے۔ اُسی قدر سالک کو زیادہ بے مزہ کرتا ہے۔ اور عیوب و قصور کی دید زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منتہی مرجوع اس لذت و حلاوت کی آرزو کرتے ہیں جو ابتدا میں ان کو حاصل ہوئی تھی۔ اور انتہا میں ہاتھ سے جاتی رہی اور اس کی جگہ بے مزگی آگئی اور یہی وجہ ہے کہ عارف اپنے آپ سے کافر فرنگ کو بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ کافر میں اس کے عالم امر کے عالم خلق میں ملنے کے سبب سے نورانی ظاہر ہے۔ اور عارف میں یہ ملاوٹ دُور ہو چکی ہے۔ عالم خلق تھا جس کے باعث عارف سے خاص نمود ہوتا ہے، جدا رہ گیا ہے۔ جو سراسر ظلمت و کدورت سے پُر ہے۔ اور عالم امر کے لطائف خواہ کتنے ہی نیچے آئیں۔ عالم خلق کے ساتھ کوئی اختلاط نہیں رکھتے اور کچھ ملاوٹ حاصل نہیں کرتے، جیسے کہ ابتدا میں رکھتے تھے۔

وہ مکتوب جو برادرم خواجہ محمد طاہر کے ہاتھ آپ نے بھیجا تھا، پہنچا۔ رابطہ[1] کا حاصل ہونا جو پوری مناسبت پر مبنی ہے۔ غیبت کے زمانہ میں بڑی نعمت سمجھیں اور موانع کے دُور ہونے تک دلوں کے قرب پر کفایت کریں۔ اور اس قرب کے باوجود بدنوں کے قرب کی خواہش کو ہاتھ سے نہ دیں کیونکہ پوری نعمت اسی قرب پر موقوف ہے۔

خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو باوجود قرب قلبی کے چونکہ قرب بدنی حاصل نہ ہوا۔ اس لئے ان

[1] تصور شیخ کامل۔

لوگوں میں سے ادنیٰ آدمی کے درجے کو بھی نہیں پہنچا۔ جن کو قرب بدنی حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا احد پہاڑ خرچ کرنا ان کے ایک سیر بھر جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا۔ پس صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۲۲۳

احوال و واقعات کو شیخ بزرگوار کی خدمت میں ظاہر کرنے کی ترغیب میں خواجہ جمال الدین حسین کولابی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

برادرم خواجہ جمال الدین حسین نے مدت سے اپنے احوال کی کیفیت سے اطلاع نہیں دی۔ آپ نے نہیں سنا کہ مشائخ کبرویہ، اس مرید کو جو تین روز تک اپنے احوال و واقعات کو اپنے شیخ کی خدمت میں عرض نہ کرے۔ کلب یا، فرماتے ہیں۔ خیر جو کچھ ہوا، ہوا۔ پھر ایسا نہ کریں۔ اور جو کچھ ظاہر ہوتا رہے، لکھتے رہا کریں۔ میرے بزرگ بھائی کا مبارک آنا غنیمت سمجھیں اور ان کی خدمت و دلجوئی میں کوشش کریں۔ اور ان کی بزرگ صحبت کو بڑا عزیز جانیں۔ ع

دادیم تراز گنج مقصود نشاں

ہم نے تجھے مقصود کے خزانے کا نشان بتا دیا ہے۔ والسّلام

مکتوب نمبر ۲۲۴

آداب کی رعایت کرنے اور آثار کے ظنی کو دور کرنے میں جس کا وہم ہوا تھا۔ اور احتیاط کا امر کرنے اور تعلیم طریقت کے بارہ میں تاکید کرنے، اور فقر کی سختی اور نامرادی برداشت کرنے۔ اور بعض ان نصیحتوں اور تنبیہوں کے بیان میں جو اس مکتوب کی پشت پر ملا یار محمد قدیم کی طرف لکھی تھیں میر محمد نعمان بدخشی کی طرف لکھا:۔

میرے سعادت مند بھائی یعنی سیادت پناہ میر محمد نعمان کا مکتوب شریف وصول ہوا۔ ان مقدمات کا مضمون جو آپ نے ترتیب دیے تھے۔ اور ان شکوک کا مطلب جو آپ نے لکھے تھے۔ واضح ہوا لوگ آپ کو زمانہ کا عاقل کہتے ہیں، پھر اس قسم کی باتیں اس شخص کے ساتھ جس سے چارہ نہیں ہے درمیان لائی گئیں

مناسب ہیں۔ جب کہ اس سے قطع نہیں کر سکتے اور مفارقت نہیں حاصل کر سکتے۔ باوجود ان باتوں کے خیال نہ کریں کہ اس قسم کی باتوں سے فقیر کے دل میں کسی قسم کا غبار آیا ہو جس کا انجام آزار ہو۔ چہ جائے کہ بیزاری کی نوبت پہنچے۔ آپ کی خوبیاں نظر کے سامنے ہیں اور آپ کی لغزشیں اعتبار سے ساقط ہیں۔ کسی طرح اپنے دل کو پریشان نہ رکھیں۔ اور کسی وجہ سے اس طرف کا آزار تصور نہ کریں۔ کیونکہ کسی وجہ سے آزار واقع نہیں ہے۔ اور آزار کیسے متصور ہو۔ جب کہ آزار کا موجب منتفی ہے۔ وہ امور جو بشریت کے لحاظ سے بھول چوک سے سرزد ہوں مواخذہ کے لائق نہیں ہیں۔ آزار کا وہم دل سے دور کر کے طریقت کی تعلیم دینے اور طالبوں کے فائدہ پہنچانے میں سرگرم رہیں۔ اور استخاروں کا حکم اس امر کی تاکید کے لیے ہے نہ کہ اس امر کی نفی کے لیے۔ کیونکہ جب شیطان لعین اور نفس بدترین اس مسکین کی گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ تو پھر بڑی احتیاط اور تاکید سے کام لینا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ مکر و حیلہ سے پھسلا دیں اور اپنے ڈھکوسلوں اور فریبوں سے برائیوں کو نیکیوں کی صورت میں ظاہر کریں۔

اور بزرگواروں نے فرمایا ہے کہ دشمن لعین جب طاعت و نصیحت کے رستہ سے آئے تو اس کا دفع کرنا بہت مشکل ہے۔ پس ہمیشہ روتے اور التجا کرتے رہیں۔ اور بڑی عاجزی و زاری کے ساتھ حق تعالےٰ سے دُعا مانگتے رہیں کہ اس راہ سے آپ کی خرابی اور استدراج مطلوب نہ ہو۔ استقامت کا طریق یہی ہے جو سعادت ابدی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

دوسرے یہ امر ہے کہ فقر و نامرادی اس گروہ کا جمال اور حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا ہے۔ حضرت حق تعالیٰ اپنے کمال کرم سے اپنے بندوں کی روزی کا ذمہ دار ہوا ہے اور ہم کو اور آپ کو اس فکر و تردد سے فارغ کر دیا ہے۔ جس قدر آدمی زیادہ ہوں گے اسی قدر رزق زیادہ ہوگا۔ آپ جمعیت کے ساتھ حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں متوجہ ہوں۔ اور متعلقین کا غم حق تعالیٰ کے کرم کے حوالہ کر دیں باقی ملاقات کے وقت۔

بعض یاروں نے جو اس طرف آئے مجھے ظاہر کیا کہ ابھی تک آزار کا وہم میرے دل میں متمکن ہے اس لیے تاکید اور مبالغہ سے لکھا گیا ہے کہ آزار کے وہم کو دور کر دیں۔

دوسرے یہ کہ ایک خط ملا یار محمد قدیم کی طرف لکھا تھا، جو پند و نصیحتوں پر مشتمل تھا۔ ظاہر یہی ہوتا ہے کہ اس خط کا مضمون اس کی طبیعت کے موافق نہیں آیا۔ کیونکہ اس کا جواب نہیں دیا۔ اور دوا تلخ نہیں کی اُسے پسند نہ آئے تو نہ آئے۔ وہ لوگ جو اس فقیر کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں۔ اگر ان کی غلطی اور خطا کو انہیں نہ جتلائے اور حق کو باطل سے جدا نہ کرے تو اپنے ذمہ سے کس طرح بری ہوگا اور آخرت میں کیا منہ

دکھائے گا۔ آپ اس سے کہہ دیں ؎

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

میں شرط تبلیغ کے تحت ——— یہ کہہ رہا ہوں تو خواہ میری باتوں سے نصیحت گیر ہو خواہ ملال کر۔

جاننا چاہیے کہ شیخ بننے اور حق کی طرف خلق کو دعوت کرنے کا مقام بہت ہی عالی ہے آپ نے سنا ہوگا کہ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ "شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی امت میں"[1]۔ ہر بے سروپا کو اس بلند مرتبہ سے کیا مناسبت ہے ؎

ہر گدائے مرد میدان کے شود
پشۂ آخر سلیمان کے شود

ہر گدا اگر مرد میدان نہیں ہو سکتا۔ پھر آخر سلیمان کیسے بن سکتا ہے۔

احوال و مقامات کا مفصل علم ہونا اور مشاہدات و تجلیات کی حقیقت کا پہچاننا۔ اور کشوف و الہامات کا حاصل ہونا۔ اور واقعات کی تعبیر کا ظاہر ہونا۔ اس بلند مقام کے لوازمات سے ہے۔ وَدُوْنَہٗ خَرْطُ الْقَتَادِ "اور ان کے بغیر بے فائدہ رنج و تکلیف ہے"۔

حاصل کلام یہ ہے کہ طریقت کے بزرگوار قدس سرہم بعض مریدوں کو پیشتر اس کے کہ وہ مقام شیخی تک پہنچیں کسی مصلحت اور بہتری کے لیے ایک قسم کی اجازت دے دیتے ہیں۔ اور ایک طرح تجویز فرماتے ہیں کہ طالبوں کو طریقہ دکھائیں تاکہ احوال و واقعات پر اطلاع پائیں۔

اس قسم کی تجویز میں شیخ مقتدا کو لازم ہے کہ اس مرید مجاز کو اس کام میں بڑی احتیاط سے کام کرنے کا حکم کرے اور تاکید کے ساتھ غلطی کے مواد کو ظاہر کر دے۔ اور بار بار ان کے نقص پر اطلاع دے۔ اور مبالغہ کے ساتھ ان کا ناقص ہونا ظاہر کر دے۔ اس صورت میں اگر شیخ حق کے ظاہر کرنے میں سستی کرے تو خیانت ہے۔ اور اگر مرید کو وہ باتیں بری معلوم ہوں تو بد قسمت ہے۔ کیا نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ کی رضامندی[2] شیخ کی رضامندی سے وابستہ ہے۔ اور حق تعالیٰ کا غضب شیخ کے غضب پر موقوف ہے۔ اس پر

---

[1] امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الدرر المنتثرہ میں فرمایا کہ اس روایت کو دیلمی نے ابو رافع سے باسند روایت کیا نیز امام سیوطی نے جامع صغیر میں ان الفاظ سے ذکر کیا۔ الشیخ فی اہلہ کالنبی فی امتہ اور ابن النجار نے ابو رافع سے بایں الفاظ نقل کیا الشیخ فی بیتہ کالنبی فی امتہ یاد رہے کہ اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ ضعیف کہا جا سکتا ہے موضوعات میں شمار کرنا درست نہیں ۱۲

[2] خدا تعالیٰ کی رضامندی مرشد کامل کی رضامندی سے وابستہ ہے اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی شیخ کامل کی ناراضگی (باقی بر صفحہ آئندہ)

کیا بلا آپڑی وہ نہیں سمجھتا کہ ہم سے قطع کرنا اس کو کہاں تک پہنچا دے گا۔ اور اگر ہم سے قطع کرے گا تو اور کس سے جاملے گا۔ اور اگر نعوذ باللہ اس قسم کا کوئی امر اس کے دل میں راہ پا گیا ہو۔ تو بے توقف اس کو کہہ دیں کہ توبہ و استغفار کریں اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی اور زاری کرے کہ اس ابتلاء و فتنہ عظیم میں اس کو مبتلا نہ کرے اور اس خطرناک بلا و آزمائش میں اس کو گرفتار نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ یاروں کی اس بے پروائی اور اضطراب سے کسی قسم کا غبار اور آزار فقیر کے دل میں داخل نہیں ہوا۔ اس سبب سے اُمیدوار ہے کہ تمام کاموں کا انجام بخیر ہوگا۔ اور باقی احوال و اوضاع کو برادر سعادت مند مولانا صالح محمد مفصل بیان کریں گے اور آپ بعض شبہوں کے مقام کو ان سے دریافت کریں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمَّهَا وَاَکْمَلَهَا اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۲۵

ملا طاہر لاہوری کی طرف صادر فرمایا:۔

اس بیان میں کہ وہ احوال جو دوسروں کو نہایت میں میسر ہوتے ہیں۔ اس طریقہ علیہ کے ابتدا میں میسر ہو جاتے ہیں۔ لیکن بدایت میں نہایت مندرج ہونے کے طریق پر جو اس طریقہ علیہ کے لوازم سے ہے اور اس قسم کے احوال کا ابتدا میں ظاہر ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ایسے احوال والے کو کامل مکمل کہیں اور طریقت کے سکھانے کی اجازت دے دیں۔ اور اس کے مناسب بیان میں۔

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الْکِرَامِ ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی اور آپ کی آل بزرگوار پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔

آپ کے شریف خط پے در پے پہنچے۔ طالبوں کی ترقی اور ان کی تعداد اور جمعیت کا حال پڑھ کر بہت ہی خوشی حاصل ہوئی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ اس طریق میں نہایت ابتدا میں مندرج ہے۔ اس لیے اس طریقہ علیہ کے مبتدیوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نا واقفی پر موقوف ہے۔ جو لوگ شیخ کامل کو بے بس اور بے اختیار جانتے ہیں انہیں اپنے اس اعتقاد کی اصلاح کرنی چاہیے۔

کو ابتدا میں اس قسم کے احوال ظاہر ہوتے ہیں ۔ جو منتہیوں کے احوال کے ساتھ یہاں تک مشابہ ہوتے ہیں کہ ان دونوں قسم کے احوال کے درمیان سوائے عارف کے جس کی نظر بصیرت تیز ہو کوئی فرق نہیں کر سکتا ۔ پس اس لحاظ سے احوال کے حاصل ہونے کا کچھ اعتبار نہیں ہے ۔ ایسے احوال والے کو طریقہ سکھانے کی اجازت نہ دینی چاہیے ۔ کیونکہ اس صورت میں طالبوں کے ضرر کی نسبت اس کا اپنا بڑا ضرر ہے ۔ ممکن ہے کمال کا خیال کر کے ترقی سے رک جائے ۔ یا جاہ و ریاست کے حاصل ہونے سے جو مقام ارشاد کے لیے ضروری ہے فتنہ میں پڑ جائے ۔ کیونکہ اس کا نفس امارہ بھی اپنے کفر کی حالت پر ہے ۔ اور اس کا تزکیہ نہیں ہوا ہے خیر جو کچھ ہوا سو ہوا ۔ جن لوگوں کو آپ نے اجازت دی ہے انہیں نرمی اور محبت سے سمجھا دیں کہ اس قسم کی اجازت کمال پر مبنی نہیں ہے ۔ ابھی بہت کام درپیش ہے اس قسم کے احوال جو ابتدا میں ظاہر ہوتے ہیں ۔ بدایت میں نہایت مندرج ہونے کی قسم سے ہیں ۔ اور جو نصیحتیں مناسب جانیں عمل میں لائیں ۔ اور ان کے نقص پر ان کو اطلاع بخشیں ۔ اور چونکہ آپ نے ان کو اجازت دے دی ہے اس لیے طریقہ سکھانے سے ان کو منع نہ کریں ۔ شاید آپ کی توجہ کی برکت سے مقام ارشاد کی حقیقت تک پہنچ جائیں ۔

دوسرے یہ ہے کہ جب آپ نے اس عظیم القدر کام کو شروع کیا ہے تو مبارک ہے ۔ اس کام میں بڑی سعی و کوشش بجا لائیں ۔ اور بڑے سرگرم رہیں تاکہ طالبوں کی زیادہ سے زیادہ ترقی کا باعث ہو ۔ وَالسَّلَامُ ۔

مکتوب نمبر ۲۲۶

اس بیان میں کہ زندگی کی فرصت بہت کم ہے اور ہمیشہ کا عذاب اس پر مترتب ہے اور اس کے مناسب امور کے بیان اپنے حقیقی بھائی میاں شیخ محمد مودود کی طرف لکھا ہے :-

میرے عزیز بھائی ! کا خط پہنچ کر خوشی کا موجب ہوا ۔ اے بھائی اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو توفیق دے ۔ زندگی کی فرصت بہت تھوڑی ہے ۔ اور ہمیشہ کا عذاب اس پر آنے والا ہے ۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کوئی اس فرصت کو بیہودہ امور کے حاصل کرنے میں صرف کرے اور ہمیشہ کا رنج والم خریدے ۔

اے بھائی ! لوگ دور دور سے دنیاوی اسباب کو چھوڑ کر مور و ملخ کی طرح آرہے ہیں ۔ اور تم اپنے گھر کی دولت کی قدر نہ جان کر دنیا کمینی کی طلب میں بڑے مزے سے باہر دوڑ رہے ہو اور بڑے شوق

سے اس کے حاصل کرنے کے خواہاں ہو:

اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ ۔ حیا ایمان کی شاخ ہے۔

حدیثِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

اے بھائی! اہل اللہ کا اس طرح اکٹھا ہونا۔ اور اس طرح یشرفی اللہ کی جمعیت جو آج سرہند میں میسر ہے۔ اگر تمام جہان کے گرد پھرو تو بھی معلوم نہیں کہ اس دولت کا سوواں حصہ بھی کہیں پاسکو۔ اور اس ماجرا و کیفیت کا کچھ حصہ حاصل کرسکو۔ تم نے اس دولت کو مفت ہاتھ سے کھو دیا اور قیمتی موتیوں کو چھوڑ کر بچوں کی طرح اخروٹ و منقہ پر کفایت کی ہے

شرمت بادا ہزار شرمت بادا

تمہیں ہزار بار شرم کرنی چاہیے۔

اے بھائی! آئندہ وقت تک شاید فرصت نہ دیں۔ اور اگر دیں بھی۔ تو اس قسم کے اجتماع کو قائم نہ رہنے دیں۔ تو پھر کیا علاج ہوگا۔ اور کس طرح تدارک ہو سکے گا۔ اور کس چیز سے تلافی حاصل ہوگی۔ تم نے خیال کیا ہے اور غلط سمجھے ہو۔ چرب و شیریں لقموں پر فریفتہ نہ ہو جاؤ اور قیمتی اور آراستہ کپڑوں پر دھوکا نہ کھا جاؤ۔ ان کا نتیجہ دنیا و آخرت میں حسرت و ندامت کے سوا کچھ نہیں۔ اہل و عیال کی خاطر کے لیے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا اور آخرت کا عذاب اختیار کرنا، عقل و دور اندیشی سے دور ہے۔ حق تعالیٰ تم کو عقل دے اور آگاہ کرے۔

اے بھائی! دنیا بے وفائی میں ضرب المثل ہے۔ اور اہل دنیا خست اور کمینہ پن میں مشہور ہیں۔ پھر بڑے افسوس کی بات ہے کہ انسان اپنی قیمتی عمر کو اس بے وفا اور کمینی کے لیے خرچ کرے:

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ ۔ قاصد کا کام حکم پہنچا دینا ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۲۷

بعض ان پند و نصائح کے بیان میں جو مقام تشیخ اور تکمیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملا طاہر لاہوری کی طرف لکھا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ

لہ بخاری و مسلم شریف بروایت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بندوں پر سلام ہو۔ آپ کا مکتوب شریف پہنچا۔ خوشی کا موجب ہوا۔ اور یاروں کے التذاذ اور حلاوت کا حال پڑھ کر نہایت ہی فرحت حاصل ہوئی۔

اے بھائی! حق تعالیٰ نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا ہے اس نعمت کا شکر پوری طرح ادا کریں اور محافظت کریں کہ کوئی ایسا امر صادر نہ ہو جو مخلوقات کی نفرت کا باعث ہو۔ کیونکہ اس میں بڑی خرابی ہے۔ خلق کی نفرت اس ملامتی گروہ کے حال کے مناسب ہے جن کو دعوت اور شیخی سے کچھ واسطہ نہیں ہے بلکہ ملامت کا مقام شیخی کے مقام کے برخلاف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان دونوں مقام کو آپس میں ملا دیں اور عین شیخی میں ملامت کی آرزو کریں کہ یہ بڑے ظلم کی بات ہے۔ اور مریدوں کی نظر میں اپنے آپ کو تجمل یعنی رعب و داب سے آراستہ پیراستہ رکھیں۔ اور مریدوں کے ساتھ کثرت سے میل جول اور اُنس قطعاً نہ کریں کہ خفت اور سبکی کا موجب ہے اور افادہ اور استفادہ کے منافی ہے۔ اور حدود شرعیہ کی اچھی طرح محافظت کریں۔ اور جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کریں کہ یہ بھی اس طریقہ علیہ کے منافی اور سنت سنیہ کی تابعداری کے دعوے کے مخالف ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ رِیَاءُ الْعَارِفِیْنَ خَیْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِیْنَ: عارفوں کا ریا مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے۔ کیونکہ عارفوں کا ریا طالبوں کے دلوں کو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف کھینچنے کے لیے ہوتا ہے۔ پس ضرور مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہوگا۔ اور نیز عارفوں کے اعمال طالبوں کے لیے اعمال بجا لانے میں موجب تقلید ہیں۔ اگر عارف خود عمل نہ کریں تو طالب محروم رہیں گے۔ پس عارف اس واسطے ریا کرتے ہیں۔ تاکہ طالب ان کی اقتدا کریں۔ یہ ریا عین اخلاص ہے۔ بلکہ اُس اخلاص سے بہتر ہے جو اپنے نفع کے لیے ہو۔

اس بات سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ عارفوں کے عمل محض طالبوں کی تقلید کے لیے ہیں۔ اور عارفوں کو عمل کی حاجت نہیں ہے۔ نعوذ باللہ سبحانہ یہ الحاد و زندقہ ہے۔ بلکہ عارف اعمال کے بجا لانے میں عام طالبوں کے ساتھ برابر ہیں۔ اور اعمال کے بجا لانے سے کسی کو چارہ نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بسا اوقات عارفوں کے اعمال میں طالبوں کا نفع مدنظر ہوتا ہے جو تقلید پر وابستہ ہے۔ اس اعتبار سے اس کو ریا کہتے ہیں۔

غرض قول و فعل میں بڑی محافظت کریں کیونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ فساد و ہنگامہ کے در پے ہیں۔ کوئی ایسا کام سرزد نہ ہونے پائے جو اس مقام کے منافی ہو۔ اور جاہل لوگوں کو بزرگوں کے طعن کا موقع مل جائے۔ اور حضرت حق تعالیٰ سے استقامت طلب کرتے رہا کریں۔

دوسرے یہ ہے کہ آپ نے مشائخ کی نسبتوں کے حاصل ہونے کے بارہ میں لکھا تھا۔ اس کی وجہ کئی دفعہ رُو برُو آپ سے بیان ہو چکی ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہ سمجھیں کہ اس میں خیریت نہیں ہے اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۲۸

بعض نصیحتوں کے بیان میں جو مقام تکمیل اور تعلیم طریقت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ان کے مناسب امور کے بیان میں میر نعمان کی طرف لکھا۔

میرے بھائی سیادت پناہ کا مکتوب پہنچا۔ خوشی کا باعث ہوا۔ اے بھائی کئی دفعہ کہا گیا ہے کہ اس طریق کا مدار دو اصولوں پر ہے۔

ایک شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کرنی کہ اس کے چھوٹے چھوٹے آداب کے ترک پر بھی راضی نہ ہوں۔

دوسرے شیخ طریقت کی محبت اور اخلاص پر اس طرح راسخ اور ثابت قدم ہوں کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کریں۔ بلکہ اس کے تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں زیبا اور محبوب دکھائی دیں۔ خدا محفوظ رکھے کہ ان امور میں سے جو ان دو اصلوں کے متعلق ہیں کسی امر میں خلل واقع نہ ہوا اور اگر اللہ کی مہربانی سے یہ دو اصل درست ہو گئے۔ تو دنیا و آخرت کی سعادت نقد وقت ہے۔ اور بھی بہت سی نصیحتیں اور وصیتیں آپ کے کانوں تک پہنچ چکی ہیں۔ ان کو مدنظر رکھنے میں بڑی احتیاط کریں اور بڑی عاجزی اور زاری سے پہلی کوتاہیوں کا تدارک کریں۔ اور رمضان شریف کے اخیر عشرہ کا اعتکاف جو ایک دفعہ آپ سے ترک ہو گیا تھا۔ اس کی قضا کی نیت پر اس ذی الحج کے عشرہ میں اعتکاف بیٹھیں تاکہ اس نیت سے سنت پر عمل کر سکیں۔ اور اس عشرۂ اعتکاف میں گریہ و زاری اور عجز و نیاز سے اپنی تقصیروں اور کوتاہیوں کی عذر خواہی کریں۔ فقیر بھی ان شاء اللہ اس عشرہ میں آپ کی مدد کرے گا۔

اجازت نامہ کے لکھنے میں جو آپ اس قدر مبالغہ اور کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے آپ کا مقصود کیا ہے۔ طریقہ تعلیم کرنے کی اجازت جو آپ کو دی گئی ہے۔ اگر وہ کافی نہیں ہے تو اجازت نامہ کیا کرے گا۔ یہ لازم نہیں کہ جو کچھ دل میں گزرے اسی کے واسطے کوشش کرنے لگ جائیں۔ کئی ایسی باتیں دل میں گزرتی ہیں جن کا ترک کرنا بہتر اور مناسب ہوتا ہے۔ نفس بڑا اندھی ہے۔ جس امر کو اختیار کرتا ہے

اس کے پورا کرنے کے پیچھے پڑجاتا ہے اور اس کے حق و باطل ہونے کا لحاظ نہیں کرتا۔ یہ چند باتیں آپ کی خاطر لکھی گئی ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کو نفع دے بھائی صاحب اپنے کام کا فکر کرنا چاہیے تاکہ جہان سے ایمان سلامت لے جائیں۔ اجازت نامہ اور مرید کچھ کام نہیں آئیں گے۔ ہاں اپنے کام کے ضمن میں اگر کوئی شخص بھی طلب سے آجائے تو اس کو طریقہ سکھا دیں۔ نہ یہ کہ طریقت کی تعلیم کو اپنے کام کا اصل خیال کریں اور اپنے معاملہ کو اس کے تابع بنادیں کہ اس میں سراسر ضرر اور خسارہ ہے۔

مکتوب نمبر ۲۲۹

میرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ ہمارا طریق بعینہٖ حضرت ایشاں قدس سرہٗ کا طریق ہے اور ہماری نسبت بھی وہی نسبت ہے۔ لیکن صناعت کا کامل ہونا اور نسبت کا تمام ہونا بہت سے فکروں کے ملنے اور بہت سی نظروں کے پے در پے آنے پر موقوف ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ — تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے مکتوب شریف جو اپنے مخلص مشتاق کے نام لکھے ہوئے تھے پے در پے پہنچ کر بڑی خوشی اور زیادہ محبت کا باعث ہوئے۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَآءِ "اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے۔"

مجمل طور پر بعض شبہات و تردیدات جو آپ نے لکھے تھے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ ہمارا طریق وہی حضرت ایشاں یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کا طریق ہے۔ اور ہماری نسبت آنحضرت ہی کی شریف نسبت ہے۔ اس طریق سے بڑھ کر عالی اور کونسا طریق ہے۔ اور اس نسبت سے زیادہ بہتر اور مناسب اور کونسی نسبت ہے کہ کوئی اس کو اختیار کرے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر صناعت کی تکمیل اور ہر نسبت کی تتمیم مختلف فکروں کے ملنے اور بہت سی نظروں کے پے در پے آنے پر منحصر ہے۔ مثلاً وہ نحو جو سیبویہ کے زمانہ میں تھی۔ وہ اب متاخرین کے فکروں کے ملنے سے دو چند زیادہ ہو گئی ہے۔ اور یہ علم بہت کامل اور صاف ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ وہی سیبویہ کی نحو ہے جس کو متاخرین کے فکروں نے پہلے کی نسبت زیادہ آراستہ پیراستہ

کر دیا ہے۔

شیخ علاؤ الدولہ قدس سرہ کا مقولہ آپ کے مبارک کانوں تک پہنچا ہو گا۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ واسطے اور وسیلے جس قدر زیادہ ہوں اسی قدر رستہ زیادہ نزدیک اور روشن ہو گا۔

اس نسبت علیہ پر اس قسم کی زیادتی نے جو آراستگی اور پیراستگی کے طور پر پیدا ہو گئی ہے بہت لوگوں کو تخیلات میں ڈال رکھا ہے۔ اصل معاملہ یہی ہے جس میں تکلف اور بناوٹ کو دخل نہیں۔

آپ اس فقیر کے مکتوبات اور رسالوں کو دیکھیں کہ اس طریق کو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا طریق ثابت کیا ہے۔ اور اس نسبت کو سب نسبتوں سے بڑھ کر مکمل بیان کیا ہے۔ اور اس طریق عالی اور اس طریق کے بزرگواروں کی تعریف اور مدح اس طرح پر کی ہے کہ اس بزرگ خاندان کے خلفاء میں سے کسی کو اس کا سواں حصہ بیان کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہوئی اور نیز یہ فقیر روزمرہ اور نشست و برخاست میں اس طریق کے آداب و لوازم کی رعایت پورے طور پر کرتا ہے۔ اور سر مو مخالفت اور نئی بات کو پسند نہیں کرتا۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ نے یہ سب کچھ نظر انداز کر دیئے ہیں اور اگر بالفرض آنا و کے دنوں میں بعض یاروں کی نسبت کلمہ و کلام میں کوئی نامناسب بات کہی گئی ہو اور آپ کی نظر میں آئی ہو۔ تو پھر بھی تعجب ہے کہ آپ اس قسم کی باتوں کا یقین کر لیتے ہیں اور صرف سن کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اگر حسن ظن ہے تو کیا اسی جماعت سے مخصوص ہے یا شاید میں ہی حسن ظن کے قابل نہیں ہوں۔

الغرض اگر گفت و شنود پر ہی مدار ہے۔ تو پھر چغلخوروں کے ہاتھ سے خلاصی ناممکن ہے اور خلاصی کی کوئی توقع نہیں ہے۔ آپ گفت و شنید سے درگزر کریں اور گزشتہ امور کو یاد میں نہ لائیں۔ تاکہ اخلاص متصور ہو، اور پرانی کلفت رفع ہو جائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ حضرات پیرزادوں کی تربیت کا وقت آ گیا ہے۔ اور حضرت ایشاں قدس سرہ کی وصیت کو یاد دلایا تھا۔

اے میرے مخدوم و مکرم! اس میں خادموں کی سعادت ہے کہ اپنے مخدوم زادوں کی خدمت سے کامیاب ہوں۔ لیکن اس مدت میں معلوم رکاوٹوں کے باعث ظاہری خدمت سے دور رہا۔ اور وصیت کے وقت کے آنے کا انتظار کرتا رہا۔ اور اب اگر آپ جانتے ہیں کہ کوئی مانع نہیں ہے اور گفت و شنود کا رستہ بند ہو گیا ہے۔ تو فرمائیں تاکہ بندہ چند روز اگر اس خدمت میں مشغول رہے اور اگر اچھی طرح ملاحظہ کرتا ہے تو جانتا ہے کہ اس کام میں صرف وصیت کا حکم بجا لانا مقصود ہے ورنہ آپ کی ظاہری باطنی تربیت ان کے لیے کافی ہے کسی اور کی حاجت نہیں۔

دوسرے یہ ہے کہ برادرم مولانا عبداللطیف فرماتے تھے کہ میاں محمد قلیچ نے بڑے مخدوم زادہ کی ظاہری تعلیم و تربیت کو اپنے ذمے لے لیا ہے، اور آپ نے بھی اس بات کو پسند فرمایا ہے۔ اس بات کو سن کر بہت تعجب ہوا۔ اور اگر وہ اپنی نارسائی کے باعث اس بارہ میں کچھ خیال کرے تو خیر۔ مگر آپ کیسے تجویز کرتے ہیں۔ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہیں محمد قلیچ کا آزار کسی اور جگہ سرایت کر جائے۔

مکتوب نمبر ۲۳

شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا:

ہمت بلند رکھنے اور اس چیز پر جو حاصل ہو کفایت نہ کرنے میں بلکہ جو کچھ معلوم و مشہود ہو اس کی نفی کرنے اور معبود بیچون و بیچگون کے ثابت کرنے میں جو دید و دانش سے باہر ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰى۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے بزرگ احوال میاں بابو نے آپ کے کہنے کے مطابق بتائے اور ان کی حقیقت دریافت فرمائی اس لیے چند کلمے لکھے جاتے ہیں۔

میرے مخدوم! اس قسم کے احوال ابتدائی مراتب میں اس راہ کے مبتدیوں کو بہت حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا کچھ اعتبار نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی نفی کرتے ہیں۔ وصل کجا اور نہایت کونسی۔ شعر:

كَيْفَ الْوُصُوْلُ إِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفٌ

سعاد معشوق تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور ان کے درمیان نشیب و فراز واقع ہیں۔

اللہ تعالیٰ بے کیف اور بے مثل ہے۔ اور جو کچھ دید و دانش اور شہود و مکاشفہ میں آئے اس کا غیر ہے وہ حق سبحانہ و تعالیٰ اس سے وراء الوراء ہے۔ آپ اس راہ کے جوز و مویز (معمولی چیزوں) پر بچوں کی طرح ہرگز فریفتہ نہ ہو جائیں۔ اور نہایت کو پا لینے پر مغرور نہ ہوں۔ اور احوال و واقعات کو ناقص شیخ کے پاس ظاہر نہ کریں۔ کیونکہ وہ اپنی سمجھ کے موافق تھوڑے کو بہت خیال کرتے ہیں اور بدایت کو نہایت تصور کرتے ہیں پس طالب مستعد اپنے کمال کے خیال میں پڑ جاتا ہے۔ اور اس کی طلب میں فتور آ جاتا ہے۔

شیخ کامل کی تلاش کرنی چاہیے۔ اور اپنے باطنی امراض کا علاج اس سے کرانا چاہیے۔ اور جب تک شیخ کامل نہ ملے چاہیے کہ ان احوال کو لا کے نیچے لا کر نفی کریں اور معبود برحق کا جو بیچون و بیچگون ہے اثبات کریں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ دیکھا گیا اور سُنا گیا اور جانا گیا یہ سب اس کا غیر ہے کلمہ لا سے اس کی نفی کرنی چاہیے۔ آئندہ جو کچھ ظاہر ہو اس کی نفی بھی کریں کہ وہ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ اور اثبات کی جانب میں کلمہ مستثنےٰ کے تکلم کے سوا کچھ ہاتھ میں نہ ہو۔ اس طریقت کے بزرگوں کا طریق یہی ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔	سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۳۱

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:

چند سوالوں کے جواب میں جو آپ سے کیے گئے تھے اور جن میں پوچھا گیا تھا کہ وصول اور حصول کے درمیان کیا فرق ہے۔ اور وہ اسما جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ہیں۔ اولیا کے تعینات کے مبادی بھی وہی اسم ہیں یا نہیں۔ اور اگر ہیں تو کیا فرق ہے۔ اور آپ سے پوچھا گیا تھا کہ مشائخ نقشبندیہ ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے حالاں کہ ذوق و شوق بخشتا ہے۔ اور چیزوں سے جو آنحضرت کے زمانہ میں نہ تھیں۔ مثلاً لباس فرجی اور شال اور سراویل سے کیوں منع نہیں کرتے۔

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الْکِرَامِ۔	ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اور نبی اور اُس کی آل بزرگوار پر صلوٰۃ والسلام بھیجتے ہیں۔

آپ کے دو مکتوب شریف پے در پے پہنچے۔ پہلا مکتوب تو سوزش اور اضطراب کی خبر دیتا تھا۔ لیکن دوسرا مکتوب اس سے ملائم اور شوق و سرگرمی سے بھرا ہوا تھا۔

میرے دوست آپ نے اس وقت جب کہ میر سعد الدین روانہ ہوئے خط کا جواب طلب کیا بندہ اس وقت یہاں تک بے دماغ اور مقبوض تھا کہ اپنے ہاتھ سے خط نہ لکھ سکتا تھا۔ مولانا یار محمد جدید کو لکھنے کے لیے کہا۔ بے دماغی کے وقت اگر کوئی نامناسب کلمہ لکھا گیا ہو تو معاف فرمائیں آپ کو چاہیے

کہ تھوڑی سی بات سے نہ بگڑ جائیں اور معاملہ کو درہم برہم نہ کریں۔ خدا نہ کرے کہ کسی قسم کا انکار درمیان ہو یا رنجش و روگردانی کے باعث کچھ لکھا جائے۔ ہاں اگر نصیحت کے طور پر کچھ لکھا جائے تو خوش حال ہونا چاہیئے۔

آپ کے دوسرے خط نے بہت ہی خوش کیا۔ حرارت ہر کام میں درکار ہے۔ پژمردگی اور افسردگی دشمنوں کے نصیب ہو۔

آپ نے لکھا تھا کہ حصول اور وصول کے درمیان جو فرق ہے وہ سمجھ میں نہیں آتا۔

اے بھائی! حصول باوجود بُعد کے متصور ہے اور وصول متعذر و دشوار ہے۔ عنقا کو جب ہم صورت مخصوصہ سے تصور کرتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ عنقا ہماری قوت مدرکہ میں حاصل ہے۔ لیکن عنقا تک وصول ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ ظلیت جو مرتبہ ثانی میں اُس شے کے ظہور سے مراد ہے۔ اس شے کے حصول کی منافی نہیں ہے۔ لیکن شے کا وصول ظلیت کی تاب نہیں لاسکتا۔ پس دونوں کے درمیان فرق معلوم ہوگیا۔

اور نیز آپ نے پوچھا تھا کہ وہ اسما جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کا مبدء ہیں اوہی اسما اولیا کے تعینات کا بھی مبدء ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو کیا فرق ہے۔

اے عزیز! انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ان اسما کے کلیات ہیں اور اولیا کے تعینات کے مبادی ان اسما کی جزئیات ہیں جو ان کلیات کے تحت میں مندرج ہیں۔ اور ان اسما کی جزئیات سے مراد وہی اسما ہیں جو قیود میں سے کسی قید کے ساتھ ماخوذ ہیں۔ جیسے کہ کسی شے کیساتھ ارادہ بے قید اور ارادہ مقید ہوتا ہے۔ اور چونکہ اولیا کو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث ترقی واقع ہوتی ہے۔ اس لیے اس قید کو دُور کرکے مطلق کے ساتھ مل جائے گا۔ فقیر نے اس فرق کو اپنے بعض مکتوبات میں مفصل ذکر کیا ہے۔ وہاں سے ملاحظہ کرلیں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے حالاں کہ ذوق و شوق بخشتا ہے۔ اور اور چیزوں سے جو آنحضرت علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نہ تھیں مثل لباس فرجی اور شلوار سراویل سے کیوں منع نہیں کرتے۔

میرے مخدوم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے۔ ایک عبادت کے طریق پر دوسرا عرف اور عادت کے طور پر۔ وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے۔

اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو بدعت منکرہ نہیں جانتا۔ اور نہ ہی اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر کیونکہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے برخلاف ہے۔ اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے البتہ عادی سنت کو مدنظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ عَلٰى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى تَابِعِىْ كُلٍّ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب نمبر ۲۳۲

دنیا کمینی کی حقیقت اور اس کی ردی زیبائش کی برائی اور اس کمینی دنیا کی محبت کے دور کرنے کے علاج اور مناسب امور کے بیان میں نیلی خاناں کی طرف صادر فرمایا:

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل ناپسندیدہ کمینی دنیا کی حقیقت اور اس کی ردی زیب و زینت اور ہیچ در ہیچ کو آپ کی نظر بصیرت میں منکشف کر کے آخرت کے حسن و جمال کو بہشتوں اور ان کی نہروں کی تر و تازگی اور ان میں پروردگار جل شانہ کے دیدار کی زیادتی کے ساتھ جلوہ گر کرے۔ تاکہ اس جلدی دور ہو جانے والی بری دنیا کی طرف سے بے رغبتی حاصل ہو جائے اور پورے طور پر عالم بقا کی طرف جو مولیٰ جل شانہ کی رضا کا مقام ہے، توجہ میسر ہو جائے۔ اور جب تک اس کمینی کی برائی واضح نہ ہو اس کی قید سے نکلنا مشکل ہے۔ جب تک اس کی قید سے خلاصی نہ ہو تب تک آخرت کی نجات اور بچاؤ دشوار ہے:

حُبُّ الدُّنْيَا رَاْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ[1] دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔

مشہور اور مانی ہوئی بات ہے۔ اور چونکہ علاج ضد سے ہوتا ہے اس لیے اس کمینی دنیا کی محبت دور کرنے کا علاج امور آخرت میں رغبت کرنے اور شریعت روشن کے احکام کے موافق اعمال صالحہ بجا لانے پر وابستہ ہے۔ حق تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو پانچ بلکہ چار چیزوں پر منحصر کیا ہے اور فرمایا ہے:

---

[1] رزین اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی۔ مشکوٰۃ شریف۔

إِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔[1] دنیا کی زندگی کھیل کود اور زینت اور باہم فخر کرنا اور مال و اولاد میں زیادتی کرنا ہے۔

پس جب عمل صالح میں مشغول ہوں، تو جزو اعظم لعب و لہو ہی کم ہونے لگتا ہے۔ اور ریشم اور چاندی سونے کے استعمال سے جن پر عمدہ اور اعلیٰ زیب و زینت کا مدار ہے پرہیز کرنے لگتے ہیں اور دوسرا جزو جو زینت ہے، زائل ہونے لگتا ہے اور جب یقین ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک فضیلت و بزرگی پرہیزگاری اور تقویٰ سے ہے نہ کہ حسب نسب سے۔ تو فخر کرنے سے باز آتے ہیں۔ اور جب جانیں کہ مال و اولاد حق تعالیٰ کے ذکر سے مانع ہیں اور اس کی بارگاہ سے روکتے ہیں۔ تو ان کے زیادہ زیادہ حاصل کرنے سے کوتاہی کرتے ہیں اور ان کے بڑھ جانے کو معیوب جانتے ہیں۔ غرض:

مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا كَيْلَا يَضُرَّكُمْ شَيْءٌ۔[2] جو کچھ رسول تمہارے پاس لایا اس کو پکڑ لو اور جس سے اس نے منع کیا ہے، ہٹ جاؤ تاکہ تمہیں کوئی چیز ضرر نہ دے۔

ع
دادیم ترا ز گنج مقصود نشان
ما اگر نہ رسیدیم تو شاید برسی

ہم نے تجھے خزانہ مقصود کا نشان بتا دیا ہے۔ اگر ہم نہیں پہنچ سکے تو شاید تو ہی پہنچ جائے

باقی مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ عبدالمومن بزرگ زادہ ہیں اور تحصیل علوم سے فارغ ہو کر طریقہ صوفیہ کا سلوک فرماتے ہیں، اور سلوک کے ضمن میں عجیب و غریب احوال مشاہدہ کرتے ہیں۔ ضرورت انسانی از قسم اہل و عیال ان کو حیران و بے اختیار ناچار کر دیتی ہے۔ اس فقیر نے اس ناچارگی اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے آپ کی جناب کی طرف ان کی رہنمائی کی ہے:

مَنْ دَقَّ بَابَ الْكَرِيْمِ انْفَتَحْ جس نے کریم کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ کشادہ حال ہو گیا۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۳۳

بعض عمدہ عمدہ نصیحتوں کے بیان میں عالی جناب شیخ فرید کی طرف لکھا:

---

[1] سورۂ حدید، پارہ ۲۷۔ [2] سورۂ حشر، پارہ ۲۸۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ عَلٰى مَا جَاءَ بِهٖ جَدُّكُمُ الْاَمْجَدُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس چیز پر جس کو آپ کے جد بزرگوار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں ثابت قدم رکھے۔

حضرت خواجہ قدس سرہ کے عرس شریف[1] کے دنوں میں وہاں حاضر ہو کر ارادہ تھا کہ آپ کی خدمت عالی میں بھی پہنچے کہ اسی اثنا میں کرپا کی خبر پھیل گئی۔ اس لیے توقف کر کے چند ٹوٹے پھوٹے کلموں سے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔ فقیر خواہ حضور میں ہو خواہ غیبت میں ہر دم آپ کے لیے دعا گو ہے، کہ اللہ تعالیٰ آپکو ہر نامناسب اور نالائق امر سے سلامت رکھے۔ بعض اوقات خیر خواہی کا غلبہ اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ لشدان کی خدمت کو اختیار کر کے ان چیزوں سے جو آپ کی بلند درگاہ کے لائق نہیں تاکید و مبالغہ کے ساتھ آپ کو ان سے منع کرے اور مجلس شریف میں نااہلوں کو نہ رہنے دے۔ لیکن جانتا ہے کہ سب امیدیں حاصل نہیں ہوتیں ناچار آپکے حق میں غائبانہ دعا سے تر زبان رہتا ہے۔ شاید قبول ہو جائے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ اپنی بزرگی اور کلانی کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ہر چند یہ کفر ہے کہ کوئی ایسا بڑا ہو جائے کہ اگر وہ برہم ہو جائے تو تمام جہان برہم ہو جائے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ ہم کو ہماری مصلحت کے بغیر بڑا بنایا ہے۔

آج اس قسم کی بزرگی اور کلانی نزدیک ہے کہ آپ کی جناب کے بارہ میں صادق آئے۔ کیونکہ آپ مخلوقات کے آرام میں ہیں اور مخلوقات آپ کے آرام میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے آپ کے لیے دعائے خیر بارش کی طرح برس رہی ہے۔ جو عام مخلوقات کو فائدہ مند ہے۔ پھر افسوس ہے کہ باوجود اس قدر کلانی اور بزرگی کے دانہ خشخاش کے برابر خالی جگہ رہ جائے۔ اور یہ دانہ خشخاش دوستوں اور خیر خواہوں کے دل پر بڑا بھاری بوجھ ہے۔ مہربانی فرما کر ان کو اس بوجھ سے ہلکا کریں۔ مدت ہوئی ہے کہ اس خیر خواہ نے اس بات کی نسبت کچھ نہیں لکھا کہ ایسا نہ ہو کہ تکرار و مبالغہ گراں معلوم ہو۔

یار نازک بدن ز بار ہوا مے رنجد
ہمچو گل برگ ز آسیب صبا مے رنجد

میرا یار نازک بدن ہے ہوا کے بوجھ سے بھی رنجیدہ ہوتا ہے، جس طرح پھول کا پتہ باد صبا کے آسیب سے رنجیدہ ہوتا ہے۔

[1] اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ مجلس عرس میں شرکت کرتے تھے اور سرہند شریف سے دہلی آتے تھے۔ اگر یہ عرس اور اس طرح کی مجلس میں شریک ہونا بدعت ہوتا تو آپ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ بالعموم عرس خود فرمائیں۔ یاد رہے کہ عرس کی اصل حدیث سے بھی ثابت ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لاتے

محسوس کرتا ہے۔

لیکن دوستی سے دُور معلوم ہوا کہ آپ کے دل کے ناراض ہونے کا لحاظ کر کے خاموش رہے۔

حافظ وظیفہ تو دُعا گفتن است و بس
در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

اے حافظ تیرا وظیفہ صرف یہ ہے کہ دعا کرتا رہے۔ اس فکر میں نہ پڑ کہ سنتا ہے یا نہیں سنتا۔

کچھ مدت سے حرمین شریفین (کہ خدائے تعالیٰ ان کو آفات سے محفوظ رکھے) کی زیارت کا ارادہ و شوق پیدا ہوا۔ اور اس سفر کا باعث یہی خواہش ہے۔ اور چونکہ یہ ارادہ آپ کے صلاح مشورے اور رضا مندی پر وابستہ تھا۔ اس لیے کوچ کی خبر سن کر وہ ارادہ ملتوی ہو گیا:

اَلْخَیْرُ فِیْ مَا صَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ ۔ بہتری اسی بات میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۳۴

حقائق کو جاننے والے معارف کے پہچاننے والے عالم ربانی عارف سبحانی مخدوم زادہ کلاں یعنی شیخ محمد صادق (خدا اُن کو سلامت اور باقی رکھے اور اعلیٰ مقصود تک پہنچائے) کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ واجب الوجود کی حقیقت وجود محض ہے جو ہر خیر و کمال کا منشا ہے۔ اور ممکنات کی حقیقتیں عدمات ہیں جو ہر شر و نقص کا مبدء ہیں۔ اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے معنی میں اور تجلّی ذاتی کے بیان میں جو تمام نسبتوں اور اعتباروں سے بلند ہے۔ اور آیت کریمہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے تاویلی معنوں اور اس کے مناسب بیان میں مع ان سوالات و جوابات کے جو اس مقام کی توضیح کے متعلق ہیں۔ اور مع تنبیہات کے جو اس مطلب کی تلخیص کے لائق ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خداوند بیچون کی حمد اور پیغمبر رہنما کے درود کے بعد میرے فرزند کو معلوم ہو کہ حق سبحانہٗ کی حقیقت وجود محض ہے کہ اور کوئی امر اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہے۔ اور وہ وجود تعالیٰ ہر خیر و کمال کا منشا اور ہر حسن و جمال کا مبدء ہے۔ اور جزئی حقیقی اور بسیط ہے جس کی طرف ترکیب کو ہرگز راہ نہیں ہے نہ ذہنی طور پر نہ خارجی طور پر۔ اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا تصور میں آنا محال ہے۔ اور وجود ذات تعالیٰ پر اور نیز

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ہے جاتے اور فاتحہ شریف پڑھتے اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان ۔ (کما فی التفسیر الکبیر للرازی).

مواطات کے محمول ہے نہ از روئے اشتقاق کے۔ اگرچہ حمل کی نسبت کو بھی اس مقام میں فی الحقیقت کچھ گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ تمام نسبتیں وہاں ساقط ہو گئی ہوئی ہیں اور وہ وجود جو عام و مشترک ہے۔ وہ اس وجود خاص کے ظلّوں میں سے ایک ظل ہے۔ اور یہ ظل ذات تعالیٰ و تقدس پر محمول ہے۔ اور اشیاء پر تشکیک کے طور پر از روئے اشتقاق کے نہ از روئے مواطات کے۔ اور اس ظل سے مراد تنزلات کے مرتبوں میں حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کا ظہور ہے۔ اور اس ظل کے افراد میں سے اولیٰ و اقدم و اشرف وہ فرد ہے جو ذات تعالیٰ پر از روئے اشتقاق کے محمول ہے۔ پس اصالت کے ہر مرتبہ میں اَللّٰہُ تَعَالٰی وُجُوْدٌ کہہ سکتے ہیں، نہ کہ اَللّٰہُ تَعَالٰی مَوْجُوْدٌ۔ اور اس ظل کے مرتبہ میں اَللّٰہُ تَعَالٰی مَوْجُوْدٌ صادق ہے نہ اَللّٰہُ تَعَالٰی وُجُوْدٌ۔ اور چونکہ حکما اور صوفیہ کے ایک گروہ نے جو وجود کی عینیت کے قائل ہیں اور اس فرق کی حقیقت سے واقف نہیں ہوئے۔ اور ظل کو اصل سے جدا نہیں کیا۔ حمل اشتقاق اور حمل مواطات دونوں کو ایک ہی مرتبہ میں ثابت کیا ہے۔ اور حمل اشتقاق کے صحیح کرنے میں بے جا تکلف اور حیلہ کے محتاج ہوئے ہیں۔ اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کے الہام سے ثابت و تحقیق کیا ہے۔ اور یہ اصالت و ظلیت تمام حقیقی صفات کی اصالت و ظلیت کی طرح ہے۔ کیونکہ ہر مرتبہ اصالت میں جو اجمال اور غیب الغیب کا مقام ہے۔ ان صفات کا حمل کرنا مواطات کے طریق پر ہے نہ اشتقاق کے طریق پر۔ پس اَللّٰہُ تَعَالٰی عِلْمٌ کہہ سکتے ہیں اور اَللّٰہُ تَعَالٰی عَالِمٌ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ حمل اشتقاق میں مغائرت کا ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ بالاعتبار ہی ہو۔ اور وہ یہاں بالکل مفقود ہے کیونکہ مغائرت ظلیت کے مرتبوں میں متحقق ہے۔ اور اس جگہ کوئی ظلیت نہیں۔ کیونکہ وہ تعین اوّل سے کئی درجے برتر ہے۔ اس لیے کہ نسبتیں اس تعین میں اجمالی طور پر ملحوظ ہیں اور اس مقام میں اشیاء میں سے کسی شے کا کسی طرح کا ملاحظہ نہیں ہے اور ہر مرتبہ ظل میں جو اس اجمال کی تفصیل ہے۔ حمل اشتقاق صادق ہے نہ حمل مواطات۔ لیکن ان صفات کی عینیت اس مرتبہ میں وجود تعالیٰ کی عینیت کی فرع ہے جو ہر خیر و کمال کا مبدء اور حسن و جمال کا منشاء ہے۔ اور اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں جس جگہ وجود کی عینیت کی نفی کی ہے۔ اس سے وجود ظلی مراد رکھنا چاہیے۔ جو حمل اشتقاق کا صحیح کرنے والا ہے اور یہ وجود ظلی بھی آثار خارجیہ کا مبدء ہے پس وہ ماہیتیں جو مراتب موجودات میں سے ہر مرتبہ میں اس وجود کے ساتھ متصف ہوں خارجیہ ہوں گی

فَافْہَمْ فَاِنَّہٗ یَنْفَعُکَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْمَوَاقِعِ پس سمجھ لے کیونکہ یہ بہت جگہ تجھے نفع دے گا

پس صفات حقیقیہ بھی موجودات خارجیہ ہوں گی اور ممکنات بھی خارج میں موجود ہوں گی۔

اے فرزند! اس پوشیدہ سر کو سن کہ کمالات ذاتیہ حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ میں حضرت ذات کا

عین ہیں۔ مثلاً علم کی صفت اس مقام میں حضرت ذات کا عین ہے۔ اور ایسے ہی قدرت اور ارادہ اور تمام صفات کا حال ہے۔ اور نیز اس مقام میں حضرت ذات بتمامہ علم ہے اور ایسے ہی بتمامہ قدرت ہے نہ یہ کہ حضرت ذات کا بعض علم ہے اور بعض قدرت کیونکہ وہاں بعض ہونا اور جزو بننا محال ہے اور ان کمالات نے جو گویا حضرت ذات سے منتزع اور الگ ہیں۔ حضرت علم کے مرتبہ میں تفصیل پائی ہے اور تمیز پیدا کی ہے۔ اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس اپنی وحدانیت کی اسی اجمالی صرافت پر باقی ہے جداً ان اس مقام میں کوئی ایسی چیز نہیں رہی جو اس تفصیل میں داخل نہ ہوئی ہو۔ اور متمیز نہ ہوئی ہو۔ بلکہ تمام وہ کمالات جن میں سے ہر ایک ذات تعالیٰ کا عین ہے مرتبہ علم میں آگئی ہیں۔ اور ان مفصلہ کمالات نے دوسرے مرتبہ میں وجود ظلی پیدا کر کے صفات نام حاصل کیا ہے۔ اور حضرت ذات کے ساتھ جو اُن کا اصل ہے قیام پیدا کیا ہے۔ اور اعیان ثابتہ صاحب فصوص علیہ الرحمۃ کے نزدیک انہی مفصلہ کمالات سے مراد ہے۔ جنہوں نے خانۂ علم میں وجود علمی حاصل کیا ہے۔ اور فقیر کے نزدیک ممکنات کی حقائق عدم محض ہیں۔ جو جمیع ان کمالات کے جو ان میں منعکس ہوتے ہیں۔ ہر شر و نقص کا مبدء و ماوے ہیں۔

یہ بات تفصیل چاہتی ہے گوش ہوش سے سُننا چاہیے۔ خدا تجھے ہدایت دے۔

جان لے کہ عدم وجود کے مقابل ہے اور اس کی نقیض ہے۔ پس عدم بالذات ہر شر و نقص کا منشا بلکہ ہر شر و فساد کا عین ہوگا۔ جس نے وجود مرتبۂ اجمال میں ہر خیر و کمال کا عین ہے۔ اور جس طرح حضرت وجود اخص الاخص مقام میں ذات تعالیٰ پر اشتقاق کے طریق پر محمول نہیں ہے اسی طرح عدم بھی جو اس وجود کے مقابل ہے ماہیت عدمیہ پر اشتقاق کے طور پر محمول نہیں ہے۔ اس مرتبہ میں اس ماہیت کو معدوم نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ عدم محض ہے۔ اور تفصیل علمی کے مرتبوں میں کہ جس کے ساتھ ماہیت عدمیہ نے تعلق پایا ہے اس ماہیت کی جزئیات عدم سے متصف ہو جاتی ہیں اور حمل اشتقاق ان میں درست آتا ہے۔ اور عدم کا مفہوم گویا اس اجمالیہ عدمیہ ماہیت سے منتزع اور الگ ہے اور اس ماہیت عدمیہ کے لیے ظل کی مانند ہے۔ اس ماہیت عدمیہ کے تمام مفصلہ افراد پر اشتقاق کے طریق پر حمل پاتا ہے جیسے کہ آگے آئے گا اور چونکہ وہ عدم مرتبہ اجمال شر و فساد کا عین تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر شر دوسرے شر سے جدا اور ہر فساد دوسرے فساد سے الگ ہو گیا۔ جیسے کہ وجود کی جانب میں اجمال کے مرتبہ میں حضرت وجود ہر خیر و کمال کا عین تھا۔ اور تفصیل علمی کے مرتبہ میں ہر کمال سے الگ اور ہر خیر دوسرے خیر سے جُدا ہو گیا۔ پس ان وجودیہ کمالات میں سے ہر ایک کمال ان نقائص عدمیہ میں سے ہر ایک نقص میں جو اس کے مقابل ہے، خانۂ علم میں منعکس ہوا ہے اور ایک دوسرے کی علمیہ صورتیں باہم مل جل گئی ہیں۔ اور وہ عدمات جو شر و نقائص

سے مراد ہیں مع اُن کمالات منعکسہ کے ممکنات کی ماہیتیں ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ وہ عدمات ان ماہیتوں کے اصول و مواد ہیں۔ اور وہ کمالات ان میں حلول کی ہوئی صورتوں کی مانند ہیں۔

پس اعیانِ ثابتہ اس فقیر کے نزدیک ان عدمات اور کمالات سے مراد ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ باہم مل جل گئے ہیں۔ اور جب قادر مختار جل شانہٗ نے چاہا ان عدمیہ ماہیات کو مع اُن کے لوازم اور وجودیہ ظلال کے کمالات کے جو ان میں حضرت علم میں منعکس ہو کر ممکنات کی ماہیات نام پایا ہے۔ اس وجود ظلی کے رنگ میں کر موجودات خارجیہ بنایا اور آثار خارجیہ کا مبدء کر دیا۔

جاننا چاہیے کہ صورِ علمیہ کا جو ممکنات کے اعیان ثابتہ اور ان کی ماہیات سے مراد ہیں۔ رنگ دار کرنا ان معنوں میں نہیں ہے کہ صور علمیہ نے خانۂ علم سے نکل کر وجود خارجی پیدا کیا ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے اور جہل کو مستلزم ہے۔

تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

بلکہ ان معنوں میں ہے کہ ممکنات نے خارج میں ان صور علمیہ کے مطابق وجود پیدا کیا ہے اور وجود علمی کے تقاضے اس وجود علمی کے موافق وجود خارجی حاصل کیا ہے۔ جیسے کہ کاریگر نجار تخت کی صورت کو ذہن میں تصور کر کے خارج میں اس کا اختراع کرتا ہے۔ اس صورت میں تخت کی وہ ذہنیہ صورت جو حقیقت میں اس تخت کی ماہیت ہے۔ اس نجار کے خانۂ علم سے باہر نہیں نکلی۔ بلکہ خارج میں اس تخت نے اس صورت ذہنیہ کے مطابق وجود پیدا کیا ہے، فافہم۔

جاننا چاہیے کہ ہر عدم نے کمالات وجودیہ کے ظلال میں سے ایک ظل کے ساتھ جو اس کے مقابل ہے اور اس میں منعکس اور منصبغ ہے۔ خارج میں وجود ذہنی پیدا کیا ہے۔ بخلاف عدم صرف کے کہ وہ ان ظلال سے متاثر نہیں ہوا۔ اور ان کا رنگ نہیں پکڑا۔ اور وہ کیسے رنگ پکڑے جب کہ وہ ان ظلال کے مقابل نہیں ہے۔ اگر مقابلہ رکھتا ہے تو حضرت وجود سے صرف رکھتا ہے۔

پس عارف تام المعرفت جب حضرت وجود سے ترقی کر کے عدم صرف کے مقام میں نزول کرتا ہے تو اس کے وسیلہ سے یہ عدم بھی اس حضرت سے انصباغ پیدا کر کے مزین و متحسن ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس عارف کے تمام عدم کے مراتب نے جو فی الحقیقت اس کی تمام اجمالی اور تفصیلی مراتب ذاتیہ ہیں۔ حسن و خیریت پیدا کی ہے۔ اور کمال حاصل کیا ہے۔ اور یہ خیریت جو تمام ذاتیہ میں سرایت کرتی ہے اس قسم کے عارف سے مخصوص ہے۔ اور اس کے غیر کے لیے اگر خیریت نے سرایت کی ہے۔ تو وہ اس کے اعدام ذاتیہ کے بعض تفصیلیہ مراتب تک ہی منحصر ہے یا بلحاظ اختلاف درجات کے اس کے تمام تفصیلی مراتب میں پھیلی ہوئی

ہے۔ اور یہ قسم اخیر بھی نادر الوجود ہے۔ لیکن عدم کے مرتبہ اجمال میں جو شر و نقص کا عین ہے اس عارف کے سوا اور کسی نے خیریت کی بو نہیں پائی اور نہ ہی حسن کا کوئی رنگ پیدا کیا ہے۔

پس ناچار ایسے عارف کا جو خیریت نام سے متصف ہے۔ شیطان بھی حسن اسلام پیدا کر لیتا ہے اور اس کا نفس امارہ مطمئنہ ہو کر اپنے مولیٰ سے راضی ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا ہے کہ:

أَسْلَمَ شَيْطَانِي[1]۔ میرا شیطان بھی مسلمان ہو گیا ہے۔

پس کوئی غازی غزا میں اس سے سبقت نہیں کرتا۔ اور شیطان جیسے کو خیر کی طرف دلالت نہیں کرتا۔

سبحان اللہ! وہ معارف جو اس فقیر حقیر سے بے ارادہ و بے تکلف ظاہر ہو رہے ہیں۔ اگر بہت سے لوگ جمع ہو کر ان کی تصویر میں کوشش کریں تو معلوم نہیں کہ میسر ہو سکے۔ فقیر کا یقین ہے کہ ان معارف کا بہت سا حصہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کے نصیب ہو گا ؎

اگر پادشاہ بر در پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آ جائے تو اے خواجہ تو حسد سے اپنی مونچھیں داڑھی نہ نوچ

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔ پس کیا ہی بزرگ اور بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جو بہتر پیدا کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ ذوات ممکنات عدمات ہیں کہ وجودی کمالات کے ظلال نے ان میں منعکس ہو کر ان کو مزین کر دیا ہے۔ پس ناچار ممکنات بالذات ہر شر و فساد کا مادہ اور ہر شر و نقص کی جائے پناہ ہو گئیں۔ اور ہر خیر و کمال جو ان میں آراستہ اور پوشیدہ فرمایا ہے وہ عاریتی ہے جو حضرت وجود سے جو خیر محض ہے فائض ہوا ہے:

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ[2]۔ جو تجھے بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے نفس سے ہے۔

---

[1] مسلم شریف بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

[2] پارہ ۵۔ سورۃ النساء ۱۲۔

اس مضمون کی شاہد ہے۔ اور جب خداوند تعالیٰ کے فضل سے یہ دید غلبہ پا جاتی ہے۔ اور اپنے کمالات کو فیک اسی طرف دیکھتا ہے۔ تو اپنے آپ کو شر محض معلوم کرتا ہے اور خالص نقص جانتا ہے۔ اور کوئی کمال اپنے آپ میں مشاہدہ نہیں کرتا۔ اگرچہ انعکاس کے طریق پر ہو۔ اُس شخص کی طرح جو کہ ننگا ہو اور اُس نے عاریت کا لباس پہنا ہو۔ اور یہ دید عاریت اس پر اس قدر غالب آجائے کہ وہ اپنے خیال میں اپنا سارا لباس اس لباس کے مالک کا سمجھے۔ تو بالضرور وہ شخص اپنے آپ کو ذوق میں ننگا معلوم کرے گا۔ اگرچہ عاریت درمیان واسطہ ہے اس دید کا صاحب مقام عبدیت سے مشرف ہوتا ہے جو تمام کمالات ولایت سے برتر ہے۔

تنبیہ یہ خیر و شر اور نقص و کمال کا اجتماع جو در حقیقت وجود و عدم کا اجتماع ہے۔ جمع نقیضین کی قسم سے ہے کہ تو اس کو محال جانے کیونکہ وجود صرف کی نقیض عدم صرف ہے۔ اور ان ظلی مراتب نے جس طرح وجود کی جانب میں اصل کی بلندی سے تنزلات کی پستی میں نزول فرمایا ہے۔ اسی طرح عدم کی جانب میں بھی ان ظلی مراتب نے عدم صرف کی پستی سے اُوپر کی طرف عروج کیا ہے۔ ان کا اجتماع عناصر متضادہ کے اجتماع کی طرح ہے کہ ہر ایک کے ضد یہ غلبہ اور تیزی کو توڑ کر ان کو جمع فرمایا ہے:

سُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ الظُّلْمَۃِ وَالنُّوْرِ۔	پس پاک ہے وہ ذات جس نے اندھیرے اور نور کو جمع کر دیا۔

اگر کہا جائے کہ تو نے اوپر، عدم صرف کے لیے بھی وجود صرف کے ساتھ جو اس کی ضد ہے منصبغ اور رنگ دار ہونے کا حکم کیا ہے۔ پس اجتماع نقیضین پیدا ہوا۔

اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ دو نقیضوں کا جمع ہونا ایک محل میں محال ہے۔ لیکن ایک نقیض کا دوسرے نقیض کے ساتھ قیام کرنا اور ایک۔ دوسرے سے متصف ہونا محال نہیں ہے جیسے کہ معقول والوں نے کہا ہے کہ وجود کے وجود معدوم ہے اور وجود کا عدم کے ساتھ متصف ہونا محال نہیں ہے پس اگر عدم موجود ہو۔ اور وجود کے ساتھ رنگا جائے۔ تو کیوں محال ہوگا۔ تو اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ عدم کے مفہوم کو معقولات ثانیہ سے کہا ہے۔ لیکن اگر عدم کے افراد میں سے کوئی فرد وجود سے متصف ہو جائے تو کیا فساد ہے۔ جس طرح معقول والوں نے وجود کے بارہ میں اشکال کے طریق پر کہا ہے کہ وجود کو چاہیے کہ واجب الوجود تعالیٰ کی ذات کا عین نہ ہو کیوں کہ وجود معقولات ثانیہ سے ہے جو وجود خارجی نہیں رکھتا۔ اور واجب الوجود کی ذات خارج میں موجود ہے پس عین نہ ہوگا اور اس کے جواب میں انہوں نے کہا ہے کہ وجود کا مفہوم معقولات ثانیہ سے ہے نہ کہ اس کی جزئیات۔ پس اس کی جزئیات میں سے جزئی وجود خارجی کے منافی نہ ہوگی۔ اور ہو سکتا ہے کہ خارج میں موجود ہو۔

سوال :

پہلی تحقیق سے معلوم ہُوا کہ صفات حقیقیہ کا وجود ظلال کے مرتبوں میں ہے اور مرتبہ اصل میں ان کا کوئی وجود حاصل نہیں ہے۔ یہ بات اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی رائے کے مخالف ہے۔ کیونکہ وہ صفات کو کسی وقت ذات مقدس سے جدا نہیں جانتے اور ممتنع الانفکاک یعنی ان کا ذات سے جُدا ہونا محال تصور کرتے ہیں۔

جواب : - اس کا یہ ہے کہ اس بیان سے انفکاک کا جواز لازم نہیں آتا کیونکہ ظل اس اصل کے لازم ہے۔ پس انفکاک نہ رہا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ عارف جس کی توجہ کا قبلہ احدیت ذات ہے۔ اور اسماء و صفات میں سے کچھ اُس کے مدنظر نہیں ہے۔ اس مقام میں ذات تعالیٰ ہی کو پاتا ہے۔ اور صفات سے کچھ ملحوظ نہیں ہوتا نہ یہ کہ صفات اس وقت حاصل نہیں ہیں۔ پس حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے صفات کا الگ ہونا نہ ہی عارف کے ملاحظہ کے اعتبار سے ثابت ہُوا۔ اور نہ ہی حقیقت امر کے اعتبار سے تاکہ اہل سنت و جماعت کے مخالف ہو۔ فافہم

اس بیان سے :

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ ۔ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے رب کو پہچان لیا

کے معنے بھی ظاہر ہو گئے۔ کیوں کہ جس نے اپنی حقیقت کو شرارت و نقص کے ساتھ پہچان لیا۔ اور جان لیا کہ ہر خیر و کمال جو اس میں پوشیدہ کیا گیا ہے۔ وہ حضرت واجب الوجود کی طرف سے عاریت کے طور پر ہے۔ پس وہ ضرور ہی حق سبحانہٗ کو خیر و کمال و حسن و جمال سے پہچان لے گا۔ اس تحقیقات سے آیت کریمہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے تاویلی معنے بھی واضح ہو گئے۔ کیونکہ جب ظاہر ہو چکا کہ ممکنات سب کے سب عدمات ہیں۔ جو سراسر ظلمت و شرارت ہیں۔ اور ان میں خیر و کمال اور حسن و جمال حضرت وجود کی طرف سے ہے جو نفس ذات تعالیٰ ہے اور ہر خیر و کمال اور حسن و جمال کا مبین ہے۔ تو بالضرور آسمانوں اور زمینوں کا نور حضرت وجود ہی ہو گا جو واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت ہے اور چونکہ یہ نور آسمانوں اور زمین میں ظلال کے واسطہ سے ہے اس لیے ان وہم کرنے والوں کے وہم کو دُور کرنے کے لیے جو بیواسطہ سمجھتے ہیں۔ اس نور کے لیے مثال بیان کی اور اس طرح فرمایا :

لے سخاوی فرماتے ہیں یہ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ عنہ کا قول ہے ابن حجر نے کہا یہ حضرت کا کلام ہے۔ لیکن کتاب ماوردی میں ہے کہ حضرت عائشہ سے مرفوعاً حضورؐ کا ارشاد بیان فرمایا ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ

الیٰ آخر الآیۃ الکریمہ تاکہ واسطوں کا ثبوت ہو جائے۔ اور اس آیت کریمہ کے تاویلی معنے مفصل طور پر ان شاء اللہ تعالیٰ کسی اور جگہ پر لکھے جائیں گے۔ کیونکہ اس میں بحث کی بہت مجال ہے۔ اور یہ مکتوب اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ آیت کریمہ کے یہ تاویلی معنے ہیں۔ اس لیے کہا ہے کہ تفسیری معنے نقل و سماع پر مشروط ہیں:

مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَأْيِهٖ فَقَدْ كَفَرَ۔ جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی وہ کافر ہو گیا۔

تم نے سنا ہوگا۔ اور تاویل میں صرف احتمال کافی ہے۔ بشرطیکہ کتاب و سنت کے مخالف نہ ہو پس ثابت ہوا کہ ممکنات کے ذوات و اصول عدمات ہیں۔ اور ان کی ناقص اور رذیل صفات ان عدمات کی مقتضا ہیں جو قادر مختار جل سلطانہ کے ایجاد سے وجود میں آئی ہیں۔ اور صفات کاملہ ان میں حضرت وجود تعالیٰ کے کمالات کے ظل سے عاریت کے طور پر ہیں جو انعکاس کے طریق پر ظہور پاکر قادر مختار جل شانہٗ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں۔ اور اشیا کے حسن و قبح کا مصداق یہ ہے کہ جو چیز آخرت سے تعلق رکھتی ہے اور دنیا کے لیے ذریعہ و وسیلہ ہے۔ وہ حسن ہے اگرچہ بظاہر اچھی دکھائی نہ دے۔ اور جو چیز دنیا سے تعلق رکھتی ہے اور دنیا کے لیے وسیلہ و ذریعہ ہے وہ قبیح ہے اگرچہ بظاہر حسن و خوب دکھائی دے۔ اور طراوت و طراوت سے ظاہر ہو۔ دنیا کی مزخرفات یعنی بے ہودہ زیب و زینت کا یہی حال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں امردوں یعنی بے ریشوں اور بیگانی عورتوں کے حسن اور دنیاوی زیب و زینت کی طرف رغبت و خواہش سے نظر کرنا منع فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ حسن و طراوت مقتضیات عدم سے ہے جو ہر شر و فساد کا محل ہے۔ اور اگر حسن و جمال کا منشا کمالات وجودیہ ہوتے تو اس سے منع نہ فرماتے۔ مگر اس سبب سے کہ اصل کے ہوتے ظل کی طرف توجہ کرنا برا ہے۔ یہ منع منع استحسانی ہے۔ نہ وجوبی برخلاف پہلی منع کے۔ پس وہ حسن جو دنیا کے مظاہر جمیلہ میں ظاہر ہے۔ وہ اس ذات تعالیٰ کے حسن ظلال سے نہیں ہے

۱؎ سورۂ نور، پارہ ۱۸۔

۲؎ اس مضمون کی احادیث ترمذی، ابو داؤد، مسند الفردوس میں بروایت حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم موجود ہیں۔

۳؎ رد المحتار میں ہے قال فی الهندیۃ: والغلام اذا بلغ مبلغ الرجال ولم یکن صبیحا فحکمہ حکم الرجال وان کان صبیحا فحکمہ حکم النساء وھو عورۃ من قرنہ الی قدمہ لا یحل النظر الیہ عن شھوۃ۔ "یعنی لڑکا جب مردوں کے مقام کو پہنچ جائے اور خوبصورت نہ ہو تو اس کا حکم مردوں کا ہے اور اگر صبیح اور خوبصورت ہو تو وہ عورتوں کے حکم میں ہے اور سر سے لے کر پاؤں تک اس کے کسی حصہ کو شہوت سے دیکھنا...

بلکہ لوازم عدم سے ہے جس نے حسن کی مجاورت کے باعث ظاہر میں حسن پیدا کر لیا ہے اور حقیقت میں قبیح و ناقص ہے۔ جس طرح زہر کو شکر کے غلاف میں رکھیں۔ اور نجاست کو زر سے منڈھیں۔ اور یہ جو منکوحہ خوبصورت عورتوں اور لونڈیوں سے تمتع حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ وہ اولاد کے حاصل کرنے اور نسل کے باقی رکھنے کے لیے ہے جو انتظام عالم کے باقی رکھنے کے لیے مطلوب ہے۔

پس بعض صوفیہ جو ظاہر جمیلہ اور عمدہ عمدہ نغموں میں اس خیال سے گرفتار ہیں کہ یہ حسن و جمال حضرت واجب الوجود تعالیٰ کے کمالات سے مستعار ہے جو ان مظاہر میں ظاہر ہوا ہے۔ اور اس گرفتاری اور تعلق کو نیک اور بہتر سمجھتے ہیں۔ بلکہ راہ وصول تصور کرتے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک ان کے برخلاف صادق و ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اس قسم کا تھوڑا سا مضمون اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان میں سے بعض اپنے مطلب کے لیے اس قول کو بطور سند پیش کرتے ہیں، جو کہا گیا ہے کہ:

اِیَّاکُمْ وَالْمُرْدَ فَاِنَّ فِیْھِمْ لَوْنًا کَلَوْنِ اللّٰہِ۔	تم بے ریشوں سے بچو کیونکہ ان میں رنگ ہے، اللہ تعالیٰ کے رنگ کی طرح۔

کلمہ کَلَوْنِ اللّٰہِ ان کو شبہ میں ڈال دیتا ہے اور نہیں جانتے کہ یہ قول ان کی طلب کے منافی ہے اور اس فقیر کی معرفت کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ کلمہ تحذیر لایا گیا ہے۔ جس سے ان کی طرف توجہ کرنے سے ان کو منع کیا گیا ہے۔ اور اس غلط فہمی کا منشا بیان فرمایا ہے کہ ان کا حسن حق سبحانہٗ کے حسن و جمال کے مشابہ اور مأخذ ہے نہ کہ بعینہٖ اُس کا حسن۔ تاکہ غلطی میں نہ پڑ جائیں۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

مَا الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰھُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی۔	دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں یعنی وہ عورتیں جو ایک مرد کے نکاح میں ہوں اگر ایک راضی ہو تو دوسری ناراض۔

اس حدیث میں بھی اس امر کی تصریح ہے کہ دنیا و آخرت کا حسن و جمال ایک دوسرے کا نقیض اور ضد ہے اور مقرر ہے کہ دنیاوی حسن ناپسند ہے اور حسن اخروی پسند۔ پس شر دنیاوی حسن کے لازم ہو گا۔ اور خیر حسن آخرت کے لازم۔ پس ناچار اوّل کا منشا عدم ہو گا اور دوسرے کا منشا وجود۔ ہاں بعض چیزیں ایسی ہیں جو ایک وجہ سے دنیا کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور ایک وجہ سے آخرت کے ساتھ یہ اشیا پہلی وجہ کے لحاظ سے قبیح ہیں۔ اور دوسری وجہ کے اعتبار سے حسن۔ اور ان ہر دو وجہ کے درمیان اور ہر ایک کے حسن و قبح کے درمیان تمیز کرنا علم شریعت پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[1]
جو کچھ رسول تمہارے پاس لائے اس کو پکڑ لو۔ اور جس سے منع کرے اس سے ہٹ جاؤ۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے حضرت حق سبحانہٗ نے اس پر نظر نہیں کی اور اس پر حق تعالیٰ کا غضب ہے۔

یہ سب کچھ اس کی قباحت اور شرارت اور فساد کے باعث ہے جو عدم کے مقتضیات سے ہے۔ جو ہر شر و فساد کا مادہ ہے۔ دنیاوی حسن و جمال اور اس کی حلاوت و طراوت رستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہیں۔ اور منظورِ نظر نہیں ہیں۔ وہ آخرت کا جمال ہی ہے، جو نظر کے لائق اور حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ دنیاداروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ
وہ دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَغِّرِ الدُّنْيَا بِاَعْيُنِنَا وَكَبِّرِ الْاٰخِرَةَ فِىْ قُلُوْبِنَا بِحُرْمَةِ مَنِ افْتَخَرَ بِالْفَقْرِ وَتَجَنَّبَ عَنِ الْغِنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔
یا اللہ تو دنیا کو ہماری آنکھوں میں حقیر کر دے اور آخرت کو ہمارے دلوں میں بزرگ بنا اس رسول کی طفیل جس نے فقر کے ساتھ فخر کیا۔ اور دولت مندی سے الگ رہا۔ اُس پر اُس کی آل پر اتم و اکمل صلوٰۃ و سلام۔

اور چونکہ شیخ اجل شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی شرارت اور نقص اور فساد کی حقیقت پر نظر نہیں ڈالی۔ اور ممکنات کے حقائق کو حق جل و علا کی علمیہ صورتیں مقرر کی ہیں۔ کیونکہ ان کی صورتوں نے حضرت تعالیٰ و تقدس کے آئینہ میں کہ خارج میں اس کے سوا کچھ موجود نہیں جانتا۔ انعکاس پیدا کر کے خارجی نمود و ظہور حاصل کیا ہے۔ اور ان علمیہ صورتوں کو واجب تعالیٰ کی صفات اور شیون کی صورتوں کے غیر نہیں سمجھا ہے اس لیے وحدت وجود کا حکم کیا ہے۔ اور ممکنات کے وجود کو واجب تعالیٰ و تقدس کے وجود کا عین کہا ہے اور شر و نقص کو اضافی اور نسبتی کہہ کر شرارت مطلق اور نقص محض کی نفی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی چیز کو فی نفسہٖ قبیح نہیں جانتا۔ حتیٰ کہ کفر و ضلالت کو ایمان و ہدایت کی نسبت برا جانتا ہے نہ اپنی ذات کی نسبت سے کہ اس کو عین صلاح و خیر سمجھتا ہے۔ اور ارباب کفر کی نسبت ان کے لیے استقامت کا حکم کرتا ہے۔ اور آیت کریمہ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا[2]
کوئی زمین پر چلنے والا نہیں جس کو وہ اس کی پیشانی سے

---

[1] سورۂ حشر پارہ ۲۸۔ [2] سورۂ ہود پارہ ۱۲

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ	پکڑنے والا نہیں ہے۔ بیشک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے

کو ان معنے پر شاہد لاتا ہے۔ ہاں جو کوئی وحدت وجود کے سوا حکم نہ پائے۔ وہ اس قسم کی باتوں سے کیوں کنارہ کرے۔

اور جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ممکنات کی ماہیتیں مع اُن کے کمالاتِ وجودیہ کے جو ان میں منعکس ہو کر ان سے مل گئی ہیں، عدمات ہیں جیسے کہ مفصّل طور پر گزر چکا:

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ یُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ	اللہ تعالیٰ ہی حق ظاہر کرتا اور وہی راہِ راست کی
یَهْدِی السَّبِیْلَ۔	ہدایت دیتا ہے۔

اے فرزند! یہ علوم و معارف جن کی نسبت کسی اہل اللہ نے نہ ہی صراحت سے اور نہ ہی اشارہ سے گفتگو کی ہے۔ بڑے اعلیٰ معارف اور اکمل علوم ہیں۔ جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ و ممکنات کی حقیقت کو جیسے کہ ممکن اور لائق ہے، بیان فرمایا۔ اور جو نہ ہی کتاب و سنت کی مخالفت رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی اہل حق کے اقوال کے مخالف ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دعا میں جو آپ نے گویا تعلیم کے لیے فرمائی ہے

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ كَمَا هِیَ[1]	یا اللہ تو اشیاء کی حقیقتیں کما حقہ دکھا۔

حقائق سے مراد یہی حقائق ہیں جو ان علوم کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں۔ اور جو کہ مقامِ عبودیت کے مناسب ہیں۔ اور جو کہ نقص و ذلّت و انکسار پر جو بندگی کے حال کے مناسب ہے دلالت کرتی ہیں۔ بندہ عاجز جو اپنے آپ کو اپنے مولا نے قادر کا عین جانے، کمال بے ادبی ہے۔

اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جب کہ پہلی اُمتوں میں سے ایسی ظلمت سے بھرے ہوئے وقت میں اُولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا۔ اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا۔ اور اس اُمت میں جو خیر الامم ہے اور اس امت کا پیغمبر خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ[2] دیا ہے۔ اور علما کے وجود کے ساتھ انبیا کے وجود سے کفایت کی ہے۔ اسی واسطے ہر صدی کے بعد اس اُمت کے علما میں سے ایک مجدد مقرر[3] کرتے ہیں۔ تاکہ شریعت کو زندہ کرے۔ خاص کر ہزار سال کے بعد جو کہ اولوالعزم پیغمبر کے پیدا ہونے کا وقت ہے اور ہر پیغمبر پر اس وقت کفایت نہیں کی ہے۔ اسی

---

[1] اس روایت کو امام غزالی نے علق مضنون اور حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں ذکر کیا ہے۔

[2] بخاری شریف میں ہے العلماء ورثة الانبیاء اور فتوحات مکیہ میں ہے ان علماء هذه الامة کانبیاء بنی اسرائیل

[3] ابوداؤد شریف بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مشکوٰۃ ۱۲۰

طرح اس وقت ایک تام المعرفت عالم و عارف درکار ہے جو گزشتہ امتوں کے اولوالعزم پیغمبر کے قائم مقام ہو۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا می کرد

روح القدس کا فیض اگر اب بھی مدد کرے تو دوسرے بھی وہ کام کر سکتے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کرتے تھے

اے فرزند! وجود صرف عدم صرف کے مقابل ہے۔ اور اوپر گزر چکا کہ وجود صرف واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی حقیقت اور ہر خیر و کمال کا مبین ہے۔ اگرچہ یہ حیثیت بھی خواہ اجمال کے طور پر ہی ہو اس مقام میں گنجائش نہیں رکھتی۔ کیونکہ ظلیت کی آمیزش رکھتی ہے۔ اور عدم جو صرف اس وجود کے مقابل ہے وہ عدم ہے جس کی طرف کسی نسبت اور اضافت نے راہ نہیں پایا۔ اور وہ ہر شر و نقص کا مبین ہے۔ اگرچہ یہ حیثیت بھی وہاں گنجائش نہیں رکھتی۔ کیونکہ اضافت کی بو رکھتی ہے۔

اور معلوم ہے کہ کسی شے کا ظہور پورے طور پر اس شے کے حقیقی مقابل میں ظاہر ہوتا ہے:

وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ — اشیا اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں۔

پس بالضرور وجود صرف کا ظہور پورے طور پر عدم صرف کے آئینہ میں حاصل ہوگا۔ اور مقرر ہے کہ نزول عروج کے اندازہ سے ہے۔ پس جس کا عروج اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وجود صرف تک ثابت ہو۔ ناچار اس کا نزول عدم صرف میں ہوگا۔ جو اس کے مقابل ہے۔ لیکن عروج کے وقت وہاں عارف کا استہلاک ہے جس کو جہل لازم ہے۔ اور نزول کے وقت صحو سے متحقق ہے جو علم و معرفت کا مقام ہے۔ اس وقت اس صحو کو اس تجلی ذاتی سے جو ظلیت کی آمیزش سے منزہ اور حاشیہ شیون و اعتبارات کے ملاحظہ سے مبرا ہے مشرف کرتے ہیں۔ اور اس کو جتلا دیتے ہیں کہ اس سے پہلے جو تجلی حاصل ہوئی تھی۔ وہ اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کے ظلال میں کسی ظل کے پردہ میں تھی۔ اگرچہ عارف اس کو اسماء و شیون کے ملاحظہ کے بغیر جانتا ہے۔ اور حضرت وجود صرف کی تجلی گنتا ہے۔ سبحان اللہ! اس عدم نے جو ہر شر و نقص کا ماوٰی ہے۔ حضرت وجود تعالیٰ کے ظہور تام کے باعث حسن کے معنی پیدا کیے۔ اور وہ کچھ پایا جو کسی نے نہ پایا۔ اور جو اقبح قبیح تھا حسن عارضی کے سبب مستحسن ہو گیا۔ نفس امارۂ انسانی جو بالذات شرارت کی طرف مائل ہے۔ اس عدم کے ساتھ سب سے زیادہ کامل مناسبت رکھتا ہے۔ اسی واسطے تجلی خاص میں سب سے فائق ہو گیا۔ اور سب پر ترقی پا گیا۔ ع

کہ مستحق کرامت گنہگار انند

سے کیونکہ گنہگار ہی رحمت ازلی کے مستحق ہیں۔

جاننا چاہیے کہ تمام المعرفت عارف جب عروج کے مقامات اور نزول کے مراتب کو مفصل طور پر طے کرنے کے بعد عدم صرف میں نزول فرمائے گا اور حضرت وجود کی آئینہ داری کرے گا۔ تو اس وقت تمام اسمائی وصفاتی کمالات اس میں ظہور پائیں گے۔ اور مفصل طور پر سب کو ایسے لطائف کے ساتھ ظاہر کرے گا کہ مقام اجمال جن کا متضمن ہے اور یہ دولت اس کے سوا کسی دوسرے کو میسّر نہیں ہے اور یہ آئینہ داری ایک قیمتی لباس ہے جو اس کے قد پر سجا ہوا ہے۔ اس تفصیل نے اگرچہ حضرت علم کے خزینہ میں صورت حاصل کی ہے۔ لیکن وہ آئینہ داری مرتبۂ علم میں ہے۔ اور اس عارف کا آئینہ مرتبہ خارج میں ہے جس نے خارج میں تمام کمالات کو ظاہر کیا ہے۔

سوال:۔ مرآتیتِ عدم کے کیا معنے ہیں۔ اور عدم کو جو لاشے محض ہے کس اعتبار سے وجود کا آئینہ کہا ہے؟

جواب:۔ عدم باعتبار خارج کے لاشے محض ہے۔ لیکن اس نے علم میں امتیاز پیدا کی ہے بلکہ وجود ذہنی کے ثابت کرنے والوں کے نزدیک اس نے وجود علمی بھی حاصل کیا ہے۔ اور اس کو وجود کا آئینہ اس اعتبار سے کہا ہے کہ مرتبۂ عدم میں ہر نقص و شرارت جو وجود سے جو اس کی نقیض ہے ثابت ہو۔ ضرور مسلوب ہوگا۔ اور ہر کمال جو مرتبہ عدم میں مسلوب ہو۔ وہ حضرت وجود میں مُثبت ہوگا۔ پس ناچار عدم کمالاتِ وجودی کے ظہور کا سبب ہوا۔ اور آئینہ ہونے کے یہی معنے ہیں اس کے سوا اور معنے کچھ نہیں؛

فَافْهَمْ فَإِنَّهٗ دَقِيْقٌ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُلْهِمُ۔	پس سمجھ لے کیونکہ کہ باریک مطلب ہے اور اللہ تعالیٰ الہام کرنے والا ہے۔

اے فرزند! یہ جو معارف لکھے گئے ہیں امید ہے کہ رحمانی الہامات سے ہوں گے جن میں ہرگز شیطانی وسوسوں کی آمیزش نہیں ہے۔ اور اس مطلب پر دلیل یہ ہے کہ جب فقیر ان علوم کے لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں التجا کی تو دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے گرد ونواح سے شیطان کو دفع کرتے ہیں۔ اور اس مکان کے گرد نہیں آنے دیتے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ أَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں کا ظاہر کرنا بڑی اعلیٰ درجہ کی شکر گزاری ہے۔ اس لیے اس نعمت عظمےٰ کے ظاہر کرنے کی دلیری کی۔ اُمید ہے کہ یہ بات عُجب اور خود بینی کے گمان سے پاک ہوگی۔ اور خود بینی کی گنجائش کیسے ہو سکے جب کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اپنا ذاتی نقص و شرارت ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور کمالات سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ أَوَّلًا وَّاٰخِرًا	اوّل آخر میں اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاٰبَائِنَا وَسَرْمَدًا وَعَلٰى اٰلِهِ الْكِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

اس کے رسول اور اس کی آل بزرگوار اور اصحاب عظام پر ہمیشہ صلوٰۃ و سلام ہو۔ اور سلام ہو اُن سب پر جو ہدایت کے رستہ پر چلے۔ اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۳۵

اس بیان میں کہ اس طائفہ کی محبت دنیا و آخرت کی سعادت کا سرمایہ ہے اور احکام شرعیہ کے بجا لانے اور باطنی جمعیت کے حاصل کرنے کی توفیق اس محبت کا ثمرہ ہے۔ اور اس کے مناسب بیان میں ملا عبد الغفور سمرقندی اور حاجی بیگ فرکتی اور خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

حمد و صلوات اور دعوات کے بعد دوستان حقیقی اور مشتاقان تحقیقی کو معلوم شریف ہو کہ آپ کے مکتوبات شریفہ جو فرط محبت اور کمال اشتیاق سے بھرے ہوئے تھے ان کے پہنچنے سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسی محبت پر ثابت قدم رکھے۔ اس محبت کو دنیا اور آخرت کی سعادت کا سرمایہ جان کر حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے اس پر ثابت اور قائم رہنے کی دعا مانگتے رہا کریں۔ اور احکام شرعیہ کے بجالانے کی توفیق اسی محبت کا نتیجہ ہے۔ اور باطنی جمعیت کا حاصل ہونا اسی دوستی کا ثمرہ ہے۔ اگر تمام جہان جتنی ظلمتیں اور کدورتیں باطن میں گرا دیں لیکن اس محبت کو قائم رکھیں تو کچھ غم نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اُمیدوار رہنا چاہیے۔ اور اگر تمام پہاڑوں کے برابر انوار و احوال کو باطن میں زیادہ کر دیں لیکن اس محبت سے بال کے برابر بھی دور کر دیں۔ تو سوائے خرابی کے کچھ نہ جاننا چاہیئے۔ اور اس کو استدراج شمار کرنا چاہیے۔ اس سر رشتہ کو مضبوط پکڑ کر اپنے کام میں متوجہ رہیں اور قیمتی عمر کو بے فائدہ کاموں میں ضائع نہ کریں ؎

ہمہ اندرز من بتو این است
کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

میری ساری نصیحت یہی ہے کہ تو بچہ ہے اور مکان رنگین اور خوشنما ہے

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوٰاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔

اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت کے راہ پر چلے اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۳۶

بعض اسرار کے بیان میں مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق سلمہٗ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا:-

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے فرزند ارشد کو معلوم ہو کہ تمہارے خط سے جو تم نے احوال کی شرح میں لکھا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوا تھا کہ تم کو ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت پیدا ہو گئی ہے۔ اس بات سے خداوند جل سلطانہٗ کا شکر بجا لایا کہ بہت مدت سے یہ آرزو تھی کہ یہ دولت تمہیں حاصل ہو جائے۔ اب امیدوار ہو کر اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ تم کو اس دولت کی طرف جذب کرے۔ اتفاقاً اس جستجو میں تم کو ولایت موسوی علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام میں داخل پایا۔ اور وہاں سے کھینچ کر دائرہ ولایت خاصہ میں داخل کیا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ اور جب تم کو قسر و جبر سے اس ولایت میں لاتے ہیں۔ اس لیے بیس روز سے زیادہ ہو گئے ہیں کہ تم کو اپنی بغل میں نگاہ رکھ کر پرورش کرتا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس نسبت کے ضعف سے تمہیں معلوم ہوا ہو گا۔ اور اب چونکہ یہ نسبت قوی ہو گئی ہے امید ہے کہ تم کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ اور حضرت حق سبحانہٗ کے انعامات کی نسبت جو پے در پے اس عاصی کے حق میں پہنچ رہے ہیں، کیا لکھے ؎

من آں خاکم کہ ابر نوبہاری | کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم | چو سبزہ شکر لطفش کے توانم

میں وہ خاک ہوں کہ نو بہار کا بادل لطف و مہربانی سے مجھ پر برس رہا ہے۔

اگر میرے تن پر سو زبانیں بھی اگ آئیں تو پھر بھی میں سبزے کی طرح اس کی مہربانی کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں۔

دوسرے یہ کہ ہے کہ فرزند عزیز محمد سعید نے جو اپنے مکتوب میں اپنے احوال کو ظاہر کیا تھا بہت ٹھیک ہیں۔ اور اس خصوصیت کے ساتھ یاروں میں سے کم کسی کو حاصل ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی ولایت خاصہ سے مشرف فرمائے گا۔ اور فرزندی محمد معصوم بالذات اس دولت کے قابل ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے قوت سے فعل میں لائے۔

مکتوب نمبر ۲۳۷

سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی تابعداری پر ترغیب دینے اور طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی مدح میں محمد طالب ریاگی کی طرف صادر فرمایا :-

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ عَلٰى جَادَّةِ الشَّرِيْعَةِ الْحَقَّةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ وَعَلٰى اٰلِهِ الْكِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ۔	اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی شریعت حقہ کے سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔

میرے سعادت مند بھائی! طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس سرہم کے بزرگواروں نے سنت سنیہ کو لازم پکڑا ہے اور عزیمت پر عمل اختیار کیا ہے۔ اگر اس التزام اور اختیار کے ساتھ ان کو احوال و مواجید سے مشرف کر دیں تو ان کو نعمت عظیم جانتے ہیں۔ اور اگر احوال و مواجید تو ان کو بخشیں۔ مگر اس التزام اور اختیار میں قصور معلوم کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے۔ اور ان مواجید کو نہیں چاہتے۔ اور اس قصور میں اپنی سراسر خرابی جانتے ہیں۔ کیونکہ برہمنوں اور ہندو جوگیوں اور یونانی فلاسفہ کو علم توحید کی بہت قسم کی تجلیات صوری اور مکاشفات مثالی بھلی ہیں۔ لیکن سوائے خرابی اور رسوائی کے ان سے کچھ نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ اور سوائے بُعد و حرمان کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

اے بھائی! جب آپ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان بزرگواروں کی ارادت کے سلک میں داخل کیا ہے تو چاہیئے کہ ان کی متابعت کو لازم پکڑیں اور سر مو ان کی مخالفت نہ کریں۔ تاکہ ان کے کمالات سے فائدہ مند اور برخوردار ہوں۔ اول اپنے عقاید کو اہل سنت و جماعت کثرہم اللہ تعالیٰ کے عقاید کے موافق درست کریں۔

دوسرے فرض و سنت و واجب و مندوب و حلال و حرام و مکروہ و مشتبہ کا علم جو فقہ میں مذکور ہے حاصل کریں اور اس علم کے موافق عمل درست کریں۔

تیسرے درجے پر علوم صوفیہ کی نوبت پہنچتی ہے جب تک وہ دونوں پر درست نہ کر لیں عالم قدس میں اڑنا محال ہے۔ اور اگر ان دو کاموں کے حاصل ہونے کے بغیر احوال و مواجید میسر ہوں تو ان میں اپنی سراسر خرابی جاننی چاہیئے۔ اور ایسے احوال و مواجید سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ ع

کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ!

۵ اصل کام یہی ہے باقی سب ہیچ ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلَاغُ رسول کا کام حکم پہنچا دینا ہے۔

برادرم میاں شیخ داؤد وہاں آئے ہوئے ہیں۔ ان کی صحبت کو غنیمت جانیں اور جو نصیحت اور دلالت کریں بجا لائیں۔ کیونکہ وہ ان بزرگواروں کے مریدوں کی صحبت میں بہت مدت رہے ہیں۔ اور انہیں ان کا راہ و روش معلوم ہو چکا ہے۔ اس جگہ کے ان یاروں کو جو میر نعمان کے ذریعے اس طریقہ علیہ میں داخل ہوئے ہیں۔ چاہیے کہ مشار الیہ (شیخ داؤد) کی صحبت کو غنیمت جانیں۔ اور حلقہ میں ایک ہی جگہ بیٹھیں۔ اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں تاکہ جمعیت حاصل ہو۔ اور معاملہ ترقی پائے۔ اور مکتوب کا مطالعہ کیا کریں کہ بہت فائدہ مند ہے ع

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان

ہم نے تجھے گنج مقصود کا نشان بتا دیا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔ اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۳۸

میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:۔

اس بیان میں کہ بھائیوں یعنی دوستوں کے زیادہ ہونے میں بہت سی امیدیں ہیں۔ اور اس امر کی تاکید میں کہ ایسا نہ ہو کہ مریدوں کے احوال و معارف پیروں کے توقف اور عجب کا موجب بن جائیں اور اس بیان میں کہ مریدوں کے احوال حیا کا موجب بننے چاہئیں۔ تاکہ ترقیات پر راغب کریں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ۔ اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور سید المرسلین اور ان کی آل پاک و طاہر پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو خواجہ رحمی کی خدمتگار کے ہمراہ ارسال کیا تھا، پہنچ کر نہایت ہی خوشی کا باعث ہوا اور چونکہ آپ کے مریدوں کے احوال مفصل طور پر درج تھے۔ اس لیے خوشی پر خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ بھائیوں کے زیادہ ہونے میں:

اَكْرِمُوْا اِخْوَانَكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ — اپنے دینی بھائیوں کو زیادہ بناؤ۔

کے بموجب بہت بہت اُمیدیں ہیں۔ اور آیت کریمہ:

سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ۔ — تیرے بازو کو تیرے بھائی سے قوی کریں گے۔

بھی اسی مضمون کی مؤید ہے۔ لیکن چاہیے کہ اپنے احوال و اعمال منظورِ نظر ہوں اور اپنی حرکت و سکون ملحوظ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مُریدوں کی ترقیاں پیروں کے توقف کا باعث بن جائیں۔ اور مسترشدوں اور مریدوں کی گرمائش مُرشدوں کے گھر میں سردی ڈال دے۔ اس بات سے بہت ڈرتے رہنا چاہیے۔ اور مُریدوں کے احوال و مقامات کو شیر و ببر کی طرح جاننا چاہیے۔ اور اُن پر فخر و مباہات نہ کرنا چاہیے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس وجہ سے عجب و غرور کا دروازہ کھل جائے۔ بلکہ چاہیئے کہ:

اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔ — حیا ایمان کی جزو ہے۔

کے موافق مریدوں کی ترقیاں شرمندگی و خجالت کا باعث ہوں۔ اور طالبوں کی گرمی عبرت و غیرت کا موجب بنے۔ اور چاہیئے کہ اپنے اعمال کو قاصر اور اپنی نیت کو کوتاہ سمجھیں۔ اور حال و قال کی زبان کلمہ

سے تر ہے۔ اگرچہ آپکے پسندیدہ اطوار سے اُمید ہے کہ آپ اس طرح معاملہ کریں گے۔ لیکن دینی دشمنوں یعنی نفس امارہ اور شیطان لعین کا خیال کرتے ہوئے تاکید کے طور پر مبالغہ کیا گیا ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ طالبوں کی توجہ کی سرگرمی میں سردی پڑ جائے۔ کیونکہ مقصود ان دونوں حالتوں کا جمع کرنا ہے۔ صرف ایک ہی کے فکر میں لگا رہنا قصور میں داخل ہے۔

خواجہ رحمی و سید احمد کو آپ کی خدمت میں حاضر رہنا چاہیئے۔ اور آپ ان کے حال پر پورے طور سے توجہ فرماتے ہیں۔ میر عبداللطیف نے بھی اگر توجہ کی توفیق پائی ہو۔ تو اس کی بھی مدد کریں۔ تاکہ استقامت حاصل کرلے۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض طالب طریقہ قادریہ کی التماس کرتے ہیں۔ چاہیئے کہ طریقہ نقشبندیہ کے سوا اور کوئی طریقہ کسی کو نہ سکھائیں۔ تاکہ دو طریقے باہم مل نہ جائیں۔ ہاں اگر کلاہ و شجرہ طلب کریں۔ اور استخارہ کی اجازت دیں تو مرید بنالیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ اَصْحَابِكُمْ وَاَحْبَابِكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ — آپ پر اور آپ کے تمام دوستوں پر سلام ہو۔ اور نیز ان تمام پر جو ہدایت کے راستہ پر چلے۔ اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لہ پارہ امن خلق، سورہ قصص ۱۲ — ۵۲ بخاری و مسلم مشکوٰۃ شریف۔

أَتَمَّهَا وَأَكْمَلَهَا۔ کی متابعت کو لازم پکڑو۔

مکتوب نمبر ۲۳۹

ملا احمد برکی کی طرف اُس کے اس خط کے جواب میں جو اُس نے لکھا تھا اور اس میں چند سوال استفسار کیے تھے، لکھا :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الطَّاهِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ۔ اللہ رب العالمین کے لیے حمد ہے۔ اور سید المرسلین اور اُن کی آل و اصحاب پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

آپ کا مکتوب گرامی جو ازروئے شفقت و مہربانی ارسال کیا تھا۔ اس کے مضمون کا مطالعہ کرکے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے لکھا تھا کہ احوال کا عرض کرنا احوال کے اندازہ پر ہے الخ۔

میرے مخدوم! احوال کے حاصل ہونے سے مقصود یہ ہے کہ محوّل احوال یعنی احوال کے پھیرنے والے (اللہ) کے ساتھ گرفتاری اور تعلق حاصل ہو جائے۔ جب یہ گرفتاری حاصل ہو تو پھر اگر احوال حاصل ہوں یا نہ ہوں کچھ پروا نہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ حضور میں مذکور ہوا تھا کہ آپ کے حق میں ہم نے بہت تخم ریزی کی الخ

میرے مخدوم! واقعی اسی طرح ہے۔ لیکن ثمرات کا ظہور زندگی اور مرنے کے بعد بے شمار زمانوں کے گزرنے پر موقوف ہے۔ اٰتِیْنَ وَلَا تَعْجَلْ بِہٖ۔ (خوش ہو اور جلدی نہ کر)۔

مولانا محمد صالح کے مقولہ کی نسبت آپ نے لکھا تھا۔ چونکہ مولانا مذکور حاضر نہ تھے تاکہ ان کی مراد سمجھی جاتی اس لیے اس مقولہ سے متعرض نہ ہوا۔ لیکن خیر ہے کسی طرح کا فکر دل میں نہ لائیں۔ اور بے ادبی کی نسبت جو آپ نے لکھا تھا، سو دوستوں کی خطائیں معاف ہیں دل میں کچھ فکر و اندیشہ نہ کریں۔

آپ نے اپنے احوال کی نسبت تفتیش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ آپ مقبولوں میں سے ہیں۔

قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّةٍ۔ جو قبول کیا گیا وہ بلا علت قبول کیا گیا۔

آپ نے لکھا تھا کہ دو شیخ زادے آئے تھے تاکہ ذکر کی تلقین حاصل کریں الخ

میرے مخدوم! استخارہ ہر کام میں مسنون و مبارک ہے۔ لیکن ضروری نہیں ہے ممکن ہے کہ استخارہ

کے بعد خواب یا واقعہ یا بیداری میں ایسا امر ظاہر ہو۔ جو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت کرے۔ بلکہ استخارہ کے بعد دل کی طرف رجوع کرنی چاہیے۔ اگر اس کام کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ ہے تو اس کام کرنے پر دلالت رکھتا ہے۔ اور اگر توجہ اسی قدر ہے جس قدر کہ پہلے تھی اور کچھ کم نہیں ہوئی۔ تب بھی منع نہیں ہے اس صورت میں استخارہ کو دوبارہ سہ بارہ کرے۔ تاکہ توجہ کی زیادتی مفہوم ہو جائے۔ استخارہ کے تکرار کی نہایت سات مرتبہ تک ہے۔ اور اگر استخارہ کے ادا کرنے کے بعد پہلی توجہ میں نقصان مفہوم ہو۔ تو منع پر دلالت ہے اس صورت میں بھی اگر استخارہ کرے گنجائش ہے۔ بلکہ ہر تقدیر پر استخارہ کو مکرر کرنا بہت بہتر اور مناسب ہے۔ اور اس امر کے کرنے یا نہ کرنے میں احتیاط ہے۔

رسالہ مبدء و معاد کی اس عبارت کے معنے جو اس جسد کے بیان میں لکھی گئی ہے۔ جو روح سے مکتسب ہے آپ نے پوچھی تھی۔

میرے مخدوم! روح کا ایسے افعال کا اختیار کرنا اور کر گزرنا جو اجسام کے افعال کے مناسب ہیں جیسے کہ دشمنوں کا ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا[1] وغیرہ وغیرہ اسی قسم سے ہے۔

ظالموں کے فتنہ سے آپ نے امن طلب کیا تھا حق تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو بلکہ آپ کی جگہ کو ان ظالموں کی شرارت سے محفوظ رکھا ہے۔ خاطر جمع ہو کر حق تعالیٰ کی پاک جناب کی طرف متوجہ رہیں اور امید ہے کہ اس حفظ کو کسی خاص وقت تک معین نہیں کریں گے:

إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ[2] — تیرا رب بڑی بخشش والا ہے۔

لیکن اس جگہ کے رہنے والوں کو نصیحت کریں کہ مسلمانوں کی بہتری اور خیر خواہی کی وضع کو نہ بدلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ[3] — اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلائیں۔

مکتوب نمبر ۲۴۰

شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا:

[1] معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی روحیں مدد کرتی ہیں ۱۲ [2] سورۃ والنجم، پارہ فما خطبکم۔

[3] سورۃ رعد، پارہ ۱۳۔

اس بحث کی بے نہایتی اور کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے بعض فائدوں کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی — اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو

وہ رسالہ جو آپ کے بخیریت کے انجام والے احوال پر شامل تھا، پہنچا اور اس کا مطالعہ خوشی کا باعث ہوا

ع در عشق چنیں بو العجبیہا باشد

عشق میں اس طرح کے بہت سے تعجب انگیز کام ہوتے ہیں

لیکن چاہیے کہ احوال سے گزر کر محول احوال یعنی احوال کے پلٹانے والے (اللہ) تک پہنچنا چاہیے کہ وہاں سراسر جہالت و نادانی ہے۔ بعد ازاں اگر معرفت سے مشرف فرمائیں تو زہے دولت و سعادت۔ غرض جو کچھ دید و دانش میں آئے نفی کے قابل ہے۔ خواہ کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہی ہو۔ کیونکہ اس وحدت کی کثرت میں گنجائش نہیں ہے۔ جو کچھ دکھائی دیتا ہے اس وحدت کا شبح و مثال ہے نہ بذات خود وحدت پس اس وقت آپ کے حال کے مناسب کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر اور تکرار ہے۔ اس حد تک کہ دید و دانش میں کچھ نہ چھوڑے اور حیرت و جہالت میں ڈال دے۔ اور معاملہ کو فنا تک پہنچا دے۔ جب تک جہل و حیرت میں نہ پہنچیں۔ فنا نصیب نہیں ہوتی۔ جس کو آپ نے فنا تصور کیا ہے۔ اس فنا کو عدم سے تعبیر کرتے ہیں۔ نہ فنا سے۔ اور جب جہل تک پہنچنے کے بعد فنا حاصل ہوگی۔ تب پہلا قدم اس راہ میں رکھا جائے گا۔ وصل کہاں اور اتصال کس کے لیے ہے

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَھَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَھُنَّ حُیُوْفُ

سعاد معشوقہ تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز واقع ہیں۔

آپ کے احوال درست ہیں لیکن ان سے گزرنا لازم ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ — اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کے راہ پر چلا
الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوٰتِ — اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت
وَالتَّسْلِیْمَاتِ — کو لازم پکڑا۔

دوسری نصیحت یہ ہے کہ آپ شریعت پر استقامت اختیار کریں اور اپنے احوال کو علوم و اصول شرعیہ کے مطابق درست کریں۔ اگر معاذ اللہ کسی قول و فعل میں شریعت کا خلاف پیدا ہو تو اس میں اپنی خرابی سمجھنی چاہیے۔ استقامت والوں کا یہی طریق ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۴۱

بعض یاروں کی ترقی کے بیان میں مولانا محمد صالح کی طرف لکھا:

میرے سعادت مند بھائی کو حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کر ان حدود کے احوال حمد کے لائق ہیں اور اس جگہ کے سب یار خوش و خرم ہیں۔ بالخصوص مولانا محمد صدیق ان دنوں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ولایت خاصہ کے ساتھ مشرف ہوئے۔ اور اسم جزئی سے اسم کلی کے ساتھ ملحق ہوئے باوجود اس کے نظر فوق کی جانب رکھتے ہیں۔ وہاں سے نصیب وافر حاصل کر کے شاید رجوع کی طرف میلان کریں:

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ (پ۔ سورہ بقرہ) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے۔

کبھی کبھی اپنے اور ان دوستوں کے احوال جو طریقہ میں داخل ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں۔ لکھتے رہا کریں۔ اور چند روز اسی جگہ استقامت اختیار کریں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۴۲

بعض سوالوں کے جواب میں ملا بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے عزیز بھائی کو معلوم ہو کر درویش کمال نے آپ کا مکتوب شریف پہنچایا۔ بڑی خوشی کا موجب ہوا۔ آپ نے جو اپنے احوال کو قاصر اور نسبتوں کو کوتاہ سمجھنے کے بارہ میں لکھا ہوا تھا۔ واضح ہوا۔ حق تعالیٰ سے التجا ہے کہ اس درد کو زیادہ کرے۔ اور اس الم کو کمال تک پہنچائے کیونکہ اس راہ میں یہ دونوں دولتیں اصل مقصودوں میں سے ہیں۔

آپ نے لکھا اور دریافت کیا تھا کہ اسم ذات کا شغل کہاں تک ہے۔ اور اس مبارک شغل کی مداومت سے کس قدر پردے دور ہوتے ہیں۔ اور نفی و اثبات کی نہایت کہاں تک ہے۔ اور اس کلمہ متبرکہ سے کیا صفت حاصل ہوتی ہے اور کس قدر حجاب دور ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے۔ اور چونکہ ظاہر کو غفلت سے چارہ نہیں ہے۔ خواہ ابتدا میں ہو خواہ انتہا میں۔ اس لیے ظاہر ہر وقت ذکر کا محتاج ہے۔

ے پارہ الم، سورہ بقرہ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر اسم ذات نفع دیتا ہے اور بعض اوقات ذکر نفی و اثبات مناسب ہوتا ہے۔ باقی رہا معاملہ باطن کا۔ وہاں بھی جب تک بالکل غفلت دُور نہ ہو جائے۔ تب تک ذکر کرنے سے چارہ نہیں ہاں اس قدر ہے کہ ابتدا میں یہ دونوں ذکر متعین ہیں اور توسط و انتہا میں یہ دونوں ذکر متعین نہیں ہیں۔ اگر قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کے ادا کرنے سے غفلت دُور ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی تلاوت متوسط کے حال کے مناسب ہے۔ اور نماز نوافل کا ادا کرنا منتہی کے حال کے مناسب ہے۔

جاننا چاہیے کہ حضرت ذات کا وہ حضور جو اسماء و صفات کے ملاحظہ سے ہو۔ اگرچہ دائمی ہو۔ احدیت مجردہ کی طرف توجہ کرنے والوں کے نزدیک غفلت میں داخل ہے۔ اس غفلت کو بھی دُور کرنا چاہیے اور وراء الوراء کی طرف جانا چاہیے ؎

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست

درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

دوست کا فراق اگر تھوڑا سا بھی ہو تو تھوڑا نہیں ہے، آنکھ میں اگر آدھا بال بھی پڑ جائے تو بہت ہے

آپ نے ان واقعات کی نسبت جو ظاہر ہو گئے ہیں لکھا تھا۔ اس سے پہلے بھی جواب میں یہی لکھا تھا کہ یہ مبشرات ہیں یا بھی ان کے ظہور کا وقت نہیں آیا منتظر رہیں اور کام کرتے جائیں ؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ إِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا

قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفٌ

سعاد تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز واقع ہیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۴۳

طریقہ علیہ نقشبندیہ کی ترغیب میں ملا ایوب محتسب کی طرف صادر فرمایا:

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے معزز بھائی کو معلوم ہو کہ کئی دفعہ آپ نے اپنے متعدد خطوں میں نصیحتیں طلب فرمائی تھیں۔ لیکن جب بار بار یہی طلب آپ کی طرف سے ظہور میں آئی۔ اس بنا پر چند ٹوٹے پھوٹے فقرے لکھے جاتے ہیں، ان کو غور سے سنیں۔ اور جان لیں کہ جو کچھ طالب کے لیے ضروری ہے اور اس کے ساتھ مکلف ہے وہ اوامر کا بجا لانا اور نواہی سے ہٹ جانا ہے۔ آیۂ کریمہ:

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا[1] — جو کچھ رسول تمہارے پاس لایا اس کو پکڑ لو، اور جس سے اس نے تمہیں منع کیا ہے اس سے ہٹ جاؤ۔

اس مطلب پر شاہد ہے۔ اور جب طالب کو اخلاص کا حکم ہے:

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔[2] — خبردار دین خالص اللہ ہی کے لیے ہے۔

اور وہ بغیر فنا کے حاصل نہیں ہوتا۔ اور محبت ذاتیہ کے سوا متصور نہیں اس لیے طریق صوفیہ کا سلوک بھی جس سے فنا اور محبت ذاتیہ حاصل ہوتی ہے۔ ضروری ہے۔ تاکہ اخلاص کی حقیقت ہاتھ آئے۔ اور چونکہ صوفیہ کے طریقے کمال و تکمیل کے مرتبوں میں اصالۃً متفاوت ہیں۔ اس لیے ایسے طریق کا اختیار کرنا جس میں سنت سنیہ کی متابعت زیادہ لازم اور احکام شرعیہ کے بجالانے کے زیادہ موافق ہو۔ بہت ہی بہتر اور مناسب ہے۔ اور وہ طریقہ مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم کا طریق ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے اس طریق میں سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب فرمایا ہے۔ جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے۔ اگرچہ بظاہر اس کا نفع باطن میں معلوم کریں۔ اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگرچہ بظاہر اس کو باطن میں مضر جانیں۔ انہوں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے۔ اور ذوق و معارف کو علوم دینیہ کا خادم جانتے ہیں۔ احکام شرعیہ کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے جوز و مویز کے بدلے ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اور صوفیہ کی بے فائدہ باتوں پر مغرور و مفتون نہیں ہوتے۔ نص کو چھوڑ کر فص[3] کی طرف خواہش نہیں کرتے۔ اور فتوحات مدنیہ کو چھوڑ کر فتوحات مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا حال دائمی اور ان کا وقت استمراری ہے۔ ماسوی اللہ کے نقش ان کے باطن سے اس طرح محو ہو جاتے ہیں کہ اگر ماسوی کے حاضر کرنے میں ہزار سال تک توقف کریں تو بھی میسر نہ ہو۔ اور وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لیے برق کی طرح ہے۔ ان بزرگواروں کے لیے دائمی ہے اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو۔ ان عزیزوں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔[4] — وہ ایسے مرد ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت ان کو ذکر سے غافل نہیں کرتی۔

ان کے حال کا بیان ہے۔

اس کے علاوہ ان کا طریق سب طریقوں سے اقرب اور ضرور موصل ہے۔ اور دوسروں کی نہایت ان کی

---

۱ سورۃ حشر، پارہ قد سمع اللہ۔ ۲ سورۃ زمر، پارہ ۲۳۔

۳ فص سے کتاب فصوص الحکم کی طرف اشارہ ہے جو شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے ۱۲

۴ سورۃ نور، پارہ ۱۸۔

ہدایت میں درج ہے۔ اور ان کی نسبت جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ تمام مشائخ کی نسبتوں سے بڑھ کر ہے۔ لیکن ہر کسی کا فہم ان بزرگواروں کے مذاق تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس طریقہ علیہ کے کم ہمت لوگ بھی ان کے بعض کمالات سے انکار کریں ؎

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور

حاش للہ کہ برآرم بزبان ایں گلہ را !

کوئی کوتاہ اندیش اگر اس گروہ نقشبندیہ پر اعتراض کرے تو کرتا ہے۔ میں تو ہرگز ان کا گلہ زبان پر نہیں لا سکتا۔

شاعر عرب فرماتا ہے شعر

أُولٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ

إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ

میرے آباؤ اجداد تو یہ ہیں، تو بھی ان کی مثل لے آ۔ جبکہ مجالس منعقد ہوں۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اس سلسلہ علیہ کے مشائخ قدس سرہم ہر زراق اور رقاص (فریب کرنے والے اور رقص کرنے والے) کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے۔ ان کا کارخانہ بلند ہے ؎

حیف باشد شرح او اندر جہاں ہم چو راز عشق باید در نہاں

لیک گفتم وصف او تا رہ برند پیش ازاں کز فوت حسرت آں خورند

اس کی شرح جہاں میں نہیں ہو سکتی اور وہ راز عشق کی طرح پوشیدہ ہے۔ لیکن میں نے اس کی صفت بیان کی ہے تاکہ لوگ اس کا سراغ لگائیں اس سے قبل کہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد افسوس کریں۔

اگر ان بزرگواروں کے خصائص و کمالات میں دفتروں کے دفتر لکھے جائیں۔ تو دریائے بے نہایت سے قطرہ کی طرح ہیں ؎

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں

ہم نے تجھے گنج مقصود کا نشان بتلا دیا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا۔

اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کے راستہ پر چلا۔ اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۴۴

محمد صالح کولابی کی طرف اس کے اس خط کے جواب میں جو اس نے اپنے حال کی خرابی کے بیان میں تحریر کیا تھا، صادر فرمایا:۔

میرے سعادت مند بھائی خواجہ محمد صالح کا مکتوب شریف پہنچا جو آپ نے اپنے احوال کی خرابی کی نسبت لکھا ہوا تھا، اُمید ہے کہ اس سے بھی زیادہ خراب ہوگا۔ اور اس خرابی کی نہایت اس مکتوب میں جو انہی دنوں میں میرے فرزند ارشد کے نام لکھا ہے۔ درج ہو چکی ہے۔ وہاں سے معلوم کرلیں۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ آپ کا وہاں چند روز رہنا یاروں کی جمعیت کا باعث ہے۔ تو بہتر ہے کہ چند روز وہاں ٹھہریں۔ یہ فقیر بھی عنقریب حضرت دہلی کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے۔ اکثر استخارے اور توجہات اس سفر کا باعث ہیں۔ اور یہ مقام پیر فرزند ارشد کو عنایت فرمایا ہے اور ان کی ولایت میں داخل کیا ہے۔ فقیر اس جگہ مسافروں کی طرح ان کی ولایت میں بیٹھا ہے۔ وہ یار جو طریقہ علیہ میں داخل ہوئے ہیں خاص کر میر سید مرتضیٰ و مولنا شکر اللہ اور میر سید نظام بہت بہت دعاؤں سے مخصوص ہیں۔ فرزندی خواجہ محمد صادق اور سب بھائی آپ کو اور تمام یاروں کو سلام و دُعا کہتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۲۴۵

ملا محمد صالح کی طرف بعض استفساروں کے جواب میں لکھا ہے:۔

حمد و صلوٰۃ و تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ مکتوب شریف جو قاصد کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اور بڑی خوشی کا باعث ہوا۔

آپ نے لکھا تھا کہ ذکر نفی و اثبات اکیس عدد تک پہنچایا ہے۔ لیکن ہمیشگی نہیں ہو سکتی اور غیبت بھی کبھی کبھی ظاہر ہوتی ہے۔ میرے محبت آثار، ذکر کرنے میں ظاہرا کوئی نہ کوئی شرط مفقود ہے جس کے باعث اس عدد پر کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوا۔ رو برو ان شاء اللہ دریافت کرلیں گے۔

دوسرے آپ نے اس قول کے معنے دریافت کیے تھے اور لکھا تھا کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کام کو تمام کر کے فرمایا کہ:

ذِکْرُ اللِّسَانِ لَقْلَقَۃٌ وَّذِکْرُ الْقَلْبِ زبان کا ذکر بکواس اور قلب کا ذکر وسوسہ اور روح
وَسْوَسَۃٌ وَّذِکْرُ الرُّوْحِ شِرْکٌ وَّذِکْرُ السِّرِّ کُفْرٌ کا ذکر شرک اور سر کا ذکر کفر ہے۔

کیونکہ جب ذکر، ذاکر اور مذکور کی خبر دینے والا ہے خواہ کوئی ذکر ہو۔ اور اصل مقصود مذکور میں ذکر و ذاکر کا فنا ہونا ہے اس لیے ذکر کو لقلقہ و وسوسہ و شرک و کفر فرمایا ہے

ہر چہ از دوست وا مانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
ہر چہ از راہ وا افتی چہ زشت آں حرف وچہ زیبا

جس چیز کے باعث تم دوست سے دور ہو جاؤ وہ چاہے کفر ہو چاہے ایمان یکساں ہے۔ اور جس چیز سے تم راستے سے بھٹک جاؤ اس کی اچھائی اور برائی برابر ہے۔

لیکن ذکر کے لیے ان ناموں کا عارض ہونا فنا و بقا کے حاصل ہونے سے پہلے جاننا چاہیے۔ کیونکہ بقا کے حاصل ہونے کے بعد ذاکر کا وجود اور ذکر کا ثبوت اس سے مذموم نہیں ہے۔ اگر اس میں کچھ پوشیدگی رہی ہو۔ تو حضور میں دریافت فرمائیں گے۔ کیونکہ تحریر کا حوصلہ تنگ ہے تو اس قول کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا خاص کر کلام کے تمام ہونے کے بعد اچھا نہیں ہے۔

دوسرا استفسار یہ تھا کہ آپ نے لکھا تھا کہ شیخ ابو سعید ابوالخیر نے ابو علی سینا سے مقصود پر دلیل طلب کی تھی اور اس نے جواب میں لکھا تھا کہ کفر حقیقی میں آجا اور اسلام مجازی سے نکل جا۔ اور شیخ ابو سعید نے عین القضاۃ کی طرف لکھا کہ اگر میں لاکھ برس تک عبادت کرتا تو مجھے وہ فائدہ حاصل نہ ہوتا جو مجھے ابو علی سینا کے اس کلمہ سے حاصل ہوا۔ عین القضاۃ نے لکھا کہ اگر آپ سمجھتے تو اس بے چارہ کی طرح مطعون و ملام کیوں ہوتے۔

جاننا چاہیے کہ کفر حقیقی دوئی کے بالکل دور ہو جانے اور کثرت کے کلی طور پر چھپ جانے سے مراد ہے جو کہ فنا کا مقام ہے۔ اور اس کفر حقیقی کے اوپر اسلام حقیقی کا مقام ہے جو بقا کا محل ہے کفر حقیقی کو اسلام حقیقی سے نسبت دینی سراسر نقص و عیب ہے۔ یہ ابن سینا کی کوتاہ نظری ہے کہ اس نے اسلام حقیقی کی طرف دلالت نہیں کی ہے۔ اور حقیقت میں اس کو کفر حقیقی سے بھی کچھ نصیب نہیں ہوا۔ اس نے صرف اندازے علم و تقلید کے کہدیا اور لکھ دیا ہے۔ بلکہ اس کو تو اسلام مجازی سے بھی حظ وافر حاصل نہ ہوا۔ اور فلسفی بکھیڑوں میں عمر بسر کر دی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تکفیر کرتے ہیں اور واقعی اس کے فلسفی اصول اصول اسلام کے منافی و مخالف ہیں۔ نیز شیخ ابو سعید، عین القضاۃ سے بہت مقدم ہے وہ اس کی طرف کیا لکھے اگر کچھ شبہ باقی رہا ہو تو حضور میں آکر دریافت فرمائیں گے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۴۶

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:

اس مقام کے حاصل ہونے کے بیان میں جو کمال و تکمیل کے مرتبوں میں متوقع اور جس کی انتظار رہتی ہے اور اس بے توفیقی کی وجہ کے بیان میں جو بعض اوقات طاری ہو جاتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ	اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت سید المرسلین اور ان کی آل و اصحاب پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

آپ کے مکتوب شریف یکے بعد دیگرے صادر ہوئے۔ بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ ان حدود کی طرف جانے والا کوئی نہ ملا تاکہ ہر ایک کا جواب الگ الگ لکھا جاتا۔ امید ہے کہ معذور فرمادیں گے۔ اس مکتوب کے پہنچنے کے بعد جو میر داد کے ہمراہ ارسال کیا تھا۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد دوستوں کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ یکبارگی آپ کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔ اور بقایا آثار جو نظر میں آتے تھے ان کے دور کرنے کے درپے ہوا۔ اور وہ ظلمتیں اور کدورتیں جو محسوس ہو رہی تھیں ان کے دفع کرنے میں کوشش کرنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ کے کمال کا ہلال بدر کامل بن گیا۔ اور جو کچھ ہدایت کے آفتاب میں امانت رکھا تھا سب اس بدر میں منعکس ہوا حتیٰ کہ کمال کی جانب میں کچھ متوقع اور منتظر نہ رہا:

اِلَّا اَنْ يَّتَّسِعَ الظَّرْفُ وَيَاْخُذُ بِقَدْرِ وُسْعَتِهٖ شَيْئًا فَشَيْئًا۔	سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اپنی وسعت کے موافق کچھ حاصل کرے۔

اور بہت دیر تک اس معنے کی شاید صورت نظر میں رہی۔ یہاں تک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے حاصل ہوا۔ الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذالک۔

اس دولت کا حاصل ہونا اس واقع کی تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا۔ اور اس کے حاصل ہونے کے لیے بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے کہ آپ کا قرض سب کا سب ادا ہو گیا۔ اور وعدہ پورا ہوا۔ اب امیدوار ہے کہ اس کمال کے اندازہ پر تکمیل حاصل ہو گی۔ اور اس طرف کے دشت و صحرا آپ کے وجود شریف سے منور ہوں گے۔

آپ نے اپنی بے توفیقی کی نسبت لکھا تھا۔ شاید اس کا سبب قبض کی زیادت ہے اور چونکہ

آپ کی قبض مفرط اور دیر کے بعد دُور ہونے والی ہے۔ اس کا مسبب بھی سبب کے اندازہ کے موافق طویل ہوگا۔ اس حال میں تکلف کے ساتھ آپ اعمال بجالاتے اور عبادات کرتے رہیں۔ اور تحمل اور بناوٹ کے ساتھ اس پر آمادہ رہیں۔

دوسرے یہ ہے کہ اس سال میں بہت علوم عجیبہ اور معارف ارجمند ظہور میں آئے ہیں۔ ان میں سے دو مسودہ کو اخوند مولانا محمد امین ہمراہ لائے ہیں۔ ان میں ایک مسودہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی ان بعض رباعیوں کی شرح کے حل میں ہے جو فیروز آبادی دوستوں کی قرأت کے وقت لکھا گیا ہے۔ اس رسالہ میں توحید آمیز علوم ان رباعیوں کے مناسب درج ہوئے ہیں۔ اور علما اور وحدت وجود کے قائل صوفیہ کے درمیان تطبیق دی ہے۔ اور اس طرح تحریر ہوا ہے کہ فریقین کی نزاع لفظی کی طرف راجع ہوئی ہے۔ اور دوسرا مسودہ وہ مکتوب ہے جو فرزندی ارشدی کی طرف بڑے طول و بسط کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ آپ کو مطالعہ کے وقت معلوم ہو جائے گا یہ علوم کس درجہ بلند ہیں۔ اگر کوئی امر ان سے رہ جائے تو دریافت کر لیں

مکتوب نمبر ۲۴۷

عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کے وجود پاک پر اس کا اپنا وجود پاک ہی دلیل ہے نہ کہ اس کا ماسوا۔ اور اس کے مناسب بیان میں۔

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ لَا بَلْ عَرَفْتُ فَسْخَ الْعَزَائِمِ بِرَبِّیْ۔

میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹنے سے نہیں پہچانا، بلکہ ارادوں کے ٹوٹنے کو اپنے رب کے ساتھ پہچان لیا ہے۔

کیونکہ وہ حق تعالیٰ اپنے ماسوائے پر دلیل ہے نہ کہ برعکس۔ اس لیے کہ دلیل اپنے مدلول سے اظہر ہوتی ہے۔ اور حق تعالیٰ سے بڑھ کر اور کونسی چیز اظہر ہے۔ کیونکہ تمام اشیا اسی سے ظاہر ہوئی ہیں۔ پس وہ اپنی ذات اور اپنے ماسوائے پر دلیل ہے۔ اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ:

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ وَعَرَفْتُ الْاَشْیَاءَ بِهٖ تَعَالٰی۔

میں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ ہی کے ساتھ پہچانا اور اشیا کو اس کے ساتھ پہچانا۔

پس برہان اس جگہ لمی ہے اور اکثر کے خیال میں اِنّی ہے اور تفاوت نظر کے تفاوت سے ہے۔ اور

سہ اگلے صفحہ پر۔

اختلاف بلحاظ منظر کے ہے۔ بلکہ وہاں استدلال اور برہان کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ حق سبحانہٗ کے وجود میں کوئی پوشیدگی اور اس کے ظہور میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اور وہ تمام بدیہیات سے زیادہ روشن ہے۔ اور بدیہیات سوائے اس شخص کے کہ جس کے دل میں مرض اور اس کی آنکھوں پر پردہ ہو کسی پر پوشیدہ نہیں ہے اور تمام اشیاء حواس ظاہری سے محسوس ہیں۔ اور ضروری طور پر معلوم ہے کہ ان سب کا وجود اسی ذات پاک کی طرف سے ہے جو مطلوب میں منحصر نہیں ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت پر چلے اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۴۸

عالی جناب مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو ان کے تمام کمالات سے بطریق تبعیت کچھ نہ کچھ حصہ حاصل ہے۔ اور اس بیان میں کہ کوئی ولی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس امر کی تحقیق میں کہ تجلی ذاتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص ہے کس معنی سے ہے۔ اور اسی کے مناسب بیان میں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ[1] صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَتَسْلِيْمَاتُهٗ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى اَتْبَاعِهِمْ وَاَعْوَانِهِمْ وَحَزَبَةِ اَنْصَارِهِمْ

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس طرف ہدایت کی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں اُن پر اور ان کے تابعداروں اور مددگاروں اور ان کے انصار کے گروہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام ہو۔

انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعدار کمال متابعت اور زیادہ محبت کے باعث بلکہ محض عنایت

(حاشیہ صفحہ ۵۶۶) سے برہانِ لمّی یہ ہے کہ علت سے معلول کی طرف دلیل پکڑیں اور انّی یہ ہے کہ معلول سے علت کی طرف دلیل پکڑیں۔

حاشیہ صفحہ ۵۶۷ [1] سورہ اعراف، پارہ ۸ ع ۱۳۔

بخشش سے اپنے متبوع انبیا کے تمام کمالات کو جذب کر لیتے ہیں۔ اور پورے طور پر ان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ تابعوں اور متبوعوں کے درمیان سوائے اصالت اور تبعیت اور اولیت اور آخریت کے کچھ فرق نہیں رہتا۔ باوجود اس امر کے کوئی تابعدار اگرچہ افضل الرسل کے تابعداروں سے ہو۔ کسی نبی کے مرتبہ کو اگرچہ وہ تمام انبیاء سے کم درجہ کا ہو نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں ان کا سر ہمیشہ اس پیغمبر کے نیچے رہتا ہے جو تمام پیغمبروں سے نیچے درجے کا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تمام انبیا اور ان کے ارباب کے تعینات کے مبادی مقام اصل سے ہیں۔ اور تمام اعلیٰ و اسفل استوں اور ان کے ارباب کے مبادی تعینات اس اصل کے ظلال کے مقامات سے اپنے اپنے درجہ کے موافق ہیں۔ پھر اصل و ظل کے درمیان کس طرح مساوات ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝	بے شک ہمارے مُرسل بندوں کے لیے ہمارا وعدہ ہو چکا کہ وہ فتحیاب ہیں اور ہمارا ہی لشکر غالب ہے۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ تجلی ذاتی جو تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان حضرت خاتم الرسل سے مخصوص ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کامل تابعداروں کو بھی اس تجلی سے حصہ حاصل ہے۔ وہ اس معنے کے لحاظ سے نہیں ہے کہ تجلی ذات انبیا کے نصیب نہیں ہے۔ اور تابعداری کے سبب ان کے کاملوں کو نصیب ہے۔ حاشا و کلا کہ کوئی اس سے یہ مطلب تصور کرے۔ کیونکہ اس میں اولیا کی انبیاء پر زیادت ہے بلکہ اس تجلی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مخصوص ہونا اس معنے کے اعتبار سے ہے۔ کہ دوسروں کو اس کا حاصل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی طفیل اور تبعیت سے ہے۔ یعنی انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس تجلی کا حاصل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طفیل ہے۔ اور اس اُمت کے کامل اولیا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تابعداری کے سبب سے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعمت عظمےٰ کے دستر خوان پر اس کے طفیلی اور جلیس ہیں۔ اور اولیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خادم پس خوردہ کھانے والے۔ اور جلیس طفیلی اور خادم پس خوردہ کھانے والے کے درمیان بہت فرق ہے۔ اس مقام پر قدم لغزش کھا جاتا ہے۔

اس شبہ کی تحقیق میں اس فقیر نے اپنے مکتوبات اور رسالوں میں کئی قسم کی وجہیں ذکر کی ہیں۔ اوّل

---

۱ سورۃ والصافات، پارہ ۲۳۔

حق وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مسودہ میں تحقیق کیا ہے۔

آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اگرچہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل اس تجلی سے کامل حصہ حاصل ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس ولایت خاصہ نے ان کی امتوں کے اولیاء میں اثر نہیں کیا ہے۔ اور اس تجلی سے وافر حصہ حاصل نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ جب ان کی اصلوں میں یہ دولت طفیل اور انعکاسی ہو تو فروع میں عکس العکس کے طریق پر کیا پہنچے۔ اس معنے کا مصداق کشف صریح ہے نہ استدلال عقلی۔

اور یہ جو پہلے مذکور ہوا ہے کہ کامل تابعدار کمال متابعت کے سبب اپنے متبوعوں کے کمالات جذب کر لیتے ہیں، مراد ان سے متبوعوں کے اصلیہ کمالات ہیں نہ کہ مطلقاً تاکہ تناقض پیدا نہ ہو۔ بلکہ یہ لوگ انبیاء میں سے اپنے ہر ایک نبی کی مخصوصہ ولایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور سب امتوں کے درمیان یہی امت تابعداری کے سبب اس تجلی سے مخصوص ہے۔ اور اس دولت عظمٰے سے مشرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ امت خیر الامم ہے۔ اور اس امت کے علماء بنی اسرائیل کی طرح ہیں:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے۔
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

دل نے چاہا کہ اس ولایت خاصہ کے کچھ فضائل و خصائص لکھے لیکن وقت کی تنگی نے مدد نہ کی اور کاغذ نے کوتاہی کی۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے علوم و معارف بھاری بادل کی طرح برس رہے ہیں۔ اور عجیب و غریب اسرار پر اطلاع بخش رہے ہیں۔ اس مائدہ کے محرم اپنی اپنی استعداد کے موافق میرے بزرگوار فرزند ہیں۔ اور دوسرے دوست چند روز حضور میں ہیں اور چند روز غیبت میں۔ اسی واسطے کہتے ہیں کہ ولی ہر چند ولی ہو صحابی کے درجے کو نہیں پہنچتا۔

آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق حد سے بڑھ کر ہے صحیفہ گرامی جو اس حقیر کے نامزد فرمایا تھا اس کے پہنچنے سے مشرف ہوا۔ احوال کو تاصرہ دیکھنا بڑی بھاری نعمت ہے۔ لیکن توسط احوال تمام امور میں اچھا ہے۔ افراط و تفریط کی طرح حد اعتدال سے باہر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ ۔ اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جو ہدایت پر چلے اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۴۹

میرزا داراب کی طرف صادر فرمایا:

حضرت سید المرسلین والآخرین کی متابعت کے فضائل اور اس پر مترتبہ کمالات اور اس کے ساتھ مخصوص مراتب کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو آخرت کی نجات اور ہمیشہ کی خلاصی حضرت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر وابستہ ہے۔ آپ ہی کی متابعت سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام میں پہنچتے ہیں۔ اور آپ ہی کی متابعت سے تجلی ذات سے مشرف ہوتے ہیں۔ نیز آپ ہی کی متابعت سے مرتبہ عبدیت میں جو کمال کے مراتب سے اوپر اور مقام محبوبیت کے حاصل ہونے کے بعد ہے سرفراز فرماتے ہیں۔ اور آپ کے کامل تابعداروں کو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح فرماتے ہیں۔ اور اُولوالعزم پیغمبر آپ کی متابعت کی آرزو کرتے ہیں۔ اور اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے زمانہ میں زندہ ہوتے تو آپ ہی کی تابعداری کرتے۔ اور عیسےٰ روح اللہ کے نازل ہونے اور حضرت حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرنے کا قصہ مشہور و معلوم ہے۔ آپ کی اُمت آپ کی متابعت کے سبب خیر الامم ہوئی ہے۔ اور اس میں سے اکثر اہل جنت ہیں۔ قیامت کے دن آپ کی تابعداری کی بدولت تمام اُمتوں سے پہلے آپ کے اُمتی بہشت میں جائیں گے۔ اور ناز و نعمت حاصل کریں گے۔ پس آپ کو لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ اخوانہٖ وسلم کی متابعت اور سنت کو لازم پکڑیں اور شریعت حقہ کے موافق اعمال بجا لائیں۔

دوسرے یہ کہ شیخ اسماعیل کی سفارش کرتا ہے جو معارف آگاہ حاجی عبد الحق کے دوستوں میں سے ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۵۰

بعض استفساروں کے حل میں مُلّا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں

اور آپ کی عافیت حق تعالیٰ سے مطلوب و مسئول ہے۔

آپ کا مکتوب شریف صادر ہوا۔ آپ نے لکھا تھا کہ وہ ذوق و خوشی جو اوّل حاصل تھی۔ اب اپنے آپ میں نہیں پاتا۔ اور اس بات کو اپنا تنزل جانتا ہے۔ سو میرے بھائی کو معلوم ہو کہ پہلی حالت اہل وجد و سماع کی طرح تھی۔ جس میں جسد کو کامل دخل تھا۔ اور جو حالت اب حاصل ہوئی ہے اس میں جسد کا کوئی حصہ نہیں ہے اس کا زیادہ تر تعلق قلب و روح کے ساتھ ہے۔ اس معنی کا بیان کرنا تفصیل چاہتا ہے حاصل یہ کہ دوسری حالت پہلی حالت سے کئی مرتبہ بڑھ کر ہے۔ اور ذوق کا نہ پانا اور خوشی کا دور ہونا، ذوق و خوشی کے پانے سے برتر ہے۔ کیونکہ نسبت جس قدر جہالت اور حیرت میں ترقی کرے اور جسد سے دور تر ہو۔ اسی قدر اصل اور مقصود حاصل ہونے کے نزدیک تر ہے۔ اس لیے کہ اس مقام میں عجز و جہل کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ جہل کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور عجز کا نام ادراک رکھتے ہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس نسبت کی وہ تاثیر جو پہلے تھی اب نہیں رہی۔ ہاں تاثیر جسدی نہیں رہی لیکن تاثیر روحی زیادہ تر حاصل ہو گئی ہے۔ لیکن ہر ایک شخص اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا کیا جائے آپ کی صحبت اس فقیر کے ساتھ بہت کم ہوئی ہے۔ اور علوم و معارف خاصہ بہت کم مذکور ہوئے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ دوبارہ صحبت حاصل ہو۔ اور پھر چند روز باہم اکٹھے رہیں۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ باوجود زاد و راحلہ کے اس زمانہ میں مکہ معظمہ جانا فرض ہے یا نہیں؟ میرے مخدوم! اس بارہ میں فقہ کی روایتوں میں بہت اختلاف ہے۔ اور اس مسئلہ میں مختار فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے، جو اُس نے کہا ہے کہ اگر راستہ میں امن اور عدم ہلاک کا ظن غالب ہے تو اُس کی فرضیت ثابت ہے ورنہ نہیں۔ لیکن یہ شرط وجوب ادا کی شرط ہے نہ کہ نفس وجوب کی۔ کما ہو الصحیح۔ پس اس صورت میں حج کی وصیت واجب نہیں ہوتی۔ چونکہ وقت نے موافقت نہ کی۔ اس لیے آپ کے دوسرے استفساروں کے جواب کو کسی دوسرے مکتوب پر موقوف رکھا۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۵۱

مولانا محمد اشرف کی طرف صادر فرمایا:

خلفائے راشدین کے فضائل اور حضرات شیخین کی فضیلت اور حضرت امیرؓ کے بعض خاصوں اور اصحاب کرام علیہم الرضوان کی تعظیم و توقیر اور ان کے درمیانی جھگڑوں اور لڑائیوں کو محمل صحیح پر حمل کرنے اور

اس کے متعلق بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے سعادت مند بھائی محمد اشرف کو معلوم ہو کہ بعض علوم غریبہ اور اسرار عجیبہ اور مواہب لطیفہ اور معارف شریفہ جن میں سے اکثر حضرات شیخین و ذی النورین و حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے فضائل و کمالات سے تعلق رکھتے ہیں اپنی ناقص سمجھ کے موافق لکھتا ہے گوش ہوش سے سنیں۔

حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کمالات محمدی کے حاصل ہونے اور ولایت مصطفوی علیہ وعلی آلہ الصلوٰت والسلام کے درجوں تک پہنچنے کے باوجود گزشتہ انبیا کے درمیان جانب ولایت میں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور جانب دعوت میں جو مقام نبوت کے مناسب ہے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ دونوں طرف میں حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ دونوں طرف میں حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اور چونکہ حضرت عیسےٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ اس لیے نبوت کی جانب سے ولایت کی جانب ان میں غالب ہے۔ اور حضرت امیرؓ میں بھی اس مناسبت کے باعث ولایت کی جانب غالب ہے۔ اور خلفائے اربعہ کے تعینات کے مبادی جہات کے اختلاف کے بموجب اجمالی اور تفصیلی طور پر صفت العلم ہے۔ اور وہ صفت باعتبار اجمال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب ہے۔ اور باعتبار تفصیل کے حضرت خلیل علیہ السلام کا رب اور اجمال و تفصیل کی برزخیت کے اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام کا رب ہے۔ جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب صفت الکلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رب صفت القدرت اور حضرت آدم علیہ السلام کا رب صفت التکوین ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیق رضؓ اور حضرت فاروق رضؓ مراتب کے اختلاف کے موافق نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں۔ اور حضرت امیرؓ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی مناسبت اور جانب ولایت کے غلبہ کے باعث ولایت محمدی کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں اور حضرت ذی النورین کو برزخیت کے اعتبار سے ہر دو طرف کے بوجھ اٹھانے والا فرمایا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی ان کو ذی النورین کہیں۔ اور چونکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بار نبوت کے اٹھانے والے ہیں۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ مقام دعوت جو مرتبہ نبوت سے پیدا ہوا ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد باقی تمام انبیا کے درمیان ان میں اتم و اکمل ہے اور ان کی کتاب قرآن مجید تمام نازل شدہ کتابوں سے بہتر ہے۔ اسی واسطے ان کی

امت گزشتہ امتوں کی نسبت زیادہ بہشت میں جائے گی۔ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ملت تمام شریعتوں اور ملتوں سے افضل و اکمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام پیغمبروں میں سے افضل پیغمبر کو اس کی ملت کی متابعت کا امر کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ:

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا۔[۱] — پھر ہم نے تیری طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم کی تابعداری کر کہ وہ راہ راست پر چلنے والا ہے۔

اس مضمون کی شاہد ہے اور حضرت مہدی موعود کہ اس کا رب بھی صفت العلم ہے حضرت امیرؓ کی طرح حضرت عیسیٰ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ گویا ایک قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے سر پر ہے اور دوسرا قدم حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے سر پر۔

اور جاننا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولایت، ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف واقع ہوئی ہے اور ولایت عیسوی اس ولایت کے بائیں طرف اور چونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل ہیں۔ اس لیے مشائخ و اولیاء کے اکثر سلسلے ان سے منتسب ہوئے ہیں۔ اور حضرت امیر کے کمالات حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے کمالات کی نسبت اکثر اولیائے عظام پر جو کمالات ولایت سے مخصوص ہیں۔ زیادہ تر ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے عظام کا کشف حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا حکم کر دیتا۔ کیونکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے کمالات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کے مشابہ ہیں۔ اور صاحبان ولایت کا ہاتھ ان کے کمالات کے دامن سے کوتاہ ہے۔ اور اہل کشف کا کشف ان کے کمالات کے درجوں کی بلندی کے باعث راہ میں ہیں۔ ولایت کے کمالات ان کے کمالات کے مقابلہ میں مطروح فی الطریق (راہ میں پھینکے ہوئے) کی طرح ہیں۔ کمالات ولایت کمالات نبوت پر چڑھنے کے لیے بمنزلہ زینہ کے ہیں۔ پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے۔ اور مطالب کو مبادی سے کیا شعور۔ آج یہ بات عہد نبوت کے بعد کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار اور قبول سے دور معلوم ہوتی ہے لیکن کیا کیا جائے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
ہرچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

مجھے آئینہ کے پیچھے طوطی کی طرح رکھا گیا ہے۔ جو کچھ استاد ازل نے کہا میں وہی کہتا ہوں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ اس گفتگو میں علمائے اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ

---

۱ سورۃ نحل، پارہ ۱۴۔

موافق ہوں ۔ اور ان کے اجماع سے متفق ہوں ۔ ان کے استدلالی علم کو مجھ پر کشفی اور اجمالی کو تفصیلی کیا ہے ۔

اس فقیر کو جب تک کہ مقام نبوت کے کمالات تک اپنے نبی کی متابعت میں نہ پہنچایا ۔ اور کمالات سے پورا حصہ عطا نہ فرمایا تھا ۔ تب تک شیخین کے فضائل پر کشف کے طور پر اطلاع نہ بخشی تھی ۔ اور تقلید کے سوائے کوئی راہ نہ دکھایا تھا ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے ۔ بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں ۔

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ لکھا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا نام بہشت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے دل میں گزرا کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے لیے اس مقام کی کیا خصوصیتیں ہوں گی ۔ توجہ تام کے بعد ظاہر ہوا کہ بہشت میں اس امت کا داخل ہونا ان دو بزرگواروں کی رائے اور تجویز سے ہوگا گویا حضرت صدیقؓ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں ۔ اور لوگوں کے داخل ہونے کی تجویز فرماتے ہیں ۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہیں ۔ اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے نور سے بھرا ہوا ہے ۔

اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین کے لیے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان علیحدہ شان اور الگ وجہ ہے ۔ گویا یہ دونوں کسی کے ساتھ مشارکت نہیں رکھتے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حضرت پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ گویا ہم خانہ ہیں ۔ اگر فرق ہے تو صرف علو و سفل یعنی بلندی اور پستی کا ہے ۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی حضرت صدیق رضؓ کی طفیل اس دولت سے مشرف ہیں ۔ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت کے ساتھ سرائی یا ہم شہر ہونے کی نسبت رکھتے ہیں ۔ پھر اولیائے امت کا وہاں کیا دخل ہے ۔ ع

ازیں بس کور سد زدور بانگ جرسم !

یہی کافی ہے کہ دور سے گھنٹی کی آواز سنائی دیتی رہے ۔

یہ لوگ کمالات شیخین رضی اللہ عنہ سے کیا حاصل کریں ۔ یہ دونوں بزرگوار اپنی بزرگی و کلانی کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں معدود اور ان کے فضائل کے ساتھ موصوف ہیں ۔

حضرت نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے :-

لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ ۔ اگر میرے پیچھے کوئی نبی ہوتا تو البتہ عمر ہوتا ۔

سے ماشیہ بر صفحہ آئندہ ۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی ماتم پرسی کے دنوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صحابہ کی مجلس میں کہا کہ:

مَاتَ تِسْعَةُ اَعْشَارِ الْعِلْمِ — آج نو حصے علم فوت ہو گیا۔

جب بعض میں اس معنے کے سمجھنے میں توقف دیکھا تو کہا کہ میری مراد علم سے علم باللہ ہے نہ علم حیض و نفاس۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت کیا بیان کیا جائے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔ جیسے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔ اور وہ انحطاط یعنی کمی جو حضرت فاروق رضؓ کو حضرت صدیق رضؓ سے ہے اس انحطاط و کمی سے زیادہ ہے۔ جو حضرت صدیق رضؓ کو حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔ پھر قیاس کرنا چاہیئے کہ دوسروں کا حضرت صدیق رضؓ سے انحطاط کس قدر ہوگا۔ اور حضرات شیخینؓ موت کے بعد بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جُدا نہ ہوئے اور ان کا حشر بھی یکجا ہوگا۔ جیسے کہ فرمایا ہے۔ پس ان کی فضیلت قربت کے باعث ہوگی۔

یہ قلیل البضاعت یعنی بے سروسامان ان کے کمالات کو کیا بیان کرے اور ان کے فضائل کیا ظاہر کرے ذرہ کی کیا طاقت کہ آسمان کی نسبت گفتگو کرے۔ اور قطرہ کی کیا مجال کہ بحر عمان کی بات زبان پر لائے۔

اُن اولیا نے جو دعوت خلق کی طرف راجع ہیں اور ولایت و دعوت کی دونوں طرفوں سے حصہ رکھتے ہیں۔ اور تابعین اور تبع تابعین میں سے علمائے مجتہدین نے کشف صحیح کے نور اور اخبار صادقہ اور آثار صحابہ سے شیخین رضی اللہ عنہم کے کمالات کو دریافت کیا ہے۔ اور ان کے فضائل کو پہچان کر ان کے افضل ہونے کا حکم دیا ہے۔ اور اس پر اجماع کیا ہے اور اُس کشف کو جو اس اجماع کے برخلاف ظاہر ہو، غلط خیال کرکے اُس کا کچھ اعتبار نہیں کیا ہے۔ اور کس طرح ایسے کشف کا اعتبار کیا جائے جب کہ صدر اوّل میں ان کی افضلیت صحیح ہو چکی ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے:-

قَالَ كُنَّا فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِاَبِيْ بَكْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کسی کو ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ پھر ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے۔ یعنی اُن کے درمیان ایک دوسرے کو فضیلت نہ دیتے تھے۔

(حاشیہ صفحہ ۵۴۳) ؎ ترمذی شریف، ابو یعلیٰ، طبرانی، حاکم اعلام نیم۔

اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے:

قَالَ کُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَیٌّ اَفْضَلُ اُمَّۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْدَهٗ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ۔	ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب امت میں سے افضل ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اور جنہوں نے کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے وہ ارباب سکر اور اولیائے غیر مرجوع میں سے ہیں۔ جن کو کمالاتِ نبوت سے زیادہ حصہ حاصل نہیں ہے۔ اور آپ کی نظر میں آیا ہوگا کہ فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں تحقیق کی ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اسی نبی کی ولایت ہو۔ اور یہی حق ہے اور جس نے اس کے برخلاف کہا وہ مقام نبوت کے کمالات سے جاہل ہے۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا۔

اور آپ کو معلوم ہے کہ اولیا کے تمام سلسلوں کے درمیان سلسلہ علیہ نقشبندیہ حضرت صدیقؓ کی طرف منسوب ہے۔ پس صحو کی نسبت ان میں غالب ہوگی اور ان کی دعوت اتم ہوگی۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کمالات ان پر ظاہر ہوں گے۔ ناچار ان کی نسبت تمام سلسلوں کی نسبتوں سے بڑھ کر ہوگی۔ دوسروں کو ان کے کمالات کا کیا پتہ اور ان کے معاملہ کی حقیقت کی کیا خبر۔ میں نہیں کہتا کہ تمام مشائخ نقشبندیہ اس معاملہ میں برابر ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہزاروں میں سے ایک بھی اس صفت کا مل جائے تو غنیمت ہے میرا خیال ہے کہ حضرت مہدی موعود جو ولایت کی اکملیت کے لیے مقرر ہیں ان کو یہ نسبت حاصل ہوگی۔ اور اس سلسلہ علیہ کی تتمیم و تکمیل فرمائیں گے۔ کیونکہ تمام ولایتوں کی نسبت اس نسبت علیہ سے نیچے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی سب ولایتوں کو مرتبہ نبوت کے کمالات سے بہت کم حصہ حاصل ہے۔ اور یہ ولایت حضرت صدیقؓ کی طرف منسوب ہونے کے باعث ان کمالات سے وافر حصہ رکھتی ہے۔ جیسے کہ ابھی بیان ہو چکا۔ ؎

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

دیکھو دونوں راستوں میں کس قدر فرق ہے۔

اے بھائی! چونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بوجھ اُٹھانے والے ہیں اس لیے اقطاب ابدال و اوتاد (جو اولیائے عزلت میں سے ہیں۔ اور کمالات ولایت کی جانب ان میں غالب ہے) کے مقام کی تربیت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی امدادؑ و اعانت کے سپرد ہے۔

لہ اولیاء کرام کی مدد کا انکار کرنے والے حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کے اس عقیدہ پر غور فرمائیں۔

قطب الاقطاب یعنی قطب مدار کا سر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے قدم کے نیچے ہے۔ قطب مدار انہی کی حمایت و رعایت سے اپنے ضروری امور کو سر انجام کرتا اور مداریت سے عہدہ برا ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ اور امامینؓ بھی اس مقام میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ شریک ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب بزرگ ہیں اور سب کو بزرگی سے یاد کرنا چاہیئے۔

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَنِیْ وَاخْتَارَ لِیْ أَصْحَابًا وَاخْتَارَ لِیْ مِنْهُمْ أَصْهَارًا وَأَنْصَارًا فَمَنْ حَفِظَنِیْ فِیْهِمْ حَفِظَهُ اللّٰهُ وَمَنْ آذَانِیْ فِیْهِمْ آذَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لیے اصحاب کو پسند کیا اور ان میں سے بعض کو میرے لیے رشتہ دار اور مددگار پسند کیا۔ پس جس شخص نے ان کے حق میں مجھے محفوظ رکھا اس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور جس نے ان کے حق میں مجھے ایذا دی اس کو اللہ تعالیٰ نے ایذا دی۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ:

مَنْ سَبَّ أَصْحَابِیْ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ۔

جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔

اور ابن عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ أَشْرَارَ أُمَّتِیْ أَجْرَؤُهُمْ عَلٰی أَصْحَابِیْ

میری اُمت میں سے بدترین وہ لوگ ہیں جو میرے اصحاب پر دلیر ہیں۔

اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں، نیک محمل پر محمول کرنا چاہیئے۔ اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل و اجتہاد پر مبنی تھیں، نہ ہوا و ہوس پر۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

لیکن جاننا چاہیئے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے خطا پر تھے۔ اور حق حضرت امیرؓ کی طرف تھا۔ لیکن چونکہ یہ خطا، خطائے اجتہادی کی طرح تھی۔ اس لیے ملامت سے دور ہے اور اس کے

کوئی مواخذہ نہیں ہے، جیسے کہ شارح مواقف[1]، آمدی[2] سے نقل کرتا ہے کہ جمل و صفین کے واقعات اجتہاد سے ہوئے ہیں۔

اور شیخ ابو شکور سلمی[3] نے تمہید میں تصریح کی ہے اہل سنت و جماعت اس بات پر ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ بمع ان کے تمام اصحاب کے جو ان کے ہمراہ تھے سب خطا پر تھے لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی۔

اور شیخ ابن حجر[4] نے صواعق میں کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور امیر کے درمیان جھگڑے از روئے اجتہاد کے ہوئے ہیں۔ اور اس قول کو اہل سنت کے معتقدات سے فرمایا ہے۔

اور شارح مواقف نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس بات پر ہیں کہ وہ منازعات از روئے اجتہاد کے نہیں ہوئے۔

معلوم نہیں اصحاب سے اس کی مراد کونسا گروہ ہے۔ جب کہ اہل سنت اس کے برخلاف حکم دیتے ہیں۔ جیسے کہ گزر چکا۔ اور قوم کی کتابیں خطائے اجتہادی سے بھری پڑی ہیں۔ جیسے کہ امام غزالی رح اور قاضی ابوبکر رح وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کے حق میں فسق و ضلال کا گمان جائز نہیں ہے۔

قاضی نے شفا میں بیان کیا ہے:

قَالَ مَالِكٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ شَتَمَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَمْرَو بْنِ الْعَاصِ فَإِنْ قَالَ كَانُوا عَلٰى ضَلَالٍ وَكُفْرٍ قُتِلَ وَإِنْ شَتَمَ بِغَيْرِ هٰذَا مِنْ مُشَاتَمَةِ النَّاسِ نُكِّلَ نَكَالًا شَدِيدًا فَلَا يَكُونُ مُحَارِبُوْ عَلِيٍّ كَفَرَةً كَمَا زَعَمَتِ الْغُلَاةُ مِنَ

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و عمرو بن العاصؓ کو گالی دی۔ اور کہا کہ وہ کفر اور گمراہی پر تھے یا اس کے سوا اور کوئی گالی نکالی جس طرح لوگ ایک دوسرے کو گالی نکالتے ہیں۔ تو وہ سخت عذاب کا مستحق ہوا۔ کیونکہ حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کفر پر نہ تھے۔ جیسے کہ بعض غالی

---

[1] یعنی میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ۔

[2] یعنی سیف الدین ابو الحسن علی بن ابی علی محمد بن سالم ثعلبی فقیہ اصول متوفی ۶۳۱ھ وفیات الاعیان۔

[3] محمد بن اسعید بن شعیب الحنفی۔

[4] یعنی شیخ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی نزیل مکہ معظمہ۔

الرَّافِضَةُ وَلَا فَسَقَةً كَمَا زَعَمَ الْبَعْضُ وَنَسَبَهُ شَارِحُ الْمَوَاقِفِ إِلَى كَثِيْرٍ مِّنْ أَصْحَابِهِ كَيْفَ وَقَدْ كَانَتِ الصِّدِّيْقَةُ ؓ وَطَلْحَةُ ؓ وَالزُّبَيْرُ ؓ وَكَثِيْرٌ مِّنْ أَصْحَابِ الْكِرَامِ مِنْهُمْ وَقَدْ قُتِلَ الطَّلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ فِي قِتَالِ الْجَمَلِ قَبْلَ خُرُوْجِ مُعَاوِيَةَ مَعَ ثَلٰثَةَ عَشَرَ أَلْفًا مِّنَ الْقَتْلٰى فَتَضْلِيْلُهُمْ وَتَفْسِيْقُهُمْ مِمَّا لَا يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَفِي بَاطِنِهِ خُبْثٌ

رافضیوں کا خیال ہے۔ اور نہ ہی فسق پر تھے جیسے کہ بعض نے خیال کیا ہے اور بہت سے اصحاب کی طرف ان کو منسوب کیا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ حضرت صدیقہ رضؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور بہت سے اصحاب کرام انہی میں سے تھے۔ اور طلحہؓ اور زبیرؓ جمل کی لڑائی میں معاویہؓ کے خروج سے پہلے تیرہ ہزار مقتولوں کے ساتھ قتل ہو گئے ہیں ان کو ضلالت اور فسق کی طرف منسوب کرنے پر سوائے اس شخص کے کہ جس کے دل میں مرض اور اس کے باطن میں خبث ہو، کوئی مسلمان دلیری نہیں کرتا۔

اور یہ جو بعض فقہا کی عبارتوں میں جور کا لفظ معاویہؓ رضی اللہ عنہ کے حق میں واقع ہوا ہے اور کہا ہے کہ معاویہؓ جور کرنے والا امام تھے تو اس جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں وہ خلافت کا حق دار نہ تھے۔ نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق و ضلالت ہے تاکہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو۔ اور نیز استقامت والے لوگ ایسے الفاظ بولنے سے جن سے مقصود کے برخلاف وہم پیدا ہوا پرہیز کرتے ہیں۔ اور خطا سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے۔ اور وہ کس طرح جائز ہو سکتے ہیں جبکہ صحیح و تحقیق ہو چکا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے۔ جیسے کہ صواعق میں ہے؟ اور حضرت مولانا جامی نے جو خطائے منکر کہا ہے اس نے بھی زیادتی کی ہے۔ خطا پر جو کچھ زیادہ کریں خطا ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ اگر وہ لعنت کا مستحق ہے الخ یہ بھی نامناسب کہا ہے۔ اس کی تردید کی کیا حاجت ہے۔ اور اس میں کونسا محل اشتباہ ہے۔ اگر یہ بات یزید کے حق میں کہتے تو بے شک جائز تھا لیکن حضرت معاویہؓ کے حق میں کہنا برا ہے۔ اور احادیث نبوی میں معتبر اور ثقات کی اسناد سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاویہ رضؓ کے حق میں یہ دعا کی ہے:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ۔

یا اللہ تو اس کو کتاب و حساب سکھا اور عذاب سے بچا۔

اور دوسری جگہ دعا میں فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَّمَهْدِيًّا۔ یا اللہ تو اس کو ہادی اور مہدی بنا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا مقبول ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات مولانا سے سہو و نسیان کے طور پر سرزد ہوئی ہوگی۔ اور نیز مولانا نے انہی ابیات میں نام کی تصریح ذکر کے کہا ہے کہ وہ صحابی اور ہے۔ اور یہ عبارت بھی ناخوشی سے خبر دیتی ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا یا اللہ ہم کو بھول چوک پر مواخذہ نہ کر۔

اور وہ جو بعض نے امام شعبیؒ سے معاویہؓ کی مذمت میں نقل کیا ہے۔ اور اس کی برائی کو فسق سے بڑھ کر بیان کیا ہے۔ اس نقل کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض اس بات کو صحیح بھی مان لیا جائے۔ تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جو اس کے شاگردوں میں سے ہیں، اس نقل کے زیادہ مستحق تھے۔ اور امام مالک نے جو تابعین میں سے ہیں۔ اور اس کے ہمعصر اور علمائے مدینہ میں سے زیادہ عالم ہیں۔ معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا۔ اگر وہ گالی کا مستحق ہوتا تو اس کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کیوں دیتے، تو معلوم ہوا کہ اس کو گالی نکالنا کبیرہ گناہ جان کر اس کے گالی نکالنے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔ اور نیز اس کو گالی دینا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو گالی دینے کی طرح خیال کیا ہے۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا۔ تو حضرت معاویہؓ برائی کے مستحق نہیں ہیں۔

اے بھائی! معاویہؓ تنہا اس معاملہ میں نہیں ہے۔ کم و بیش آدھے اصحاب کرام اس کے ساتھ اس معاملہ میں شریک ہیں۔ پس اگر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کافر یا فاسق ہوں تو نصف دین سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ جو ان کی تبلیغ کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ اس بات کو سوائے اس زندیق کے جس کا مقصود دین کی بربادی ہے کوئی پسند نہیں کرسکتا۔

اے برادر! اس فتنہ کے برپا ہونے کا منشا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اور اُن کے قاتلوں سے اُن کا قصاص طلب کرنا ہے۔ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جو اوّل مدینہ سے باہر نکلے تاخیر قصاص کے باعث نکلے۔ اور حضرت صدیقہؓ نے بھی اس امر میں ان کے ساتھ موافقت کی۔ اور جنگ جمل جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے۔ اور طلحہ و زبیر بھی جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں قتل ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے باعث ہوا ہے۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے آکر ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگ صفین کیا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ وہ جھگڑا امر خلافت پر نہیں ہوا۔ بلکہ قصاص کے پورا کرنے کے لیے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدا میں ہوا ہے۔ اور شیخ ابن حجرؒ نے بھی اس بات کو اہل سنت

کے معتقدات سے کہا ہے۔ اور شیخ ابو شکور سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بزرگ علماء حنفیہ میں سے ہیں کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہما کے درمیان جھگڑے خلافت کے بارہ میں جو ہوئے ہیں۔

کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ:

إِذَا مَلَكْتَ النَّاسَ فَارْفِقْ بِهِمْ — جب تو لوگوں کا مالک بنے تو ان کے ساتھ نرمی کر

شاید اس بات سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا طمع پیدا ہو گیا ہو۔ لیکن وہ اس اجتہاد میں خطا پر تھے، اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ حق پر۔ کیونکہ ان کی خلافت کا وقت حضرت امیرؓ کی خلافت کے بعد تھا۔ اور ان دونوں قولوں کے درمیان موافقت اس طرح پر ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس منازعت کا منشا قصاص کی تاخیر ہو۔ اور پھر خلافت کا طمع بھی پیدا ہو گیا ہو۔ بہر تقدیر اجتہاد اپنے محل میں واقع ہوا ہے۔ اگر خطا پر ہے تو ایک درجہ اور حق والے کے لیے دو درجے بلکہ دس درجے۔

اے برادر! اس امر میں بہتر طریق یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے لڑائی جھگڑوں سے خاموش رہیں۔ اور ان کے ذکر اذکار سے منہ موڑیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

إِيَّاكُمْ وَمَا شَجَرَ بَيْنَ أَصْحَابِي — میرے اصحاب کے درمیان جو جھگڑے ہوئے ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا۔ — یعنی جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو زبان کو روکو۔

(طبرانی)

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا۔ — یعنی میرے اصحابؓ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کو اپنے تیر کا نشانہ نہ بناؤ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اور نیز عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ:

تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ عَنْهَا أَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا أَلْسِنَتَنَا۔ — یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا تو ہم اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں

---

۱ مسلم شریف و ابن ابی شیبہ و طبرانی و امام احمد۔
۲ ابن اثیر جزری نے نہایت الغریب میں روایت کی۔
۳ مشکوٰۃ شریف بحوالہ ترمذی۔

اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کی خطا کو بھی زبان پر نہ لانا چاہیے۔ اور ان کے ذکر خیر کے سوا اور کچھ نہ بیان کرنا چاہیئے۔

یزید بدبخت فاسقوں کے زمرہ میں سے ہے۔ اس کی لعنت میں توقف اہل سنت کے مقررہ اصل کے باعث ہے۔ کیونکہ انہوں نے معین شخص کے لیے اگرچہ کافر ہو لعنت جائز نہیں کی۔ مگر جب یقیناً معلوم کریں کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسے کہ ابولہب جہنمی اور اس کی عورت نہ یہ کہ وہ لعنت کے لائق نہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط[1]	جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔

جاننا چاہیے کہ چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں نے امامت کی بحث چھیڑ رکھی ہے اور اصحاب کرام علیہم الرضوان کی خلافت کی نسبت گفتگو مدنظر کی ہوئی ہے۔ اور جاہل اہل تاریخ اور سرکش بدعتیوں کی تقلید پر اکثر اصحاب کرام کو نیکی سے یاد نہیں کرتے۔ اور کئی نامناسب امور ان کی جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس لیے جو کچھ معلوم تھا، تحریر میں لا کر دوستوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

قَالَ عَلَيْهِ وَآلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: إِذَا ظَهَرَتِ الْفِتَنُ أَوْ قَالَ الْبِدَعُ وَسُبَّتْ أَصْحَابِي فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهُ فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ عَدْلًا وَّلَا فَرْضًا۔[2]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب فتنے اور بدعتیں ظاہر ہو جائیں اور میرے اصحاب کو گالیاں دی جاویں تو عالم کو چاہیے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے۔ پس جس نے ایسا نہ کیا، اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض و نفل قبول نہ کرے گا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ سلطان وقت اپنے آپ کو حنفی مذہب قرار دیتا ہے اور اہل سنت و جماعت میں سے جانتا ہے۔ ورنہ مسلمانوں پر کام بہت تنگ ہوتا۔ اس بڑی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

پس چاہیے کہ اہل سنت و جماعت کے معتقدات پر اپنے اعتقاد کا مدار رکھیں۔ اور زید و عمر کی باتوں کو نہ سنیں جھوٹے قصوں پر کام کا مدار رکھنا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے۔ فرقہ ناجیہ کی تقلید ضروری ہے۔ تاکہ نجات کی امید پیدا ہو۔ وَدُونَهُ خَرْطُ الْقَتَادِ ورنہ بے فائدہ تکلیف ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ	اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنہوں نے ہدایت

---

[1] سورۃ احزاب، پارہ ۲۲۔
[2] صواعق محرقہ مصنفہ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ۔

الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ — اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۵۲

بعض سوالات کے جواب میں جناب شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

برادر ارجمند کا مکتوب مرغوب پہنچا۔ بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے چند استفسار درج کیے تھے۔ ان کے جواب میں آپ کو معلوم ہو کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعین کا مبدء صفت العلم ہے جیسے کہ تعین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدء یہی صفت ہے مگر فرق جہات و اعتبارات کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ اس صفت کی ایک جانب عالم کی طرف ہے۔ اور دوسری معلوم کی طرف۔ پہلی جانب وحدت کے مناسب ہے اور دوسری کثرت کے موافق۔ اور اس صفت کے لیے بھی اجمال و تفصیل ہے کہ ہر ایک اس بزرگ کے مبدء تعین کے اعتبارات ہے۔

دوسرے وہ معارف جو بار نبوت و ولایت کے برداشت کرنے سے متعلق تھے۔ وہ اس خط میں جو خواجہ محمد اشرف کی طرف لکھا تھا مفصل درج ہو چکے ہیں۔ دوبارہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ وہاں سے معلوم کر لیں۔

دوسرے یہ کہ فقیر نے چاہا کہ اس استفسار کے جواب میں کہ قطب و غوث و خلیفہ کے درمیان کیا فرق ہے کچھ لکھے۔ لیکن اذن نہ ہوا۔ اس کو دوسرے وقت پر موقوف رکھیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۵۳

مشیخت پناہ شیخ ادریس سامانی کی طرف صادر فرمایا:

چند سوالات کے جواب میں اور اس راہ کی بے نہایتی اور رمز و اجمال کے طور پر طریقت کے بعض مقامات و منازل کی تفصیل کے بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس طرف کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں۔

اور آپ کی خیر و عافیت اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسندیدہ طریقہ پر استقامت و ثابت قدمی اللہ تعالیٰ سے مطلوب و مسئول ہے۔

ان احوال و مواجید کا بیان جو مولانا عبد المومن کی زبان کے حوالہ کیا تھا۔ مولانا نے مفصل طور پر ظاہر کرکے کہا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میں زمین کی طرف نظر کرتا ہوں تو زمین کو نہیں پاتا۔ اور اگر آسمان کی طرف نظر کرتا ہوں تو اس کو بھی نہیں پاتا۔ اور جس کسی کے آگے جاتا ہوں اس کا وجود بھی نہیں پاتا، اور ایسے ہی عرش و کرسی و بہشت و دوزخ کا بھی وجود نہیں پاتا، اور اپنا وجود بھی نہیں جانتا ہوں۔ حق تعالیٰ کا وجود بے پایاں ہے اس کی نہایت کو کسی نے معلوم نہیں کیا۔ بزرگ بھی اسی جگہ تک رہ گئے ہیں اور یہاں تک اگر سیر سے عاجز ہو گئے ہیں۔ اور اس حصّے سے زیادہ کچھ اختیار نہیں کیا۔ اگر آپ بھی اس کو کمال جانتے ہیں اور اسی مقام میں ہیں تو پھر میں آپ کے پاس کس لیے آؤں اور کیوں تکلیف اٹھاؤں۔ اور آپ کو بھی تکلیف دوں۔ اور اگر اس کمال کے سوا کوئی اور امر ہو تو اطلاع بخشیں۔ تاکہ ایک اور یار کے ساتھ جو درد و طلب بہت رکھتا ہے وہاں آؤں۔ اسی تردد کے حاصل ہونے کی وجہ سے چند سال تک وہاں آنے میں توقف رہا۔

میرے مخدوم! اس قسم کے احوال قلب کے تلوینات[1] سے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے احوال والے شخص نے قلب کے مقامات سے ابھی چوتھے حصے سے زیادہ طے نہیں کیا۔ مقامات قلب سے تین حصہ اور طے کرنے چاہئیں تاکہ قلب کا معاملہ پورے طور پر طے ہو۔ اور پھر قلب کے آگے روح اور روح کے آگے سِر اور سِر کے آگے خفی اور اس کے بعد اخفیٰ ہے۔ ان باقیماندہ چاروں میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ احوال و مواجید ہیں۔ اور سب کو جدا جدا طے کرنا چاہیے۔ اور ہر ایک کمالات سے آراستہ ہونا چاہیے۔ عالم امر کے ان پنجگانہ لطائف سے گزرنے اور ان کے اصلوں کی منازل کو درجہ بدرجہ طے کرنے اور اسماء و صفات کے ظلی مدارج کو جو ان اصول کے اصول ہیں۔ درجہ بدرجہ قطع کرنے کے بعد اسماء و صفات کی تجلیات اور شیونات و اعتبارات کے ظہورات ہیں۔ اور ان تجلیات سے گزر کر آگے تجلیات ذات ہیں۔ تب نفس کے اطمینان سے معاملہ پڑتا ہے۔ اور پروردگار تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ وہ کمالات جو اس مقام میں ہیں۔ ان کے مقابلہ میں پہلے کمالات ایسے ہیں جیسے کہ دریائے محیط ناپیدا کنار کے مقابلہ میں قطرہ۔ اس مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور اسلام حقیقی سے مشرف ہوتے ہیں۔ ؎

کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ

اصل کام یہ ہے باقی سب ہیچ ہے۔

---

[1] تلوین۔ رنگ بدلنا، اہل تصوف کی اصطلاح میں مقامات فقر میں سے ایک مقام کا نام ہے۔

اسماء وصفات کی وہ تجلیات جو عالم امر کی ان پنج گانہ منزلوں کو مع ان کے اصول اور اصول کے قطع کرنے سے پہلے متوہم ہوتی ہیں۔ وہ عالم امر کے بعض خواص کے ظہورات ہیں جو بے چونی اور لامکانیت سے کچھ حصہ رکھتے ہیں نہ کہ اسماء وصفات کی تجلیات۔ ایک سالک نے اسی مقام میں کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ پس وصول کہاں ہے اور میسری کس کے لیے ہے؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ خُيُوْفٌ

سعاد تک کیسے پہنچنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب وفراز واقع ہیں۔

چونکہ آپ نے توجہ کے ساتھ اس راہ کی حقیقت کو بیان کرنا طلب فرمایا تھا۔ اس لیے مختصر طور پر اس کا کچھ بیان لکھا گیا ہے:

وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ۔ — اصل معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔
وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَدَيْكُمْ۔ — آپ پر اور آپ کے حاضرین مجلس پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر ۲۵۴

بعض سوالات کے جواب میں ملا احمد برکی کی طرف صادر ہوا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ — اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آدمی جو کچھ کرنا چاہے اپنے صاحب زمان کے حکم سے کرے تاکہ نیک نتیجہ حاصل ہو۔ اگرچہ شرعی کام ہوں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو بندہ تمام مشروعات میں فرمان کا امیدوار ہے۔

میرے مخدوم! بزرگوں کی بات صحیح ہے۔ اور آپ کو اذن حاصل کرکے ماذون کیا ہے۔ لیکن جاننا چاہیے کہ نتیجہ سے مراد معتد بہ نتیجہ ہے نہ کہ مطلق۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ ایک رسالہ میں لکھا دیکھا ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں مرتبہ عین جمع یعنی احدیت ذات تعالیٰ سے ہے۔ پس رسالہ مبدء ومعاد کی اس عبارت کے معنے کہ کیا

ربانی کی حقیقت قرآنی حقیقت سے برھ کر ہے۔ کیا ہوں گے؟

میرے مخدوم احدیت ذات سے مراد احدیت مجردہ نہیں ہے کہ جس میں کوئی صفت و شان ملحوظ نہیں ہے۔ کیوں کہ حقیقت قرآن کا منشا صفت کلام ہے جو صفات ثمانیہ میں سے ایک صفت ہے۔ اور حقیقت کعبہ کا منشا وہ مرتبہ ہے جو شیونات و صفات کی ظہورات سے برتر ہے۔ اس لیے اس کی برتری کی گنجائش ہے۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ بعض تفاسیر میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں کعبہ کو سجدہ کرتا ہوں تو کافر ہو جاتا ہے کیونکہ سجدہ کعبہ کی طرف ہے نہ کعبہ کو۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں سجدہ کے وقت لَكَ سَجَدْتُ (میں نے تیرے لیے سجدہ کیا) کہتے تھے ضمیروں کا مدلول نفس ذات ہے۔ پس رسالہ مبدء و معاد کی اس عبارت کے معنی کہ کعبے کی صورت جس طرح اشیا کی صورتوں کی مسجود ہے۔ اسی طرح حقیقت کعبہ بھی حقائق اشیا کی مسجود ہے۔ کیا ہوں گے؟

میرے مخدوم! یہ عبارتیں فروگذاشتوں سے ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ آدم مسجود ملائکہ ہے۔ حالاں کہ سجدہ خالق کے لیے ہے نہ کہ اس کی کسی مخلوق و مصنوع کے لیے۔ خواہ کوئی مخلوق ہو۔

آپ کو اور آپ کے تمام دوستوں اور یاروں اور خاص کر ملا پائندہ و شیخ حسن کو سلام ہو۔

مکتوب نمبر ۲۵۵

سنت سنیہ کے زندہ کرنے اور نامرضیہ بدعت کے دور کرنے کی ترغیب میں ملا طاہر لاہوری کی طرف لکھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔	اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو حافظ بہاؤ الدین کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا۔ بہت خوشی حاصل ہوئی۔ یہ کس قدر بھاری نعمت ہے کہ صاحب مخلص ہمہ تن حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی سنت کے زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ اور منکرہ اور نامرضیہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کے دور کرنے کے خواہاں ہوں۔ سنت و بدعت دونوں پورے طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا وجود دوسرے کے نقص و نفی کو مستلزم ہے۔ پس ایک کا زندہ کرنا دوسرے کو مارنے کا مستلزم ہے۔ یعنی سنت کا زندہ کرنا بدعت کے مارنے کا موجب ہے اور بالعکس۔

پس بدعت خواہ اس کو حسنہ کہیں یا سیئہ۔ رفع سنت کو مستلزم ہے۔ شاید حسن نسبی یعنی اضافی کا کچھ اعتبار ہوگا کیونکہ حسن مطلق وہاں گنجائش نہیں رکھتا کیونکہ تمام سنتیں حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہیں۔ اور ان کے اضداد یعنی بدعتیں شیطان کی پسندیدہ ہیں۔ آج یہ بات بدعت کے پھیل جانے کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہدایت پر ہیں یا یہ لوگ۔

منقول ہے کہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ اپنی سلطنت کے زمانہ میں جب دین کو رواج دیں گے۔ اور سنت کو زندہ فرمائیں گے۔ تو مدینہ کا عالم جس نے بدعت پر عمل کرنے کو اپنی عادت بنائی ہوگی۔ اور اس کو حسن خیال کر کے دین کے ساتھ ملایا ہوگا تعجب سے کہے گا کہ اس شخص نے ہمارے دین کو دور کر دیا ہے۔ اور ہمارے مذہب و ملت کو مار دیا اور خراب کر دیا ہے۔ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ اس عالم کے قتل کا حکم فرمائیں گے۔ اور حسنہ کو سیئہ خیال کریں گے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔	یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔	اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔
وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنْ لَّدَيْكُمْ۔	اور آپ پر اور ان سب پر جو آپ کے پاس ہیں سلام ہو۔

نسیان فقیر پر غالب ہے معلوم نہیں رہا کہ آپ کا مکتوب کس کے سپرد تھا۔ تاکہ سوالوں کے موافق جواب لکھتا معذور فرمائیں گے۔ میاں شیخ احمد فرملی، دوستوں میں سے ہے۔ چونکہ آپ کے قرب و جوار میں رہتا ہے اس لیے امید ہے کہ اس کے حق میں التفات و توجہ کو مدنظر رکھیں گے۔

مکتوب نمبر ۲۵۶

چند سوالات کے جواب میں یعنی اس سوال کے جواب میں کہ قطب، قطب الاقطاب و غوث و خلیفہ کے کیا معنی ہیں۔ اور اس سوال کے جواب میں کہ حدیث لَوْ شِئْتُ اَنْعَتُ اَبِيْ بَكْرِيْ الخ کی کیا تحقیق ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں میاں شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ	اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ
الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔	بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو ایک درویش کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا۔ بہت خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے پوچھا

تھا کہ قطب و قطب الاقطاب و غوث و خلیفہ کے کیا معنے ہیں۔ اور ہر ایک ان میں سے کس کس خدمت پر مامور ہے اور اپنی خدمت کی نسبت اطلاع رکھتے ہیں یا نہیں۔ اور قطب الاقطاب کی بشارت جو عالم غیب سے پہنچتی ہے۔ کچھ اصل رکھتی ہے۔ یا کہ وہم و خیال کا اختراع ہے؟

جاننا چاہیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعدار کامل تابعداری کے باعث جب مقام نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں۔ تو ان میں سے بعض کو منصب امامت سے سرفراز کرتے ہیں۔ اور بعض کو صرف اس کمال کے حاصل ہونے پر کفایت فرماتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اس کمال کے نفس حصول میں برابر ہیں۔ فرق صرف منصب اور عدم منصب اور ان امور میں ہے جو اس منصب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جب کامل تابعدار ولایت نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں۔ تو ان میں سے بعض کو منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو صرف ان کمالات کے حاصل ہونے پر کفایت کرتے ہیں۔ جس طرح کہ اوپر گزرا۔

یہ دونوں منصب کمالات اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کمالات ظلیہ میں منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا منصب ہے۔ اور منصب خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب گویا یہ دونوں مقام جو تحت میں ہیں۔ ان دونوں مقاموں کے جو اوپر ہیں ظل ہیں۔

اور شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غوث وہی قطب مدار ہے۔ اس کے نزدیک منصب غوثیت منصب قطبیت سے کوئی علیحدہ منصب نہیں ہے اور جو کچھ فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ غوث قطب مدار سے الگ ہے۔ بلکہ اس کے روزگار کا ممد و معاون ہے۔ قطب مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے منصب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے۔ اور قطب کو اس کے اعوان و انصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ قطب الاقطاب کے اعوان و انصار قطب حکمی ہیں۔ اسی واسطے صاحب فتوحات مکیہ لکھتا ہے کہ:

مَا مِنْ قَرْيَةٍ مُؤْمِنَةٍ كَانَتْ أَوْ كَافِرَةٍ	مومنوں یا کافروں کا کوئی ایسا گاؤں نہیں ہے
اِلَّا وَفِيْهَا قُطْبٌ۔	جس میں قطب نہ ہو۔

جاننا چاہیے کہ صاحب منصب کو البتہ اپنے منصب کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ جو اس منصب کا کمال رکھتا ہے اور منصب نہیں رکھتا اس کے لیے لازم نہیں کہ صاحب علم ہو۔ اور اپنی خدمت سے مطلع ہو۔ اور وہ بشارت جو عالم غیب سے پہنچتی ہے اس مقام کے کمالات حاصل ہونے کی بشارت ہے نہ اس مقام کے منصب کی بشارت جو علم سے وابستہ ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ اس ایمان سے جو حدیث:

لَوْ وُزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ مَعَ اِیْمَانِ [۱] — اگر ابوبکرؓ کا ایمان میری اُمت کے ایمان کے ساتھ

اُمَّتِیْ لَرَجَحَ۔ — وزن کیا جاوے تو البتہ غالب آجائے۔

میں واقع ہے کیا مراد ہے اور اس کی ترجیح کا کیا سبب ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ایمان کا رجحان مومن بہٖ کے رجحان کے باعث ہے چونکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کا متعلق تمام اُمت کے ایمان کے متعلقات سے برتر ہے۔ اس لیے راجح و غالب ہوگا۔

میرے مخدوم! عروجات میں معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ اگر ایک نقطہ زیادہ بلند جائیں۔ تو وہ کمالات جو اس ایک نقطہ کے عروجات کے باعث حاصل ہوتے ہیں۔ تمام گزشتہ کمالات سے بہت زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ نقطہ اپنے تمام ماتحتوں سے افزوں تر ہے۔ یہی حال اُس نقطہ کا ہے جو اس نقطہ کے ماتقدم کے اُوپر ہے کیونکہ نقطۂ ماتقدم بھی اپنے ماتحت کے نقطۂ فوق کے مقابلہ میں حقیر و نقیر ہے۔ تو اس قیاس پر جس کے ایمان کا متعلق کمال فوق ہو۔ وہ بے شک اپنے تمام ماتحت سے راجح و غالب ہوگا۔ اسی بنا پر سے کہتے ہیں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ ایک لحظہ میں تمام ماتقدم کمالات کو حاصل کر لیتا ہے۔ اور فقیر کی تحقیق کے اندازہ کے موافق ایک لمحہ میں تمام ماتقدم کمالات سے زیادہ تحصیل کر لیتا ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ — یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ — اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اور نیز پوچھا تھا کہ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے تابعداروں نے لکھا ہے کہ جس قدر لڑکے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے سبب قتل کیے گئے۔ ان سب مقتولوں کی استعدادیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منتقل ہوگئیں۔ اس بات کی حقیقت مفصل طور پر لکھیں۔

جاننا چاہیئے کہ یہ درست ہے کیونکہ تحقیق سے لکھا ہے کہ جس طرح ایک شخص کو جماعت کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بناتے ہیں۔ اسی طرح جماعت کو بھی ایک شخص کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بناتے ہیں۔ پیر اگرچہ مریدوں کے کمالات حاصل ہونے کا سبب ہے۔ لیکن مرید بھی پیر کے کمالات کا سبب ہیں اس مطلب کو فقیر ماکولات و مشروبات میں بھی جن کو اپنے بدن کا اجزا بناتا تھا محسوس کرتا تھا کہ جو طعام اور پینے کی چیز کھاتا پیتا تھا۔ استعداد کی جامعیت کا سبب ہوتا تھا۔ اور ایک الگ قابلیت پیدا کرتا تھا۔ اور جب کبھی ماکولات لذیذہ کے چھوڑنے کا قصد کرتا تھا۔ تو روک دیا جاتا تھا۔ اور اس جامعیت اور قابلیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے اس لذیز طعام کو چھوڑنے کی اجازت نہ ملتی تھی۔ اور بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک

[۱] امام سیوطی نے الدر المنثور اور ابن عدی نے کامل میں بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً روایت کیا۔

استعداد دوسرے میں کلّی اور جزئی طور پر انتقال کر جاتی ہے۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ ایک خالی ہے اور دوسری جمعیت سے پُر ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید کو ایک بزرگ کے پاس بھیجا تاکہ اس کے ذریعے معلوم کریں کہ آپ کس پیغمبر کے قدم کے نیچے ہیں۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ تیرا جحود کس کام ہیں ہے۔ شیخ نے اس عبارت سے سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہیں۔ اس عبارت سے یہ مطلب کس طرح سمجھ لیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جحود ، یہود کو کہتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمّت تھے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ نفحات میں لکھا ہے کہ چار آدمیوں کے سوا تمام اولیا کی ولایت مرنے کے بعد سلب ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ولایت سے مراد تصرفات اور کرامات کا ظہور ہو گا نہ کہ اصل ولایت جو قربِ الٰہی سے مراد ہے۔ اور نیز سلب سے مراد کرامات کے بکثرت ظاہر ہونے کا سلب ہو گا۔ نہ کہ اس ظہور کے اصل کا سلب۔

چونکہ یہ بات کشفی ہے اور کشف میں خطا کی بہت مجال ہے۔ معلوم نہیں کہ آپ نے کیا دیکھا اور کیا سمجھا ہے۔

آپ نے اولیا کی بعض کرامات کا ظہور طلب فرمایا تھا۔ آپ منتظر رہیں:

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۔ اللہ تعالیٰ جلدی تنگی کے بعد فراخی لائے گا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ نیشاپوری میں لکھا ہے۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنی شَانِئَكَ یا کے ساتھ ہے یا ہمزہ (ء) کے ساتھ۔ اس کی تحقیق کیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ شَانِئَكَ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اور جس نے یا سے لکھا ہے وہ غیر مشہور قرأت ہو گی۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض عورتیں مشغولی یعنی ذکر کی طلب ظاہر کرتی ہیں۔ اگر محرمات ہیں تو کوئی منع نہیں ورنہ پردہ میں بیٹھ کر طریقہ اخذ کریں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ اہلِ حدیث نے ہر مہینہ میں منحوس ایام مقرر کیے ہیں۔ اور اس بارہ میں حدیث نقل کرتے ہیں۔ فرمائیں کہ کس طرح کرنا چاہیئے۔

جاننا چاہیئے کہ فقیر کے والد قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عبداللہ و شیخ رحمت اللہ جو اکابر محدثین

سے تھے۔ اور حرمین میں شیخین کے لقب سے مشہور تھے۔ کسی تقریب پر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اس حدیث کو کرمانی شارح صحیح بخاری نے نقل کیا ہے۔ لیکن ضعیف ہے۔ صحیح حدیث اس بارہ میں اَلْاَیَّامُ اَیَّامُ اللّٰہِ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰہِ۔ (دن اللہ کے دن ہیں اور بندے بھی اللہ کے بندے ہیں) آیا ہے۔

نیز فرماتے تھے کہ دنوں کی نحوست رحمت عالمیان علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے دور ہو گئی۔ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ یعنی منحوس دن گزشتہ امتوں کی نسبت تھے۔ اور فقیر کا عمل بھی اسی پر ہے۔ اور کسی دن کو دوسرے دن پر ترجیح نہیں دیتا، جب تک کہ اس کی ترجیح شارع سے معلوم نہیں کرتا۔ جیسے کہ جمعہ اور رمضان وغیرہ۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ وہ معارف جو بار نبوت کو برداشت کرنے سے تعلق رکھتے ہیں خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں نہیں ملے۔ آپ ان کو کہاں پا سکیں کیونکہ وہ مکتوب انہی دنوں میں لکھا گیا ہے اور اس کی نقل ابھی آپ کو نہیں پہنچی۔ مکتوب بہت لمبا ہے۔ شاید ایک جزو سے زیادہ ہو گا۔ فقیر نے اس کی نقل آپ کی طرف بھیجنے کے لیے کہہ دیا ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۵۷

مجمل طور پر طریقوں کے بیان میں میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف جو شیخ احمد فرملی کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا۔ بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے وہ رسالہ جس میں طریقہ کا بیان ہے طلب فرمایا تھا۔ ابھی اس کے مسودے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر خدا نے توفیق دی تو بیاض میں لکھ کر بھیجا جائے گا۔ فی الحال مختصر طور پر چند فقرے طریقہ کے بیان میں لکھتا ہے۔ گوش ہوش سے سنیں۔

میرے سیادت پناہ! وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے اس کی سیر کی ابتدا قلب سے ہے۔ قلب سے گزر کر مراتب روح میں جو اس کے اوپر ہے سیر واقع ہوتا ہے۔ پھر روح سے گزر کر یہ معاملہ سِر کے ساتھ جو اس کے اوپر ہے پڑتا ہے۔ یہی حال خفی اور اخفیٰ میں ہے۔

ان لطائف پنجگانہ کی منزلوں کے طے کرنے اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق جدا جدا علوم و معارف کے حاصل ہونے اور ان احوال و مواجید کے ساتھ جو ان پنجگانہ میں سے ہر ایک کے ساتھ جدا جدا مخصوص

میں متحقق ہونے کے بعد ان پنجگانہ لطائف کے اصول میں جو عالم کبیر میں ہیں، سیر واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ عالم صغیر میں ہے اس کا اصل عالم کبیر میں ہے۔ عالم صغیر سے مراد انسان ہے اور عالم کبیر سے مجموعہ کائنات۔ اور پنجگانہ لطائف کے اصول میں سیر کا آغاز عرش مجید سے ہے جو انسان کے قلب کا اصل ہے۔ اور اس کے اوپر روح انسانی کا اصل ہے۔ اور اس کے اوپر سر انسانی کا اصل ہے۔ اور اصل سر کے اوپر خفی کا اصل ہے۔ اور اصل خفی کے اوپر اخفیٰ کا اصل ہے۔

جب عالم کبیر کے ان پنجگانہ مراتب کو مفصل طور پر طے کر کے اس کے اخیر نقطہ تک پہنچتے ہیں اس وقت دائرہ امکان تمام طے ہو کر فنا کی منزلوں میں سے اول منزل میں قدم رکھا جاتا ہے۔

بعد ازاں اگر ترقی واقع ہو تو اسماء و صفات واجب تعالیٰ کے ظلال میں سیر واقع ہوگا۔ اور یہ ظلال وجوب و امکان کے درمیان برزخ کی طرح ہیں۔ اور عالم کبیر کے ان پنجگانہ مراتب کے لیے اصول کی مانند ہیں۔ اور ان ظلال میں بھی اسی ترتیب سے سیر ہوگا۔ جس طرح ان کے فروع میں ذکر ہو چکا ہے۔ اگر اللہ جل شانہ کے فضل سے ان ظلال کی بہت سی منزلوں کو بھی طے کر کے ان کے اخیری نقطہ تک پہنچ جائیں۔ تو پھر اسماء و صفات واجب تعالیٰ میں سیر شروع ہوگا۔ اور اسماء و صفات کی تجلیات ظاہر ہوں گی۔ اور شیون و اعتبارات کا ظہور جلوہ فرمائے گا۔ اس وقت عالم امر کے پنجگانہ لطائف کا معاملہ سب کا سب طے ہو جائے گا۔ اور ان کا حق ادا ہو چکے گا اس کے بعد اگر خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس مقام سے بھی ترقی واقع ہو جائے تو نفس کے اطمینان سے معاملہ پڑے گا۔ اور مقام رضا جو سلوک کے مقامات میں سے نہایت کا مقام ہے حاصل ہو جائے گا۔ اس مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے، اور اسلام حقیقی سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور وہ کمالات جو اس مقام میں حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں وہ کمالات جو عالم امر سے متعلق ہیں، ایسے ہیں جیسے دریائے محیط کے مقابلہ میں قطرہ۔

یہ سب کمالات جن کا ذکر ہو چکا ہے اسم ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ کمالات جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں وہ اور ہیں۔ جو استتار اور تبطن (پوشیدگی اور باطن) کے مناسب ہیں۔ جب ان دونوں مبارک اسموں کے کمالات سب کے سب حاصل ہو جائیں تو گویا سالک کے لیے اڑنے کے دو بازو میسر ہو جاتے ہیں۔ جن کی قوت سے عالم قدس میں پرواز کرتا اور بے انداز ترقیاں حاصل کرتا ہے۔ اس معاملہ کی تفصیل بعض مسودوں میں تحریر ہو چکی ہے۔ میرے فرزند ارشد ان کے جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

دوسرے یہ عرض ہے کہ اگر ہو سکے تو ایک مرتبہ ضرور اس جگہ تشریف لائیں۔ بشرطیکہ اس مقام کو خالی نہ چھوڑیں اور اس انتظام کو درہم برہم نہ کریں۔ آپ ہی اکیلے آئیں اور یاروں میں سے جس کسی کو پیش قدم جانیں

اس جماعت کا پیشوا بنا کر ان حدود کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ واللہ اعلم دوسرے وقت تک فرصت دیں یا نہ دیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۵۸

حق تعالیٰ کی اقربیت (اقرب و قریب ہونے) کے بیان میں شریف خاں کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ — اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو ازروئے کرم ان حدود کے فقراء کے نامزد فرمایا تھا۔ اس کے پہنچنے سے بہت مسرت و خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرے مخدوم! اگرچہ حق تعالیٰ کا ہمارے ساتھ ہم سے زیادہ اقرب ہونا نص قطعی سے ثابت ہے لیکن کیا کیا جائے کہ حق تعالیٰ ہماری عقلوں اور فہموں اور ہمارے علوم و ادراکات سے وراء الورا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ ماوراء ہونا قرب میں ہے نہ جانب بُعد میں۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ ہر نزدیک سے زیادہ نزدیک ہے حتیٰ کہ اس کی ذات احدیت کو ان صفات کی نسبت جن کے آثار و افعال ہم ہیں زیادہ نزدیک پاتے ہیں۔ یہ معرفت نظر عقل سے ماوراء ہے۔ کیونکہ عقل اپنے سے زیادہ نزدیک کا تصور نہیں کر سکتی۔ ایسی مثال جو اس بحث کی تشریح و توضیح کر سکے۔ ہر چند تلاش کی گئی، پر نہ ملی۔ اس معرفت کی دلیل و سند نص قطعی اور کشف صحیح ہے۔

مشائخ طریقت نے توحید و اتحاد کی نسبت بہت گفتگو کی ہے۔ اور قرب و معیت کی نسبت کچھ نہ کچھ بیان فرمایا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی اقربیت کی نسبت خاموشی اختیار کی ہے۔ اور کوئی بیان شافی اس بارہ میں نہیں فرمایا:

عجیب معاملہ ہے کہ حق تعالیٰ کی اقربیت (زیادہ قریب ہونا) ہماری ابعدیت (زیادہ دور ہونا) کا سبب ہوئی ہے:

هٰذَا اِلٰى اَنْ يَّبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ۔ — یہی کافی ہے یہاں تک کہ کتاب اپنے مقررہ وقت کو پہنچے

فَافْهَمْ فَاِنَّ كَلَامَنَا اِشَارَاتٌ وَّبِشَارَاتٌ۔ — پس سمجھ تو کیونکہ ہمارا کلام اشارت و بشارت کے قبیل سے ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا	اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۵۹

پیغمبروں کے بھیجنے کے فائدوں اور واجب الوجود تعالیٰ کی معرفت میں عقل کے مستقل نہ ہونے اور حکم خاص کے بیان میں جو شاہ حق جیل اور پیغمبروں کے زمانۂ فترت کے مشرکوں اور والدین کے مشرکوں کے اطفال کے حق میں فرمایا ہے۔ اور گزشتہ اُمتوں میں زمین ہند میں اہل ہند سے انبیا کے مبعوث ہونے کی تحقیق اور اس کے مناسب بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف جو علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع اور نسبت علیہ کے صاحب ہیں صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔	اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر ہم کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہ کرتا۔ بے شک ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر آئے ہیں۔

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ارسال کرنے کی نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے اور کس دل سے اس نعم کا اعتقاد کیا جائے۔ اور وہ اعضا کہاں ہیں جو اعمال حسنہ کے ساتھ اس نعمت عظمیٰ کا بدلا ادا کر سکیں۔ اگر ان بزرگواروں کا وجود شریف نہ ہوتا۔ ہم بے سمجھوں کو صانع کے وجود اور اس کی وحدت کی طرف کون ہدایت کرتا۔

یونان کے قدیم فلاسفہ باوجود بڑے دانا ہونے کے صانع کے وجود کی طرف ہدایت نہ پا سکے اور کائنات کے وجود کو دھر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کیا۔ لیکن جب انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے انوار کا دور چڑھا تو متاخرین فلاسفہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے انوار کی برکت سے اپنے متقدمین کے مذہب کو رد کیا۔ اور صانع جل شانہ کے وجود کے قائل ہوئے اور حق تعالیٰ کا اثبات ثابت کیا پس ہماری عقلیں انوار نبوت کی تائید کے بغیر اس کام سے معزول ہیں اور ہمارے فہم وجود انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ کے سوا اس معاملہ سے دور ہیں پھر معلوم نہیں کہ ہمارے اصحاب ماتریدیہ نے بعض امور

مثل وجود صانع کے اثبات اور اس کی وحدت میں عقل کے استقلال سے کیا مراد لی ہے کہ انھوں نے شاہق جبل بت پرست کو ان دونوں یعنی وجود صانع کے اثبات اور اس کی وحدت کے لیے مکلّف کیا ہے۔ اگرچہ اس کو پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی ہو۔ اور ان دونوں میں نظر و غور کے ترک کرنے پر اس کے کفر اور خلود فی النار کا حکم لگایا ہے۔ لیکن ہم جلوغ مبین اور حجت بالغہ کے بغیر جو پیغمبروں کے ارسال کرنے پر وابستہ ہے۔ کفر اور خلود فی النار کا حکم دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عقل اللہ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے۔ لیکن حجیت میں ایسی حجت بالغہ نہیں ہے جس پر ایسا سخت عذاب مترتب ہو سکے۔

سوال :

اگر شاہق جبل میں رہنے والا جو بت پرست ہے دوزخ میں ہمیشہ کے لیے نہ رہے تو پھر وہ بہشت میں جائے گا۔ اور یہ بھی جائز نہیں کیونکہ جنت میں داخل ہونا مشرکوں پر حرام ہے۔ اُن کی جگہ دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسٰے علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نسبت حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے[1]:

مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ۔	جو اللہ کے ساتھ شرک کرے اس پر جنت حرام ہے اور اس کی جگہ دوزخ ہے۔

اور جنت و دوزخ کے درمیان کوئی اور واسطہ ثابت نہیں۔ اور اصحاب اعراف بھی چند روز کے بعد بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔ پس یا جنت میں داخل ہوگا یا دوزخ میں۔

یہ سوال واقعی بہت مشکل ہے۔ اس فرزند ارشد کو معلوم ہے کہ مدت تک اس فقیر پر اس سوال کا تکلف ہوتا رہا لیکن جواب شافی کچھ نہ پایا۔ اور جو کچھ فتوحات مکیہ والے نے اس سوال کے حل میں کہا ہے۔ اور قیامت کے دن ان لوگوں کی دعوت کے لیے پیغمبر کا مبعوث ہونا ثابت کیا ہے۔ اور اس دعوت کے رد و انکار کے بموجب ان کے لیے بہشت و دوزخ کا کیا حکم ہے۔ اس فقیر کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ دار آخرت دار جزا ہے نہ دار تکلیف تاکہ کسی پیغمبر کے بھیجنے کی ضرورت پڑے۔ بہت مدت کے بعد خداوند تعالیٰ کی عنایت نے رہنمائی کی اور اس معما کو حل کر دیا۔ اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے نہ دوزخ میں بلکہ آخرت کے بعث و احیا کے بعد ان کو مقام حساب میں کھڑا رکھ کر گناہوں کے اندازہ کے موافق ان کو عتاب و عذاب دیں گے۔ اور حقوق پورے کر کے غیر مکلف حیوانوں کی طرح ان کو بھی معدوم مطلق اور لاشے محض کر دیں گے۔ پس خلود کس کے لیے اور مخلد کون ہوگا اس معرفت غریبہ کو جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پیش کیا گیا۔ تو سب نے اس کی تصدیق کی اور اس کو مقبول فرمایا۔ والعلم

[1] سورۃ مائدہ، پارہ ۶-۷

عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ۔

فقیر پر یہ بات نہایت ناگوار گزرتی ہے کہ حق تعالیٰ باوجود اپنی کمال رافت و رحمت کے بغیر اس بات کے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے ابلاغ مبین فرمائے، صرف عقل کے اعتبار پر جس میں غلطی اور خطا کی بہت مجال ہے، پس اپنے بندے کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈالے اور ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کرے۔ جس طرح کہ باوجود شرک کے اس کے لیے جنت میں ہمیشہ رہنے کا حکم کرنا ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہ جنت و دوزخ کے درمیان واسطے کے قائل نہ ہونے کے باعث اشعری کے مذہب لازم آتا ہے پس حق یہی ہے جو مجھے الہام ہوا کہ قیامت کے دن محاسبہ کے بعد وہ معدوم کیا جائے گا۔ اور فقیر کے نزدیک دارحرب کے مشرکین کے اطفال کے بارہ میں بھی یہی حکم ہے کیونکہ بہشت میں داخل ہونا ایمان پر وابستہ ہے۔ خواہ ایمان اصالت کے طور پر ہو یا تبعیت کے طور پر اگرچہ تبعیت دارالسلام میں ہوتی ہے جیسے کہ اہل ذمہ کے لڑکوں کے لیے۔ لیکن ان کے حق میں ایمان مطلق طور پر مفقود ہے۔ پس بہشت میں ان کا داخل ہونا متصور نہیں ہوتا۔ اور دوزخ میں داخل ہونا، اور اس میں ہمیشہ رہنا تکلیف کے ثابت ہونے کے بعد شرک پر منحصر ہے۔ اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے۔ پس ان کا حکم حیوانوں کا سا حکم ہے کہ بعث و نشور کے بعد حساب کے لیے حاضر کریں گے اور ان سے حقوق پورا کر کے ان کو معدوم و نیست و نابود کر دیں گے۔ اور ان مشرکوں کے حق میں بھی جو پیغمبروں کی فترت کے زمانہ (دو پیغمبروں کا درمیانی زمانہ) میں ہوتے ہیں اور جن کو کسی پیغمبر کی دعوت نصیب نہیں ہوئی یہی حکم ہے۔

اے فرزند! یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو وسیع کرتا ہے، کوئی ایسی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب کی طرح سب جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا سب جگہ نور پہنچا ہے۔ حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی جن کو دیوار حائل ہے پہنچا ہوا ہے۔ اور گزشتہ امتوں میں ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو۔ حتیٰ کہ زمین ہند میں بھی جو اس معاملے سے دور دکھائی دیتی ہے، معلوم کرتا ہے کہ اہل ہند سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور صانع جل شانہٗ کی طرف دعوت فرمائی ہے۔ اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں۔ اگر ان شہروں کو معین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر ہے جس کی کسی نے تابعداری نہیں کی اور کسی نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اور کوئی ایسا پیغمبر ہے کہ صرف

ایک ہی آدمی اس پر ایمان لایا ہے اور کسی پیغمبر کے تابع صرف دو شخص ہوئے ہیں۔ اور بعض کے ساتھ تین آدمی ایمان لائے ہیں۔ تین آدمیوں میں سے زیادہ نظر نہیں آتے۔ جو ہند میں کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں تاکہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوں اور جو کچھ ہند کے رئیس کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات اور اس کے تنزیہ و تقدیس کے بارے میں لکھا ہے، سب انوار نبوت سے مقتبس ہے۔ کیونکہ گزشتہ امتوں میں سے ہر ایک کے زمانہ میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور گزرا ہے۔ جس نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کے ثبوت اور اس کے تنزیہ و تقدیس کی نسبت خبر دی ہے۔ اگر ان بزرگواروں کا وجود شریف نہ ہوتا ان بدبختوں کی ناقص اور اندھی عقل جو کفر و معاصی کے ظلمات سے آلودہ ہے، اس دولت کی طرف کس طرح ہدایت پاتی۔ ان بدبختوں کی ناقص عقلیں اپنی حد ذات میں اپنی الوہیت کا حکم دیتی ہیں۔ اور اپنے سوا کوئی اور خدا ثابت نہیں کرتیں۔ جس طرح کہ فرعون مصر نے کہا کہ:

مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ؎۱ — میں تمہارے لیے اپنے سوا کوئی خدا نہیں جانتا۔

اور یہ بھی کہا کہ:

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ؎۲ — اگر تو میرے سوا کوئی اور خدا بنائے گا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔

اور جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے آگاہ کرنے سے انہوں نے معلوم کیا کہ عالم کے لیے ایک صانع واجب الوجود ہے۔ تو ان کم بختوں میں سے بعض نے اپنے دعوے کی برائی پر اطلاع پا کر تقلید و تستر کے طور پر صانع کو ثابت کیا اور اس کو اپنے آپ میں حلول کیا ہوا اور سرایت کیا ہوا سمجھا۔ اور اس حیلہ سے لوگوں کو اپنی پرستش کی طرف بلایا:

تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ — اللہ تعالیٰ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بڑا ہے۔

اس جگہ کوئی بے وقوف یہ سوال نہ کرے کہ اگر زمین ہند میں پیغمبر مبعوث ہوتے۔ تو ان کے مبعوث ہونے کی خبر ضرور ہم تک پہنچتی بلکہ وہ خبر بکثرت دعوتوں کی جہت سے تواتر کے طور پر منقول ہوتی۔ جب ایسا نہیں ہے تو ویسا بھی نہیں ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ان مبعوث پیغمبروں کی دعوت عام نہ تھی۔ بلکہ کسی کی دعوت ایک قوم سے اور بعض کی ایک گاؤں سے یا شہر سے مخصوص تھی۔ اور ہو سکتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے کسی قوم یا گاؤں میں کسی شخص کو اس دولت سے مشرف فرمایا ہو۔ اور اس شخص نے اس قوم یا اس گاؤں کے لوگوں

؎۱ سورۂ قصص، پارہ امن خلق۔ ؎۲ سورۂ شعراء، پارہ وقال الذین۔

کو حق جل شانہٗ کی معرفت کی طرف دعوت کی ہو۔ اور حق تعالیٰ کے سوا اوروں کی عبادت سے منع کیا ہو۔ اور اس قوم یا گاؤں والوں نے اس کا انکار کیا ہو۔ اور اس کو ذلیل و جاہل سمجھا ہو۔ اور جب انکار و تکذیب حد سے بڑھ گیا ہو۔ تو حق تعالیٰ کی مدد نے آکر ان کو ہلاک کر دیا ہو۔

اسی طرح کچھ مدت کے بعد ایک اور پیغمبر کسی قوم یا گاؤں کی طرف مبعوث ہوا ہو۔ اور اس پیغمبر نے بھی ان لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا ہو جو پہلے پیغمبر نے کیا تھا۔ اور اس پیغمبر کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو ان کے پہلوں نے کیا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح ہوتا رہا ہو۔

زمین ہند میں گاؤں اور شہروں کی ہلاکت کے آثار بہت پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ ہلاک ہو گئے۔ لیکن وہ دعوت کا کلمہ ان کے ہم عصروں کے درمیان باقی رہا:

جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۔ اور اس کلمہ کو اس واسطے پیچھے باقی رکھا کہ شاید وہ رجوع کر آئیں۔

ان مبعوث پیغمبروں کی دعوت کی خبر ہم تک تب پہنچتی جب کہ بہت سے لوگ ان کے تابع ہوتے اور بڑی بھاری قوم ہم پہنچاتے۔ جب ایک آدمی آیا اور چند روز دعوت کر کے چلا گیا۔ اور کسی نے اس کو قبول نہ کیا۔ پھر دوسرا آیا اور اس نے بھی یہی کام کیا۔ اور ایک آدمی اس کے ساتھ ایمان لایا۔ اور تیسرے کے ساتھ دو یا تین آدمی ایمان لائے۔ تو پھر خبر کس طرح پھیلتی اور عام ہوتی۔ اور کفار سب کے سب انکار کے درپے تھے اور اپنے باپ دادا کے دین کے مخالفوں کو رد کرتے تھے۔ تو پھر نقل کون کرتا اور کس کی طرف نقل کرتا۔

دوسرے یہ کہ نبوت و رسالت و پیغمبر کے الفاظ ان پیغمبروں اور ہمارے پیغمبر علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے متحد ہونے کے باعث عربی اور فارسی لغت کے تھے۔ اور یہ الفاظ ہندی لغت میں نہ تھے۔ تاکہ ہند کے مبعوث انبیا کو نبی یا رسول یا پیغمبر کہتے اور ان ناموں سے ان کو یاد کرتے۔

اور نیز اس سوال کے جواب میں ہم معارضہ کے طور پر کہتے ہیں کہ اگر ہند میں انبیاء مبعوث نہ ہوئے ہوں اور ان کی زبان میں ان کو دعوت بھی نہ کی ہو تو پھر ان کا حکم بھی شاہق جبل کا حکم ہو گا کہ باوجود سرکشی اور دہریٔ الوہیت کے دوزخ میں نہ جائیں۔ اور ہمیشہ کے عذاب میں نہ رہیں۔ اس بات کو بھی نہ تو عقل سلیم پسند کرتی ہے اور نہ ہی کشف صحیح اس کی شہادت دیتا ہے کیونکہ ہم ان میں سے بعض سرکش مردودوں کو دوزخ کے وسط میں دیکھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ۔ وَالسَّلَامُ۔

مکتوب نمبر ۲۶۰

حقائق آگاہ معارف دستگاہ مظہر فیض الٰہی و منبع رحمت نامتناہی مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق سلمہ اللہ کی طرف صادر فرمایا :

اس طریق کے بیان میں جس سے آپ کی ذات کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے ۔ اور جس میں ولایت ثلاثہ یعنی ولایت صغریٰ ، جو اولیا کی ولایت ہے ۔ اور ولایت کبریٰ ، جو پیغمبروں کی ولایت ہے ۔ اور ولایت علیا کا جو ملائے اعلیٰ کی ولایت ہے بیان مندرج ہے ۔ اور جس میں ہر قسم کی ولایت پر نبوت کے افضل ہونے کا بیان ہے ۔ اور لطائف عشرہ انسانی کے بیان میں کہ ان میں سے پانچ عالم امر سے ہیں اور دوسرے پانچ عالم خلق سے جو نفس اور عناصر اربعہ ہیں ، مع اُن کمالات کے جو ان لطائف میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ اور عالم امر پر عالم خلق کے افضل ہونے کے بیان میں ۔ مع اُن کمالات کے جو عنصر خاک سے مخصوص ہیں ۔ اور ان عجیب و غریب علوم و معارف کے بیان میں جو ہر مقام کے مناسب ہیں ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّاهِرِيْنَ ۔ اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت سید المرسلین اور اُن کی آل و اصحاب پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو ۔

اے فرزند ! اللہ تجھے سعادت مند کرے ۔ جاننا چاہیے کہ عالم امر کے پنجگانہ لطائف یعنی قلب ، روح ، سر ، خفی و اخفیٰ جو انسانی عالم صغیر کے اجزا ہیں ۔ ان کے اصل عالم کبیر میں ہیں ۔ جس طرح کہ عناصر اربعہ جو انسان کے اجزا ہیں اپنی اصل عالم کبیر میں رکھتے ہیں ۔ اور ان پنجگانہ لطائف کے اصلوں کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو لامکانیت سے موصوف ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ عالم امر کو لامکانی کہتے ہیں ۔ دائرہ امکان یعنی خلق و امر اور صغیر و کبیر ان اصول کی نہایت تک تمام ہو جاتا ہے اور عدم کا وجود سے ملنا جو امکان کا منشا ہے اس مقام میں منتہی ہو جاتا ہے جب سالک رشید محمدی المشرب لطائف پنجگانہ کو ترتیب وار طے کر کے ان کے اصول میں جو عالم کبیر میں ہیں سیر فرماتا ہے اور بلند فطرتی بلکہ محض فضل ایزدی سے ان سب کو ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کر کے ان کے اخیر نقطہ تک پہنچتا ہے تو اس وقت دائرہ امکان کو سیر الی اللہ کے ساتھ تمام کر لیتا ہے ۔ اور فنا کے اسم کا اطلاق اپنے اوپر حاصل کر کے ولایت صغریٰ میں جو اولیا کی ولایت ہے ، سیر شروع کرتا ہے ۔ اور اس کے بعد اگر اسمائے وجوبی تعالیٰ و تقدست کے ظلال میں جو حقیقت میں ان پنجگانہ عالم کبیر کے اصول ہیں ۔ اور

اور جن میں علوم کی کچھ آمیزش نہیں ہے سیر واقع ہو جائے۔ اور ان سب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے، سیر فی اللہ کے طریق سے طے کر کے ان کی نہایت تک پہنچ جائے تو اسمائے وجوبی کے ظلال کا دائرہ سب کا سب تمام ہو جاتا ہے۔ اور اسماء و صفات واجبی جل شانہٗ کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ولایت صغریٰ کے عروج کی نہایت یہیں تک ہے۔ اس مقام میں حقیقت فنا کا آغاز متحقق ہوتا ہے اور ولایت کبریٰ کی ابتدا میں جو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے قدم رکھا جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ دائرہ ظل انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا تمام مخلوقات کے مبادی تعینات کو متضمن ہے۔ اور ہر ایک اسم کا ظل ہر ایک شخص کا مبدء تعین ہے۔ حتیٰ کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا جو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں میں سے اشرف ہیں مبدء تعین اسی دائرہ کے اوپر کا نقطہ ہے۔

اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ جب سالک اس اسم تک جو اس کا مبدء تعین ہے۔ پہنچ جاتا ہے تو اس وقت سیر الی اللہ کو تمام کر لیتا ہے۔ اس اسم سے مراد اسم الٰہی جل شانہٗ کا ظل اور اسم کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے نہ کہ اس اسم کا اصل۔ اور یہ دائرہ ظل حقیقت میں مرتبہ اسماء و صفات کی تفصیل ہے۔

مثلاً علم ایک حقیقی صفت ہے جس کی بہت سی جزئیات ہیں۔ اور ان جزئیات کی تفصیل اس صفت کے ظلال ہیں۔ جو اجمال کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور اس صفت کی ہر ایک جزئی انبیائے کرام و ملائکہ عظام کے سوا باقی اشخاص میں سے ہر ایک شخص کی حقیقت ہے۔ اور انبیاء و ملائکہ کے مبادی تعینات ان ظلال کے اصول یعنی ان مفصلہ جزئیات کی کلیات ہیں۔

مثلاً صفت العلم اور صفت القدرت اور صفت الارادت وغیرہ وغیرہ۔ اور بہت سے اشخاص ایک صفت میں جو مبدء تعین ہے مختلف اعتباروں کے لحاظ سے باہم شرکت رکھتے ہیں۔

مثلاً حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مبدء تعین شان العلم ہے۔ اور یہی صفت العلم ایک اعتبار سے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدء تعین ہے۔ اور نیز یہی صفت ایک اعتبار سے حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدء تعین ہے۔ اور ان اعتبارات کا تعین خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں ذکر ہو چکا ہے۔

اور یہ جو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ حقیقت محمدی تعین اول ہے جو حضرت اجمال ہے اور وحدت کے نام سے موسوم ہے۔ ان کی مراد جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوئی ہے، یہ ہے کہ اس سے ان کی مراد اسی دائرہ ظل کا مرکز ہے۔ اس دائرہ ظل کو تعین اول سمجھے ہیں اور اس کے مرکز کو اجمال جان کر اس کا نام وحدت رکھا ہے۔ اور اسی

مرکز کی تفصیل کو جو اس دائرہ کا محیط ہے واحدیت گمان کیا ہے۔ اور دائرہ ظل کے مقام فوق کو جو اسماء و صفات کا دائرہ ہے۔ ذات بیچون جو تعین سے مبرا ہے تصور کیا ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس دائرہ ظل کا مرکز دائرہ فوق کے جو اس کا اصل ہے اور اسماء و صفات اور شیون اعتبارات کے دائرہ سے موسوم ہے۔ مرکز کا ظل ہے۔ حقیقت میں حقیقت محمدی اس دائرہ اصل کا مرکز ہے جو اسماء و شیونات کا اجمال ہے۔ اور اس دائرہ میں ان اسماء و صفات کی تفصیل واحدیت کا مرتبہ ہے اور ظلال اسماء کے مرتبہ وحدت اور واحدیت کا اطلاق کرنا ظل کو اصل کے مشابہ سمجھنے پر مبنی ہے اور سیر فی اللہ کا اطلاق بھی اس مقام میں اسی قسم سے ہے۔ حالانکہ وہ سیر در حقیقت سیر الی اللہ میں داخل ہے۔ اس کے بعد اگر دائرہ اسماء و صفات میں جو اس دائرہ ظل کا اصل ہے۔ سیر فی اللہ کے طریق پر عروج واقع ہو جائے۔ تو ولایت کبریٰ کے کمالات کا آغاز شروع ہو جائے گا۔ اور یہ ولایت کبریٰ اصلی طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ان کی تابعداری کے باعث ان کے اصحاب کرام کو بھی یہ دولت حاصل ہوتی ہے۔ اس دائرہ کا نچلا نصف حصہ اسماء و صفات زائدہ کو متضمن ہے اور اوپر کا نصف حصہ شیون و اعتبارات ذاتیہ پر مشتمل ہے۔

عالم امر کے پنجگانہ لطائف و مراتب کا عروج اس دائرہ اسماء و شیونات کے نہایت تک ہے۔ اس کے بعد اگر محض فضل خداوندی جل شانہٗ سے صفات و شیونات کے مقام سے زیادہ تر واقع ہو۔ تو ان کے اصول کے دائرہ میں سیر واقع ہوگا۔ اور اس دائرہ اصول کے آگے ان اصول کے اصول کا دائرہ ہے اور اس دائرہ کے طے کرنے کے بعد دائرہ فوق کی ایک قوس ظاہر ہوگی۔ اس کو بھی قطع کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ دائرہ فوق سے ایک قوس کے سوا اور کچھ ظاہر نہ ہوا۔ اس لیے اسی قوس پر بس کی گئی۔ شاید یہاں کوئی بہتر ہوگا جس پر اطلاع نہیں بخشی اور اسماء و صفات کے یہ اصول سہ گانہ جو مذکور ہوئے جو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس میں محض اعتبار ہی اعتبار ہیں۔ جو صفات و شیونات کے مبادی ہیں۔ ان اصول سہ گانہ کے کمالات کا حاصل ہونا نفس مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کو اس مقام میں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اسی مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلام حقیقی سے مشرف ہوتا ہے۔

یہ وہی مقام ہے جہاں نفس مطمئنہ تخت صدر پر جلوس فرماتا ہے اور مقام رضا و ارتضا پر ترقی کرتا ہے ولایت کبریٰ یعنی ولایت انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا انتہائی مقام ہے۔

جب سیر یہاں تک ہو چکا تو وہم و خیال میں آیا کہ اب کام سب ختم ہو چکا۔ اتنے میں آواز آئی کہ یہ سب کچھ ابھی اسم ظاہر کی تفصیل تھی۔ اور ابھی پرواز کے لیے ایک ہی بازو میسر ہوا ہے۔ اور اسم باطن۔ جو عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کے لیے دوسرا بازو ہے۔ ابھی در پیش ہے۔ جب تو اس کو بھی مفصل طور پر

سر انجام کرے گا۔ تو پرواز کے لیے دونوں بازو تجھے حاصل ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اسم باطن کا سیر بھی سر انجام پا چکا۔ تو دونوں بازو میسر ہو گئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا	اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت
وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا	بخشی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشتا تو ہم کبھی ہدایت
اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا	نہ پاتے۔ بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر
بِالْحَقِّ۔	آئے ہیں۔

اے فرزند! اسم باطن کے سیر کی نسبت کیا لکھا جائے۔ اس سیر کا حال استتار و تبطن (در پردہ رہنے) کے مناسب ہے۔ البتہ اس قدر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسم ظاہر کا سیر صفات میں ہے۔ بغیر اس بات کے کہ ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہو۔ اور اسم باطن کا سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے لیکن ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہے۔ اور یہ اسماء قوالب کی طرح ہیں جو حضرت کے روپوش ہیں۔

مثلاً صفت علم میں ہرگز ذات ملحوظ نہیں ہے لیکن اس کے اسم علیم میں پردہ صفت کے پیچھے ذات ملحوظ ہے۔ کیونکہ علیم ایک ذات ہے۔ جس کی صفت علم ہے۔ پس علم کی سیر اسم ظاہر کی سیر ہے۔ اور علیم کی سیر اسم باطن کی سیر۔ باقی تمام صفات و اسماء کا حال اسی قیاس پر ہے۔

اسماء جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملاء اعلیٰ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ہیں۔ اور ان اسماء میں سیر کا آغاز ولایت علیا میں جو ملاء اعلیٰ کی ولایت ہے، قدم رکھنا ہے۔

اب علم و علیم اور اسم ظاہر و اسم باطن کے درمیان فرق بیان کیا جاتا ہے تاکہ تو اس فرق کو تھوڑا نہ خیال کرے اور نہ کہے کہ علم سے علیم تک تھوڑا راستہ ہے نہیں۔ بلکہ وہ فرق جو مرکز خاک اور محدب عرش کے درمیان ہے۔ اس فرق کی نسبت ایسا ہے، جیسے دریائے محیط کی نسبت قطرہ کہنے کو نزدیک ہے پر حاصل ہونے میں دور ہے۔ اور مقامات کا ذکر جو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ وہ بھی اسی قسم سے ہے۔

مثلاً کہا گیا ہے کہ پنجگانہ عالم امر کو طے کر کے ان کے اصول کا سیر کرے تاکہ دائرہ امکان تمام ہو جائے اس تھوڑی سی عبارت میں سیر الی اللہ کا پورا ذکر آچکا ہے۔ لیکن اس سیر کے حاصل ہونے میں پنجاہ ہزار سال کی راہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔

آیت کریمہ:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ	فرشتے اور روح چڑھتے ہیں اُس دن میں جس کا

[1] سورۃ معارج پارہ تبارک الذی۔

وَمِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ — اور اندازہ پچاس ہزار سال کا ہے۔

اسی مطلب کی رمز کو بیان کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ حق تعالیٰ کے جذبۂ عنایت کے آگے کچھ دور نہیں ہے کہ اس قدر مدت دراز کے کام کو ایک لحظہ میں میسر کر دے۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

کریموں کے لیے کوئی کام مشکل نہیں۔

اور اسی طرح ہے جو کہا گیا ہے کہ دائرۂ اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے۔ تمام اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کا طے کرنا کہنے میں آسان ہے۔ لیکن طے کرنے میں مشکل ہے۔ اس طے کی نسبت مشائخ نے فرمایا ہے کہ:

مَنَازِلُ الْوُصُوْلِ لَا تَنْقَطِعُ أَبَدَ الْآبِدِيْنَ — وصول کی منزلیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔

اور ان مراتب کے تمام سیر سے منع کیا ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

نہ اس کے حسن کی انتہا ہے اور نہ سعدی کے بیان کی انتہا ہے۔ مرض استسقا والا مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح بھرا ہوا باقی ہے۔

تو یہ گمان نہ کرے کہ مراتب کا منقطع نہ ہونا تجلیات ذاتیہ کے اعتبار سے کہا ہو۔ نہ کہ تجلیات صفاتیہ کے اعتبار سے۔ اور حسن سے مراد حسن ذاتی ہو نہ کہ حسن صفاتی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ تجلیات ذاتیہ شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہیں۔ اور وہ حسن ذاتی صفات جمالیہ کے روپوش کے بغیر نہیں ہے۔ کیونکہ اس مقام میں ان روپوشوں کے بغیر گفتگو کی مجال نہیں ہے:

مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ — جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہو گئی۔

اور تجلی ایک قسم کی ظلیت چاہتی ہے۔ اس لیے اس مقام میں شیون کے ملاحظہ سے چارہ نہیں۔ پس یہ منازل وصول اور مراتب جو دائرۂ اسماء و شیونات میں داخل ہیں۔ جن کا منقطع ہونا ان کے نزدیک مشکل ہے لیکن وہ امر جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ تجلیات و ظہورات کے ماوراء ہے۔ خواہ وہ تجلیات ذاتی ہوں خواہ صفاتی۔ اور حسن و جمال کے ماوراء ہے خواہ وہ حسن ذاتی ہو خواہ صفاتی۔

غرض مطالب بلند اور مقاصد ارجمند کے موتیوں کو مختصر طور پر چھوٹی چھوٹی عبارتوں کی لڑی میں پرویا!

ہے۔ اور بے نہایت دریاؤں کو چند کوزوں میں بند کر دیا ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِيْنَ پس کوتاہ ہمت نہ ہو۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسم ظاہر اور اسم باطن کے دونوں پروں کے حاصل ہونے کے بعد جب پرواز میسر ہوئی اور عروج واقع ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیات اصالت کے طور پر عنصر ناری اور عنصر ہوائی اور عنصر آبی کے نصیب ہیں۔ بلکہ ملائکہ کرام کو بھی ان عناصر سہ گانہ سے نصیب حاصل ہے۔ جیسے کہ وارد ہوا ہے کہ بعض ملائکہ آگ اور برف سے مخلوق ہیں۔ اور ان کی تسبیح:

سُبْحَانَ الَّذِيْ جَمَعَ بَيْنَ النَّارِ وَالثَّلْجِ   پاک ہے وہ ذات جس نے آگ اور برف کو جمع کیا۔

ہے۔ اس سیر کی اثنا میں حالت واقع میں ظاہر ہوا کہ میں ایک راستہ میں جا رہا ہوں اور بہت چلنے کے باعث تھک گیا ہوں۔ اور لاٹھی اور عصا کی خواہش رکھتا ہوں کہ شاید اس کی مدد سے چل سکوں، لیکن نہیں ملتی اور ہر خس و خاشاک کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ تاکہ راستہ پر چلنے کی طاقت حاصل ہو۔ کیونکہ راہ طے کرنے سے چارہ نہ تھا۔ اور جب کچھ وقت اسی طرح چلتا رہا۔ ایک شہر کی فنا (گرد نواح کا میدان) ظاہر ہوئی۔ اس فنا کی مسافت طے کرنے کے بعد اس شہر میں داخل ہوا۔ میں نے معلوم کیا کہ یہ شہر تعین اول سے مراد ہے جو تمام مراتب اسماء اور صفات و شیون و اعتبارات کا جامع ہے۔ اور نیز ان مراتب کے اصول اور ان کے اصول کے اصول کا جامع ہے۔ اور اعتبارات ذاتیہ کا منتہا ہے۔ جن کے درمیان تمیز کرنا علم حصولی کے مناسب ہے۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو علم حضوری کے مناسب ہوگا۔

اے فرزند! آنحضرت جل سلطانہ میں علم حصولی اور علم حضوری کا اطلاق مثال اور نظیر کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ وہ صفات جن کا وجود ذات تعالیٰ کے وجود پر زائد ہے ان کا علم علم حصولی کے مناسب ہے، اور اعتبارات ذاتیہ جن کا ذات تعالیٰ پر زیادہ ہونا ہرگز متصور نہیں، ان کا علم علم حضوری کے مناسب ہے۔ ورنہ وہاں تو سوائے اس تعلق کے جو علم کو اپنے معلوم سے ہے بغیر اس امر کے کہ معلوم کی نسبت کچھ اس میں حاصل ہوا، اور کچھ نہیں ہے۔ فافہم۔ اور یہ تعین اول جس سے وہ شہر جامع مراد ہے انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تمام ولایات کا جامع اور ولایت علیا کا منتہا ہے جو اصل طور پر ملائے اعلیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔
اس مقام میں ملاحظہ کیا گیا کہ آیا تعین اول حقیقت محمدی ہے یا نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حقیقت محمدی وہی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ اور اس کا تعین اول اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ اسماء وصفات و شیون و اعتبارات کی جامعیت کے اعتبار سے اس تعین اول کے ظل کا مرکز ہے۔ اور وہ سیر جو اس شہر کے اوپر واقع ہو، وہ کمالات نبوت کا شروع ہے۔ ان کمالات کا حاصل ہونا انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ کمالات مقام نبوت سے ناشی اور پیدا ہوئے ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو بھی ان کی تابعداری کے سبب

ان کمالات سے کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ اور لطائف انسانی کے درمیان عنصر خاک کو اصالت کے طور پر ان کمالات کا بہت سا حصہ حاصل ہے۔ باقی تمام اجزائے انسانی خواہ وہ عالم امر سے ہوں خواہ عالم خلق سے سب اس مقام میں اسی عنصر پاک کے تابع ہیں۔ اور اسی کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔ اور چونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہو گئے۔ کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو حاصل ہوا ہے اور کسی کو وہ میسر نہیں ہوا۔ اور دَنٰی کے بعد تَدَلّٰی کی حقیقت اسی مقام سے ظاہر ہوتی ہے اور قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کا سر اسی جگہ منکشف ہوتا ہے۔ اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی صغریٰ و کبریٰ و علیا کے کمالات سب مقام نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں۔ اور وہ کمالات ان کمالات کی حقیقت کے لیے شبح و مثال کی طرح ہیں۔ اور روشن ہوتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطہ کا طے کرنا مقام ولایت کے تمام کمالات کے طے کرنے سے زیادہ ہے۔ پھر قیاس کرنا چاہیے کہ ان سب کمالات کو تمام گزشتہ کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ دریائے محیط کو بھی قطرہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ضرور ہے لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے۔ ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ مقام نبوت کو مقام ولایت سے وہ نسبت ہے جو غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے۔

سبحان اللہ! اس پر سے جاہل کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ اور دوسرا اس معاملہ سے ناواقف ہونے کے باعث اس کی توجیہ میں کہتا ہے کہ نبی کی ولایت نبوت سے افضل ہے۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ چھوٹا منہ بڑی بات۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے سے اس سیر کو بھی انجام تک پہنچایا۔ تو مشہود ہوا کہ اگر ایک قدم اور سفر میں زیادہ کرے تو عدم محض میں جا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے آگے عدم محض کے سوا کچھ نہیں۔

اے فرزند! اس ماجرا سے تو یہ وہم نہ کرے کہ عنقا شکار ہو گیا۔ اور سیمرغ جال میں پڑ گیا ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

عنقا کسی کے شکار میں نہیں آسکتا، اپنا جال سمیٹ لے کیونکہ یہاں ہمیشہ جال کے حصہ میں ہوا ہی آتی ہے۔

کیونکہ وہ حق سبحانہ وتعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے ؎

ہنوز ایوان استغنا بلند است　　　مرا فکر رسیدن ناپسند است

ابھی استغنا اور بے پرواہی کا محل بہت بلندی پر ہے اور مجھے وہاں تک پہنچنے کی فکر نہیں۔

وہ وراثیت حجب کے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ حجب سب کے سب مرتفع ہو گئے ہیں۔ بلکہ عظمت و کبریا کے ثبوت کے اعتبار سے ہے جو ادراک کے مانع اور وجدان کے منافی ہے۔ کیونکہ وہ حق سبحانہ وجود میں اقرب ہے اور وجدان و ادراک سے ابعد ہے۔ ہاں بعض کامل مراد والوں کو انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام کی طفیل عظمت و کبریا کے ان پردوں میں جگہ دیتے ہیں:

فَعُوْمِلَ مَعَهُمْ مَا عُوْمِلَ مَعَهُمْ۔ — تو ان کے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو ہوا۔

اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئت وحدانی سے مخصوص ہے جو عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے ناشی ہوئی ہے۔ باوجود اس کے اس مقام میں بھی سب کا رئیس عنصر خاک ہے۔ اور یہ جو کہا ہے کہ:

لَيْسَ وَرَاءَهُ إِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ۔ — اس کے آگے سوائے عدم محض کے کچھ نہیں۔

وہ اس لیے کہ وجود خارجی اور وجود ظلی کے تمام ہونے کے بعد عدم کا حاصل ہونا ہے جو اس کی نقیض ہے۔ اور حق سبحانہ کی ذات اس وجود و عدم کے ماوراء ہے جس طرح عدم کو وہاں راہ نہیں۔ وجود کی بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ وہ وجود جس کی نقیض عدم ہو، اس بارگاہ جل شانہ کے لائق نہیں ہے۔ اور اگر عبارت کی تنگی کے باعث اس مرتبہ میں وجود کا اطلاق کریں، تو اس سے وہ وجود مراد ہوگا۔ جس کی نقیض بننے کی عدم کو مجال نہیں ہے۔

اور یہ جو اس فقیر نے اپنے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی حقیقت وجود محض ہے اس معاملہ کی حقیقت کو نہ پانے کے باعث لکھا ہے۔ اور وہ بعض معارف جو توحید وجودی وغیرہ میں لکھے ہیں وہ بھی اسی قسم سے ہیں۔ ان کا سر بھی یہی عدم اطلاع ہے۔ جب معاملہ کی اصل حقیقت سے فقیر کو آگاہ کیا جو کچھ ابتداء اور وسط میں لکھا اور کہا ہے اس سے نادم ہوا۔ اور استغفار کیا:

أَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوْبُ إِلَى اللهِ مِنْ جَمِيْعِ مَا كَرِهَ اللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى۔ — میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ ان تمام باتوں سے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

اس بیان سے روشن ہوا کہ کمالات نبوت مراتب صعود میں ہیں۔ اور نیز نبوت کے عروجات میں توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے۔ نہ جیسے کہ اکثر نے گمان کیا ہے کہ ولایت میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہے اور نبوت میں توجہ خلق کی طرف۔ اور ولایت مراتب عروج میں ہے اور نبوت مدارج نزول میں۔ اسی وجہ سے بعض نے وہم کیا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ ہاں نبوت و ولایت میں سے ہر ایک کے لیے عروج و ہبوط ہے۔ عروج میں دونوں کا منہ حق کی طرف ہے اور ہبوط میں دونوں کا منہ خلق کی طرف۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نبوت کے مرتبہ ہبوط میں کلی طور پر خلق کی طرف توجہ ہے۔ اور ولایت کے مرتبہ ہبوط میں کلی طور پر خلق کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا باطن رُو بحق ہے اور اس کا ظاہر رُو بخلق اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب ولایت نے عروج کے مقامات کو تمام ذکر کے نزول کیا ہے اسی واسطے فوق کی نگرانی ہر دم اس کی دامن گیر ہے۔ اور خلق کی طرف کلی طور پر اس کی توجہ کی مانع ہے۔ برخلاف صاحب نبوت کے کہ اس نے مقاماتِ عروج کو تمام کر کے ہبوط فرمایا ہے۔ اسی واسطے وہ کلی طور پر خلق کو خالق کی طرف دعوت کرنے میں متوجہ ہے۔

فَافْهَمْ فَاِنَّ هٰذِهِ الْمَعْرِفَةَ الشَّرِيْفَةَ وَاَمْثَالَهَا مِمَّا لَمْ يَتَكَلَّمْ بِهَا اَحَدٌ — یہ معرفت شریفہ اور اسی قسم کے اور معارف اس قسم کے ہیں کہ پہلے کسی نے بیان نہیں کیے۔

جاننا چاہیے کہ عنصر خاک جس طرح مراتب عروج میں سب سے بالاتر جاتا ہے۔ اسی طرح منازل ہبوط میں وہ عنصر سب سے زیادہ نیچے آ جاتا ہے۔ اور کیونکر نیچے نہ آئے جب کہ اس کا طبعی مکان سب سے نیچے ہے اور چونکہ سب سے زیادہ نیچے ہے اسی واسطے اس کے صاحب کی دعوت اتم ہے اور اس کا افادہ اکمل ہے۔

اے فرزند! جان لے کہ جب طریقۂ نقشبندیہ میں سیر کی ابتدا قلب سے ہے جو عالم امر سے ہے تو بات کی ابتدا بھی عالم امر سے کی گئی۔ برخلاف مشائخ کرام کے باقی طریقوں کے جو شروع میں تزکیۂ نفس کرتے ہیں اور قالب یعنی وجود کو پاک فرماتے ہیں۔ اور بعد از اں عالم امر میں آتے ہیں۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اس میں عروج کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان بزرگواروں کی ہدایت میں مندرج ہے۔ اور یہ طریق سب طریقوں سے اقرب ہے۔ کیونکہ ان کے اس سیر کے ضمن میں تزکیہ و تطہیر بہت اچھی طرح حاصل ہو جاتا ہے اور مسافت کوتاہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے عالم خلق کی سیر کو قصداً ضائع اور بے کار ہی نہیں جانا، بلکہ مطلب کے پانے میں مضر و مانع یقین کیا ہے۔ کیونکہ سالکانِ طریق مشکل سے مشکل ریاضتوں اور سخت سے سخت مجاہدوں اور تزکیے کے قدم کے ساتھ عالم خلق کی صورت کے جنگلوں کو قطع کر کے جب عالم امر کا سیر شروع کرتے ہیں۔ اور انجذاب قلبی اور التذاذ روحی میں پڑتے ہیں تو بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے کہ اکثر اسی انجذاب پر قناعت کرتے اور اسی التذاذ پر کفایت کرتے ہیں۔ اور اس عالم کے لامکان ہونے کا گمان دامن گیر ہو جاتا ہے۔ اور اس عالم کی بیچونی کی آمیزش ان کو بیچون حقیقی سے ہٹا رکھتی ہے۔

شاید اسی مقام پر کسی سالک نے کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ اور دوسرے نے کہا ہے کہ استوائے کا مراد عرش پر تنزیہ کا ظہور معارف نامعرفت سے ہے۔

اور بیان سابق سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ تنزیہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہے۔ ہاں تنزیہ کہا ہے اور حقیقت میں تشبیہ ہے۔ برخلاف اس طریقہ علیہ کے بزرگواروں کے کہ مقام جذبہ سے شروع کرتے ہیں۔ اور اس اتحاد کی مدد سے ترقی کرتے ہیں۔ یہ انجذاب و اتحاد ان بزرگواروں کے حق میں ایسا ہے، جیسے دوسروں کے حق میں ریاضتیں اور مجاہدے۔ پس جو کچھ دوسروں کے لیے وصول کا مانع ہے۔ وہ ان بزرگواروں کے لیے ممد و معاون ہے۔ عالم امر کی امکانیت کو عین مکانیت تصور کر کے حقیقی لامکانی کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اور اس عالم کی بے چونی کو عین چون جان کر بے چون حقیقی کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ اسی واسطے دوسروں کی طرح وجد و حال کے غرور پر مفتون نہیں ہوتے۔ اور بچوں کی طرح اس راہ کے جوز و مویز پر فریفتہ نہیں ہوتے اور ترہات صوفیہ پر خوش نہیں ہوتے۔ اور شطحیات مشائخ پر فخر نہیں کرتے اور احدیت صرف کی طرف متوجہ ہیں اور اسم و صفت سے ذات مقدس کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

جاننا چاہیے کہ یہ عروج جو پہلے ذکر ہو چکا ہے محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے جو تام الاستعداد ہے اور جو عالم امر کے جواہر خمسہ کے کمالات سے حصہ رکھتا ہے۔ خواہ عالم صغیر ہو خواہ کبیر۔ اور ایسے ہی پچھلا حصہ سے جو اسماء وجوبی کے ظلال ہیں حظ وافر رکھتا ہے اور ایسے ہی ان ظلال کے اصول سے جو اسماء و صفات کا مقام ہے۔ بہرہ ور ہوتا ہے۔

اور یہ جو کہا ہے کہ تام الاستعداد ہو۔ وہ اس لیے کہا ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر محمدی المشرب کو کمالات اخفٰی ——— سے بھی جو مراتب امر کا نہایت ہے حصہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن معاملہ اخفٰی کو انجام تک نہیں پہنچاتا۔ اور اس کے اخیری نقطہ تک منتہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی ابتدا یا وسط میں رہ جاتا ہے اور جب اخفٰی میں کوتاہی کرے تو اس کے اندازہ کے موافق اس کے اصول میں بھی کوتاہی کرے گا اور کام کو انجام تک نہ پہنچائے گا۔ عالم امر کے باقی چارگانہ مراتب میں بھی یہی نسبت ہے کہ ہر مرتبہ کی استعداد کا کامل ہونا اس کے اخیری نقطہ تک پہنچنے سے وابستہ ہے۔ ابتدا اور وسط نقص کی خبر دیتا ہے اگرچہ نہایت سے بال کے برابر کم ہو۔

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست
درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است

دوست کی جدائی اگر تھوڑی بھی ہو تو تھوڑی نہیں۔ آنکھوں کے اندر آدھا بال پڑ جائے تو وہ بھی بہت ہے

اور یہ کوتاہی اصول اور اصول اصول میں سرایت کر جائے گی۔ اور مطلب تک پہنچنے سے روک دے گی اور یہ جو کہا ہے کہ یہ بیان محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے کہا ہے کہ محمدی المشرب کے سوا کسی

ایک کا کمال درجات ولایت میں سے اوّل درجہ تک ہی محدود ہوتا ہے۔ اور درجہ اوّل سے مراد مرتبہ قلب ہے۔ اور دوسرے کا کمال درجات ولایت میں سے دوسرے درجہ یعنی مقام روح تک محدود ہوتا ہے۔ اور تیسرے شخص کے کمال کا عروج تیسرے درجے تک ہوتا ہے۔ جو مقام سر ہے۔ اور چوتھے شخص کے کمال کا عروج چوتھے درجے تک ہوتا ہے جو مقام خفی ہے۔ درجہ اوّل کی مناسبت صفات افعال کی تجلی کے ساتھ ہے۔ اور درجہ دوم کی مناسبت صفات ثبوتیہ ذاتیہ کی تجلی سے۔ اور درجہ سوم کی مناسبت شیون و اعتبارات ذاتیہ کے ساتھ۔ اور درجہ چہارم کو صفات سلبیہ کے ساتھ جو تقدیس و تنزیہ کا مقام ہے، مناسبت ہے۔ اور درجات ولایت میں سے ہر ایک درجہ انبیائے اولوالعزم میں سے ایک نبی کے قدم کے نیچے ہے۔

ولایت کا درجہ اوّل حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہے اس کا رب صفت التکوین ہے جو افعال کے صادر ہونے کا منشا ہے۔ اور درجہ دوم حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ اور حضرت نوح علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس مقام میں شراکت رکھتے ہیں۔ ان کا رب صفت العلم ہے جو صفات ذاتیہ میں سے اجمع ہے اور درجہ سوم حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا رب مقام شیونات سے شان الکلام ہے۔ اور درجہ چہارم حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا رب صفات سلبیہ سے ہے جو مقام تقدیس و تنزیہ ہے نہ ثبوتیہ سے۔ اور اکثر ملائکہ کرام اس مقام میں حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شراکت رکھتے ہیں۔ اور ان کو اس مقام میں شان عظیم حاصل ہے۔ اور درجہ پنجم خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا رب رب الارباب ہے جو صفات و شیونات و تقدیسات و تنزیہات کا جامع اور ان کمالات کے دائرہ کا مرکز ہے اور مرتبہ شیونات و صفات میں اس رب جامع کی تعبیر شان العلم کے ساتھ مناسب ہے۔ کیونکہ یہ شان عظیم الشان تمام کمالات کا جامع ہے۔ اسی مناسبت کے سبب سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہوئی۔ اور ان کا قبلہ ان کا قبلہ بنا علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

جاننا چاہیے کہ اقدام ولایت کا ایک دوسرے سے افضل ہونا درجوں کے مقدم و مؤخر ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے۔ تاکہ صاحب اخفیٰ دوسروں سے افضل ہو۔ بلکہ اصل سے قریب و بعید ہونے اور درجات ظلال کی منزلوں کو زیادہ اور کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ صاحب قلب اصل سے قریب ہونے کے اعتبار سے صاحب اخفیٰ سے جس کو یہ قرب حاصل نہیں۔ افضل ہو اور کیونکر نہ ہو جب کہ

نبی کی وہ ولایت جو ولایت کے درجہ اوّل میں ہے۔ اس ولی کی ولایت سے قطعی طور پر افضل ہے جو آخری درجہ میں ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ لطائف کا مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ سلوک کرنا یعنی قلب سے روح اور روح سے سر اور سر سے خفی اور خفی سے اخفیٰ تک پہنچنا ہی محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے جو ترتیب وار ان پنجگانہ عالم امر کو تمام کرکے جو ترتیب ان کے اصول میں سیر کرتا ہے۔ بعد ازاں اصول اصول میں اسی ترتیب کو مدِ نظر رکھ کر کام کو سرانجام کرتا ہے۔ اور معیت کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے یہ راستہ اس مذکورہ بالا ترتیب سے وصول کے لیے شاہراہ اور صراط مستقیم ہے۔ برخلاف دوسری ولایتوں کے کہ ان میں گویا ہر درجہ سے نقب کھود کر مطلوب تک لے گئے ہیں۔ یعنی مقام قلب سے نقب کھود کر صفات افعال تک جو اس کی اصل کا اصل ہے لے گئے ہیں۔ اور اسی طرح مقام روح سے نقب کھود کر صفات ذاتیہ تک لے گئے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور شک نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے افعال و صفات اس کی ذات سے منفک نہیں ہیں۔ اگر انفکاک ہے تو ظلال میں ہے۔ پس اس مقام میں افعال و صفات کے واصلوں کو بھی ذات بیچون تعالیٰ و تقدس کی تجلیات سے حصہ حاصل ہوگا۔ جس طرح کہ صاحب اخفیٰ کو اس کام کے تمام کرنے کے بعد یہ دولت میسر ہوگی۔ اگرچہ علو و سفل یعنی بلندی و پستی کے اعتبار سے تفاوت باقی رہے گا۔ اور صاحب قلب صاحب اخفیٰ کے ساتھ برابری نہ کر سکے گا۔ لیکن اس جگہ تو یہ غلطی نہ کرے کہ یہ تفاوت اولیا کے درمیان متصور ہے۔ کیونکہ مرتبہ کمال تک دونوں کے پہنچنے کے بعد ولایت قلب مثلاً، ولایت اخفیٰ والے سے کم درجے کا ہے۔ لیکن اولیا اور انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت یہ تفاوت مفقود ہے۔ کیونکہ نبی کی ولایت جو مقام قلب سے ناشی ہے۔ ولی کی ولایت سے جو مقام اخفیٰ سے ناشی ہوئی ہے افضل ہے۔ اگرچہ اس ولی نے اخفیٰ کے کمالات کو انجام تک پہنچایا ہو۔ اور اس صاحب ولایت کا سر اس ولایت کے نبی کے زیر قدم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۔	بے شک ہمارے مرسل بندوں کے لیے ہمارا وعدہ ہو چکا کہ یہی فتح مند ہیں۔ اور یہی ہمارا لشکر غالب ہے۔

ہاں یہ تفاوت انبیا کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ متصور ہے۔ اور بلندی والا پستی والے سے افضل ہے۔ لیکن یہ تفاوت انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بھی عالم امر کے دائرہ کمالات کے اخیر

ـہ سورۃ الصافات، پارہ ۲۳۔

تنگ ہے۔ بعد ازاں یہ تفاضل اس بلندی و پستی پر منحصر نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقام میں اس پستی والا اس بلندی والے سے افضل ہو۔ جیسے کہ ہم نے اس مقام میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان اس تفاوت کو مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس مقام میں جسیم اور شانِ عظیم کے ساتھ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو یہ جسامت اور شان حاصل نہیں ہے۔

لیکن ہم نے معلوم کیا ہے کہ اس مقام میں یہ تفاوت اس بلندی و پستی کے سوا ایک اور امر کے سبب سے ہے۔ جس کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اچھی توفیق اور کمال منت اور کرم کے ساتھ اس کے بعد مفصل طور پر اچھی طرح بیان کریں گے۔

اسی طرح یہ تفاوت حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام اور حضرت خاتم الرُّسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا باقی تمام پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے درمیان ان کے کمالات میں جو کعبہ ربانی کی حقیقت کے ساتھ جو تمام حقائق بشریت اور ملکیت سے برتر ہے۔ تعلق رکھتے ہیں، مشاہدہ کیا کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس جگہ وہ شانِ عظیم اور مرتبہ بلند حاصل ہے جو کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔

اس مقام عجیب میں جو عظمت و کبریا کے پردوں کے ظہور کا مقام ہے اس مقام کے مرکز یعنی مقام اجمال کے کمالات حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہیں۔ اور باقی سب مفصل طور پر حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مسلم ہیں۔ اور باقی جس قدر انبیا اور کامل اولیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں، سب اس جگہ ان کے طفیلی ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس اجمال کی تفصیل طلب فرمائی ہے چنانچہ اپنے مسئول صلوات و برکات کو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی صلوات و برکات کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ لیکن اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ہزار سال کے بعد وہ تفصیل آپ کو بھی میسر ہو گئی۔ اور آپ کا سوال قبول ہوا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى جَمِيْعِ نِعَمَآئِهٖ۔ اس پر اور تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

اس مقام عالی کے کمالات تمام ولایتوں کے کمالات اور نبوت و رسالت کے کمالات سے برتر ہیں۔ اور کیونکر برتر نہ ہوں جب کہ یہی حقیقت انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مسجود الیہ ہے اور اس فقیر نے رسالہ مبدء و معاد میں جو یہ لکھا ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقت کعبہ کے مقام تک جو اس سے برتر ہے پہنچ کر متحد ہو جاتی ہے۔ اور حقیقت محمدی اس جگہ حقیقت احمدی نام پاتی ہے کعبہ کی وہ حقیقت اس حقیقت کے ظلال میں سے ایک ظل ہے کہ یہ فقیر اس حقیقت کے عدم ظہور

کے وقت ان سب کو حقیقت سمجھتا تھا۔ اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں کہ اصل کے ظاہر نہ ہونے کے وقت ظل کو اصل سمجھتا ہے اور اسی کا نام حقیقت رکھتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ ایک مقام چند مرتبہ ظاہر ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام کے ظہورات اس مقام کے ظلال کے اعتبار سے ہیں۔ اصل میں اس مقام کی حقیقت وہی ہے جو مرتبہ اخیر میں ظاہر ہوئی ہے۔

اگر کہیں کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ مرتبہ اس کے ظہورات کا اخیری مرتبہ ہے تاکہ اس کو حقیقت سمجھا جائے تو میں کہتا ہوں کہ ظہورات سابق کی ظلیت کا علم حاصل ہونا۔ اس ظہور کی آخریت پر شاہد عدل ہے۔ کیونکہ یہ علم ظہورات سابقہ کے وقت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ ہر ظہور کو حقیقت جانتا ہے۔ اور کسی کو ظلال خیال نہیں کرتا اگرچہ نہیں جانتا کہ ان حقائق کا اختلاف کہاں سے پیدا ہوا ہے۔ فافہم

اے فرزند! معارف سابقہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ کمالات جو عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کمالات کے لیے جو عالم خلق کے متعلق ہیں مقدمات اور زینوں کی طرح ہیں۔ پہلے کمالات ظلیت سے خالی نہیں ہیں اور مقامات ولایت سے مخصوص ہیں۔ اور دوسرے کمالات نے ظلیت کی آمیزش سے جو اس نشأ دنیویہ کے ظہورات کے مناسب ہے خالی ہو کر مقامات نبوت سے کامل حصہ حاصل کیا ہے۔ پس طریقت و حقیقت جو ولایت سے وابستہ ہیں۔ دونوں شریعت کے لیے جو مقام نبوت سے ناشی ہے، بمنزلہ خادموں کے ہیں۔ اور نبوت کے عروج کے لیے ولایت بمنزلہ زینہ کے ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ سیر جو بزرگان نقشبندیہ قدس سرہم نے اختیار کی ہے اور اس کو عالم امر سے شروع کیا ہے۔ نہایت ہی بہتر اور مناسب ہے کیونکہ ادنیٰ سے (جو عالم امر ہے) اعلیٰ کی طرف (جو عالم خلق ہے) ترقی کرنی چاہیے۔ نہ کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف۔ لیکن کیا کیا جائے یہ معاملہ پرسش کھلا دیتا ہے۔ نے صورت پر نظر ڈال کر عالم خلق کو پست دیکھا ہے۔ اور پستی سے شروع کرکے بلندی صوری کی طرف ترقی کی ہے اور یہ نہیں سمجھے کہ اصل معاملہ دگرگوں ہے اور پستی حقیقت میں بلندی ہے اور بلندی پستی ہے۔ ہاں نقطہ آخر جو عالم خلق ہے نقطۂ اول سے کہ اصل الاصل ہے نزدیک ہوا ہوا ہے۔ یہ قرب کسی اور نقطہ کو میسر نہیں ہوا۔ ع

کہ مستحق کرامت گنہگارانند

گنہگار مستحق کرامت ہیں۔

یہ دید چراغ نبوت سے مقتبس ہے۔ اور ارباب ولایت کو اس معرفت سے بہت کم حصہ حاصل ہوتا ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے عالم امر سے سیر شروع کیا ہے۔ اور حقیقت سے شریعت کی طرف آئے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان کامل اولیاء کے لیے جن کا سیر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سیر کے موافق ہوا ہے۔ ابتدا میں شریعت کی صورت ہے اور وسط میں طریقت و حقیقت جو ولایت سے تعلق رکھتی ہیں اور عالم امر کے مناسب ہیں۔ اور آخر میں شریعت کی حقیقت ہے۔ جو نبوت کا ثمرہ ہے۔

پس ثابت ہوا کہ طریقت و حقیقت کا حاصل ہونا شریعت کی حقیقت حاصل ہونے کے لیے مقدمہ ہے۔ پس اولیائے کامل کی ہدایت اور انبیائے مرسل کی ہدایت حقیقت ہے اور دونوں کی نہایت شریعت تو جس نے یہ کہا کہ اولیاء کی ہدایت انبیاء کی نہایت ہے اور اولیاء کی ہدایت اور انبیاء کی نہایت سے شریعت مراد رکھی ہے۔ اس کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ چونکہ وہ بیچارا اصل حقیقت سے واقفیت نہ رکھتا تھا۔ اس لیے اس طرح کا سطحی کلام کہہ دیا۔ ان معارف کو اگرچہ کسی نے نہیں کہا بلکہ اکثر نے ان کے برخلاف کہا ہے۔ اور ادراک سے بعید معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن وہ منصف جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بزرگی کی طرف نظر کرے اور شریعت کی عظمت اس پر غالب ہو۔ اُمید ہے کہ ان اسرار غامضہ کو قبول کرے گا۔ اور اس قبول کو اپنے ایمان کی زیادت کا وسیلہ بنائے گا۔

اے فرزند! معلوم رہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر رکھا ہے:

بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ۔[1]   اسلام کی بنا پانچ ہیں۔

اور چونکہ قلب کو عالم خلق سے زیادہ مناسبت تھی۔ اس لیے اس کی تصدیق کی بھی دعوت فرمائی اور قلب کے ماسوا کی نسبت کچھ نہ فرمایا۔ بلکہ اس کو مطروح فی الطریق (راستہ کے گرے پڑے) کی طرح سمجھا اور اس کو بے طلب جانا۔ ہاں بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کے رنج اور دیدار کی دولت اور حرمان کی بدبختی سب عالم خلق سے وابستہ ہیں۔ عالم امر کے ساتھ ان کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ دوسرے وہ عمل جو فرض و واجب و سنت ہیں۔ ان کا بجا لانا قالب سے تعلق رکھتا ہے جو عالم خلق سے ہے۔ اور اعمال نافلہ عالم امر کا نصیب ہیں۔ پس وہ قرب جو ان اعمال کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے اعمال کے اندازہ کے موافق ہوگا۔ پس ناچار وہ قرب جو فرائض کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے عالم خلق کا نصیب ہے۔ اور وہ قرب جو ادائے نوافل کا ثمرہ ہے عالم امر کے نصیب ہے۔ اور شک نہیں کہ نفل فرض کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں۔ کاش کہ ان کے درمیان قطرہ اور دریائے محیط کی ہی نسبت ہوتی۔ بلکہ نفل کی سنت کے مقابلہ میں یہی نسبت ہے۔ اگرچہ سنت و فرض کے درمیان بھی قطرہ اور دریا کی نسبت ہے۔ پس دونوں قربوں کے درمیان تفاوت اس سے قیاس کرنا چاہیے اور عالم خلق کی زیادت عالم امر پر اس تفاوت سے سمجھ لینی چاہیے۔ اکثر لوگ چونکہ اس معنی سے بے نصیب ہیں۔

---

[1] بخاری و مسلم بروایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔

فرائض کو خراب کر کے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔

صوفیہ خام ذکر و فکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجالانے میں سستی کرتے ہیں۔ اور چلّے اور ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے۔ ہاں آداب شرعیہ کو مدنظر رکھ کر ذکر و فکر میں مشغول ہونا بہت ہی بہتر اور ضروری ہے۔

اور علمائے بے سر انجام بھی نوافل کی ترویج میں سعی کرتے ہیں اور فرائض کو خراب و ابتر کرتے ہیں مثلاً نماز عاشورا کو جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحت تک نہیں پہنچی، جماعت اور جمعیت تمام سے ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ فقہ کی روایتیں نفلی جماعت کی کراہت پر ناطق ہیں۔ اور فرضوں کے ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں۔ ایسا کم ہے کہ فرض کو مستحب وقت میں ادا کریں۔ بلکہ اصل وقت سے تجاوز کر جاتے ہیں اور جماعت کی بھی چنداں قید نہیں رکھتے۔ جماعت میں ایک یا دو آدمیوں پر قناعت کرتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات تنہا ہی کفایت کرتے ہیں۔ جب اسلام کے پیشواؤں کا یہ حال ہو۔ تو پھر عوام کا کیا حال بیان کیا جائے۔ اس عمل کی کم بختی سے اسلام میں ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ اور اسی فعل کی ظلمت سے بدعت و ہوا ظاہر ہو گئی ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں نے تھوڑا سا دل کا غم بیان کیا ہے مجھے ڈر ہے کہ تو دل آزردہ ہوگا، ورنہ باتیں بہت ہیں۔

نیز نوافل کا ادا کرنا ظلی قرب بخشتا ہے۔ اور فرائض کا ادا کرنا قرب اصلی۔ جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے۔ ہاں وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لیے ادا کیے جائیں وہ بھی قرب اصل کے ممد و معاون ہیں اور فرض کے ملحقات میں سے ہیں۔ پس ناچار فرائض کا ادا کرنا عالم خلق کے مناسب ہے۔ جو اصل کی طرف متوجہ ہے۔ اور نوافل کا ادا کرنا عالم امر کے مناسب ہے جس کا منہ ظل کی طرف ہے۔ فرائض اگرچہ سب کے سب اصلی قرب بخشتے ہیں۔ لیکن ان میں سے افضل و اکمل نماز ہے۔ حدیث:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔[1] — نماز مومنوں کا معراج ہے۔

اور:

اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ۔[2] — بندے کو زیادہ تر قرب نماز میں ہوتا ہے

---

۱ یہ حدیث صوفیہ میں مشہور ہے۔ ۲ مسلم، ابو داؤد و نسائی بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

تو نے سنا ہوگا۔ وہ وقت خاص جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھا جس کی تعبیر لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ[1] سے کی ہے۔ فقیر کے نزدیک نماز ہی میں ہوتا ہے۔ نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور نماز ہی فحشا اور منکر سے روکتی ہے۔ وہ نماز ہی ہے جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی راحت ڈھونڈتے تھے۔ جیسے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ[2]۔ (اے بلال مجھے آرام دے) اور نماز ہی دین کا ستون ہے۔ اور نماز ہی کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں، اور عالم امر پر عالم خلق کی زیادت کی نسبت کچھ کہتے ہیں کہ عالم امر نے اسی جگہ پورا حظ لے لیا ہے اور مشاہدہ اور معاینہ حاصل کیا ہے۔ کل بہشت میں معاملہ عالم خلق کے ساتھ پڑے گا۔ اور بلاکیف دیدار اسی کو میسّر ہوگا۔

اور نیز مشاہدہ کا تعلق وجوب کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ اور آخرت میں واجب الوجود کا دیدار۔ پس جس قدر مشاہدہ اور رویت اور ظلیت اور اصلیت کے درمیان فرق ہے۔ اسی قدر فرق عالم امر و عالم خلق میں پہچان لے۔

اور نیز جان لے کہ مشاہدہ ولایت کا ثمرہ ہے اور رویت نبوت کا ثمرہ۔ جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کے باعث عام تابعداروں کو بھی میسّر ہوگی۔ اس بات سے ولایت و نبوت کے درمیان بھی فرق معلوم کر لے۔

تنبیہ:

جس عارف کو عالم امر کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی۔ اس کا قدم کمالات ولایت میں زیادہ تر ہوگا اور جس کو عالم خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی، اس کا قدم کمالات نبوت سے بڑھ کر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ولایت میں قدم آگے رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم نبوت میں زیادہ تر ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عالم امر کی نسبت بلند ہے۔ جس کے باعث وہ روحانیوں سے مل گئے اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں عالم خلق کی جانب غالب ہے۔ جس کے باعث انھوں نے مشاہدہ پر کفایت نہ کر کے رویت بصر طلب فرمائی۔

کمالات نبوت میں انبیا کے اقدام کے متفاوت ہونے کا سبب جس کے بیان کرنے کا پہلے وعدہ کیا تھا۔ یہی ہے کہ بعض لطائف کی بلندی اور بعض کی پستی جو کمالات ولایت کے تفاوت میں معتبر ہے

[1] رسالہ قشیریہ میں یہ حدیث موجود ہے۔ [2] دارقطنی و ابو داؤد۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَلْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ۔ اللہ تعالیٰ بہتری کا الہام کرنے والا ہے۔

اے فرزند! چونکہ علوم نبوت یعنی شرائع و احکام قالب کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی عالم خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے۔ اس لیے بعض نے گمان کیا ہے کہ نبوت مقامات قرب تک جو ولایت سے تعلق رکھتے ہیں۔ عروج کرنے کے بعد خلق کی دعوت کے لیے نزول کرنے سے مراد ہے۔ اور نہیں سمجھے کہ نہایت عروج اور نہایت قرب اسی مقام میں ہے۔ اور وہ قرب جو پہلے حاصل ہوا تھا وہ اس قرب کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ جو بعد کی صورت میں متصور ہوتا ہے۔ اور وہ عروج جو اول میسر ہوا تھا۔ وہ اس عروج کے عکسوں میں سے ایک عکس ہے جو بظاہر نزول دکھائی دیتا ہے۔ تو نہیں دیکھتا کہ دائرہ کا مرکز دائرہ کے محیط کی نسبت سب سے زیادہ بعید نقطہ ہے۔ حالانکہ حقیقت میں کوئی نقطہ مرکز کے سوا محیط کے زیادہ قریب نہیں ہے۔ کیونکہ محیط اس نقطہ اجمال کی تفصیل ہے اور یہ نسبت کسی اور نقطہ کو میسر نہیں۔ عوام ظاہر بین اس اقربیت کو نہیں پا سکتے۔ اس لیے اس نقطہ کے بعد ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ اور اس نقطہ کے اقرب ہونے کے حکم کو جہل مرکب تصور کرتے ہیں۔ اور اس حکم کے دینے والے کو جاہل اور احمق سمجھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ واللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے جو تم اس کی وصف بیان کرتے ہو۔

جاننا چاہیے کہ مطمئنہ شرح صدر حاصل ہونے کے بعد جو ولایت کبریٰ کے لوازم سے ہے اپنے مقام سے عروج فرما کر تخت صدر پر چڑھ جاتا ہے۔ اور وہاں تمکین و سلطنت حاصل کر لیتا ہے۔ اور مقام قرب پر غلبہ پالیتا ہے۔ یہ تخت صدر حقیقت میں ولایت کبریٰ کے عروج کے تمام مقامات سے برتر ہے۔ اس تخت پر چڑھنے والے کی نظر ابطن بطون کی طرف نفوذ کرتی ہے۔ اور غیب الغیب میں سرایت کر جاتی ہے۔ ہاں جو شخص بہت اونچے مکان پر چڑھ جائے اس کی نظر بھی بہت دور تک نفوذ کر جاتی ہے۔ اور اس مطمئنہ کی تمکین کے بعد عقل بھی اپنے مقام سے نکل کر اس سے مل جاتی ہے اور عقل معاد نام پاتی ہے۔ اور دونوں اتفاق بلکہ اتحاد سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اے فرزند! اس مطمئنہ کے لیے اب مخالفت کی گنجائش اور سرکشی کی مجال نہیں رہی۔ اور پورے طور پر مقصود کے حاصل کرنے کے درپے ہے۔ رضائے پروردگار کے سوا اس کا کوئی ارادہ نہیں۔ اور حق تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کے سوائے اس کا کچھ مطلب نہیں۔ سبحان اللہ! وہ امارہ جو اول بدترین خلائق تھا۔ اطمینان اور حضرت سبحان کی رضا حاصل ہونے کے بعد عالم امر کے لطائف کا رئیس ہو گیا اور اپنے ہمسروں کا سردار بن گیا۔

مخبر صادق علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا سچ فرمایا ہے:

خِیَارُکُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا۔[1] — جو لوگ جاہلیت میں تم سے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی تم سے اچھے ہیں جب انہوں نے دین سمجھ لیا۔

اس کے بعد اگر خلاف اور سرکشی کی صورت ہے تو اس کا منشا اربع عناصر کی مختلف طبائع ہیں۔ جو قالب کے اجزا ہیں۔ یعنی اگر قوت غضبیہ ہے تو وہیں سے پیدا ہے۔ اور اگر شہویہ ہے تو وہیں سے ظاہر ہے۔ اور اگر خست وکینہ پن ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ تمام حیوانات جن میں نفس امارہ نہیں ہے۔ ان کو یہ اوصاف رذیلہ پورے اور کامل طور پر حاصل ہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ مراد اس جہاد اکبر سے جو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ[2] — ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کی

جہاد با قالب ہو نہ کہ جہاد بانفس۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ نفس اطمینان تک پہنچ چکا ہے۔ اور راضی ومرضی ہو گیا ہے۔ پس خلاف وسرکشی کی صورت اس سے متصور نہ ہو گی۔ اور اجزائے قالب سے خلاف و سرکشی کی صورت سے مراد ترک اولیٰ اور امور رخصتہ کے ارتکاب اور ترک عزیمت کا ارادہ ہے نہ کہ اشیا محرمہ کے ارتکاب اور ترک فرائض وواجبات کا ارادہ کہ یہ اس کے حق میں نصیب اعدا ہو چکا ہے۔

اے فرزند! عناصر اربعہ کے کمالات اگرچہ علشنہ کے کمالات سے برتر ہیں۔ جیسے کہ گزر چکا۔ لیکن علشنہ چونکہ مقام ولایت سے مناسبت رکھتا ہے اور عالم امر سے ملحق ہوا ہے۔ اس لیے صاحب سکر ہے اور مقام استغراق میں ہے۔ اور اسی سبب سے اس میں مخالفت کی مجال نہیں رہی۔ اور عناصر کی مناسبت چونکہ مقام نبوت کے ساتھ زیادہ ہے۔ اس لیے صحو ان میں غالب ہے۔ اور اسی سبب سے بعض منافعوں اور فائدوں کے لیے جو ان سے متعلق ہیں مخالفت کی صورت ان میں باقی ہے۔ تاہم جاننا چاہیے کہ منصب نبوت حضرت خاتم الرسل علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے۔ لیکن اس منصب کے کمالات سے تابعداری کے باعث آپ کے تابعداروں کو بھی کامل حصہ حاصل ہوا ہے۔ یہ کمالات طبقہ صحابہ میں زیادہ ہیں۔ اور تابعین اور تبع تابعین میں بھی اس دولت نے کچھ کچھ اثر کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ کمالات پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ اور ولایت ظلی کے کمالات جلوہ گر ہوئے ہیں۔

---

[1] بخاری ومسلم شریف بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[2] اس حدیث کی تخریج وتحقیق مکتوب نمبر ١٥ دفتر اول میں ہو چکی ہے۔

لیکن امید ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت از سر نو تازہ ہو۔ اور غلبہ اور شیوع پیدا کرے۔ اور کمالاتِ اصلیہ ظاہر ہوں۔ اور ظلیہ پوشیدہ ہو جائیں۔ اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ظاہر و باطن میں اسی نسبتِ علیہ کو رواج دیں گے۔

اے فرزند! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کامل تابعدار، تابعداری کے سبب جب کمالاتِ نبوت کو تمام کر لیتا ہے تو پھر وہ اگر اہلِ مناصب سے ہے تو منصبِ امامت سے اس کو سرفراز کرتے ہیں۔ اور جب ولایتِ کبریٰ کے کمالات کو تمام کر لیتا ہے اور اہلِ منصب سے ہوتا ہے۔ تو اس کو منصبِ خلافت سے مشرف کرتے ہیں۔ اور کمالاتِ ظل کے مقامات سے منصبِ امامت کے مناسب قطبِ ارشاد کا منصب ہے۔ اور منصبِ خلافت کے مناسب قطبِ مدار کا منصب گویا نیچے کے یہ دونوں مقام ان اوپر کے دونوں مقاموں کا ظل ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غوث ہی قطبِ مدار ہے ان کے نزدیک غوثیت کا علیحدہ مرتبہ نہیں ہے۔ لیکن جو فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ غوث قطبِ مدار نہیں ہے۔ بلکہ قطب اس سے بعض امور میں مدد لیتا ہے۔ اور ابدال کے مراتب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ — یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ — اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تذییل

وہ علوم و معارف جو نبوت اور اس نبوت کی ولایت کے مقام کے مناسب ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے شرائع ہیں۔ اور چونکہ اقدامِ نبوت میں تفاوت ہے اس لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شرائع میں بھی اس تفاوت کے موافق اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اور وہ معارف جو مقامِ اولیا کے مناسب ہیں۔ مشائخ کے شطحیات اور وہ علوم ہیں جو توحید و اتحاد کی خبر دیتے ہیں اور احاطہ و سریان اور قرب و معیت کا پتہ بتاتے ہیں۔ اور مرآتیت و ظلیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور شہود و مشاہدہ ثابت کرتے ہیں۔ غرض انبیا کے معارف کتاب و سنت ہیں۔ اور اولیا کے معارف فصوص اور فتوحاتِ مکیہ

ع۔ قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

میری بہار کا قیاس میرے باغ سے کر لو۔

اولیا کی ولایت حق کے قرب کی طرف سراغ دے جاتی ہے۔ اور انبیا کی ولایت حق تعالیٰ کی اقربیت کا نشان بتلاتی ہے۔ اولیا کی ولایت شہود کی طرف دلالت کرتی ہے۔ اور انبیا کی ولایت اس شہود کو

ثابت کرتی ہے، جس کی کیفیت مجہول ہے۔ اولیا کی ولایت اقربیت کو نہیں جانتی کہ کیا ہے اور جہالت کو نہیں پہچانتی کہ کیسی ہے اور انبیا کی ولایت باوجود اقربیت کے قرب کو عین بُعد جانتی ہے۔ اور شہود کو نفس غیب سمجھتی ہے۔ ع

گر بگویم شرح ایں بے حد شود

اگر میں اس کی شرح لکھوں تو وہ بے حد و بے حساب ہے

اے فرزند! کمالات نبوت اور ولایت پر اس کی برتری اور ولایت سہ گانہ یعنی ولایت صغریٰ و ولایت کبریٰ و ولایت علیا کے درمیانی فرق اور ان میں سے ہر ایک کے مناسب علوم اور ہر ایک کے متعلق محل کا بیان طول طویل اس لیے کیا ہے۔ اور بار بار لمبے چوڑے فقرے اس واسطے بیان کیے گئے ہیں تاکہ کمال غرابت کے سبب لوگ ان کو فہم سے بعید نہ سمجھیں۔ اور کسی کو ان کے انکار کی مجال نہ رہے۔ یہ علوم کشفی اور ضروری ہیں، نہ کہ استدلالی اور نظری۔ اور ان میں بعض مقدمات کا ذکر عوام کے فہموں کی تنبیہ اور تقریب کے لیے ہے۔ بلکہ خواص کے ادراک کے لیے تعیین و تشریح ہے۔ یہ سب شروع سے اخیر تک اس طریقہ کا بیان ہے۔ جس طریقہ کے ساتھ حق تعالیٰ نے اس حقیر کو ممتاز کیا ہے اس کی بنیاد نسبت نقشبندیہ ہے جس کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا مندرج ہے۔ اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور کئی قسم کے محل بنائے گئے ہیں اگر یہ بنیاد نہ ہوتی معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا۔ یعنی بخارا و سمرقند سے اس بیج کو لاکر زمین ہند میں جس کا خمیر یثرب و بطحا کی خاک سے ہے، بویا۔ اور فضل کے پانی سے کئی سالوں تک اس کو سیراب کیا اور احسان کی تربیت سے اس کی تربیت کی جب وہ کھیتی کمال تک پہنچ گئی ان علوم و معارف کا ثمرہ اس سے حاصل ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا	اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت
كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ	دی۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت
لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ	نہ پاتے۔ بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے

ساتھ آئے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ اس طریقہ علیہ کا سلوک شیخ مقتدا کی صحبت کے رابطہ پر وابستہ ہے جس نے سیر مرادی سے اس راہ کو طے کیا ہو۔ اور قوت انجذاب سے ان کمالات کے ساتھ رنگا ہوا ہو۔ اس کی نظر دلی امراض کو شفا بخشتی ہے اور اس کی توجہ باطنی مرضوں کو دور کر دیتی ہے۔ ان کمالات کا صاحب اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانہ کا خلیفہ ہے۔ اقطاب و ابدال اس کے مقامات کے ظلال میں خوش ہیں۔

اور اوتاد و نجبا اس کے کمالات کے سمندر سے ایک قطرہ پر قناعت کیے بیٹھے ہیں۔ اس کی ہدایت و ارشاد کا نور اس کے ارادہ و خواہش کے بغیر آفتاب کے نور کی طرح سب پر چمکتا ہے۔ پس کس طرح نہ چمکے جب کہ وہ خود چاہے۔ اگرچہ یہ خواہش اس کے اپنے اختیار میں نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی امر کی خواہش طلب کرتا ہے۔ لیکن وہ خواہش اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی لازم نہیں کہ وہ لوگ جو اس کے نور سے ہدایت پائیں اور اس کے وسیلے سے راہ راست پر آجائیں، اس بات کو جان لیں۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رشد و ہدایت کے اصل کو بھی کما حقہ نہیں جانتے۔ حالاں کہ شیخ مقتدا کے کمالات سے متحقق ہوتے ہیں جن کے سبب جہان کو ہدایت کرتے ہیں۔ کیونکہ علم سب کو نہیں دیتے۔ اور سیر مقامات کی تفصیل کی معرفت سب کو نہیں بخشتے۔ ہاں وہ شیخ جس کے وجود شریف پر طرق وصول میں سے کسی خاص طریقہ کی بنا کا مدار ہے۔ بے شک صاحب علم اور سیر کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو اسی کے علم پر کفایت کرکے اس کے ذریعے سے مرتبہ کمال و تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اور فنا و بقا سے مشرف کرتے ہیں۔ ع

خاص کند بندۂ مصلحت عام را ٭

اللہ تعالیٰ ایک بندے کو مصلحت عام کے لیے خاص کر لیتا ہے

ہمارے اس طریق میں افادہ اور استفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے۔ مرید محبت کے رابطے سے جو وہ اپنے شیخ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے، دم بدم اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے۔ اور انعکاس کے طریق پر اس کے نور سے منور ہوتا جاتا ہے۔ اس صورت میں افادہ اور استفادہ میں علم کیا درکار ہے۔

خربوزہ جو سورج کی گرمی سے دم بدم پکتا جاتا ہے اور کچھ زمانہ کے بعد پک جاتا ہے۔ اس کے لیے کیا ضرورت ہے کہ اس کو اپنے پک جانے کا علم ہو یا سورج کو اس کے پکانے کا علم ہو۔ ہاں اختیاری سلوک و تسلیک کے لیے جو دوسرے سلسلوں میں مربوط ہے علم کا اور ہمارے طریق میں جو اصحاب کرام علیہم السلام کا طریق ہے۔ سلوک و تسلیک کا علم کچھ درکار نہیں ہے۔ اگرچہ شیخ مقتدا جو اس طریقہ کے بانی کی طرح ہے کمال علم اور وفور معرفت سے متحقق ہے۔ پس ناچار اس طریقہ علیہ میں زندے اور مردے اور بوڑھے اور جوان اور بچے اور میانہ عمر والے سب وصول کے حق میں برابر ہوں گے۔ جو صاحب دولت کی محبت کے رابطے یا توجہ سے اپنے بلند مقصودوں تک پہنچتے ہیں:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ — یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔ — اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ شیخ اگرچہ صاحب علم نہیں ہوتا لیکن خوارق کے ظہور سے اس کو چارہ نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس ظہور میں اس کا اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات اس کو اس ظہور کا علم بھی نہیں ہوتا لوگ اس سے خوارق ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں۔ لیکن اس کو ان کی اطلاع نہیں ہوتی۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ شیخ صاحب علم نہیں ہوتا۔ اس عدم علم سے مراد احوال کا تفصیلی علم نہ ہونا ہے نہ کہ مطلق طور پر علم کا نہ ہونا۔ اس حیثیت سے کہ اپنے احوال کچھ نہیں سمجھتا ہے۔ جیسے کہ پہلے اس کی طرف اشارہ ہو چکا۔ اور اس کی ہدایت کا یہ نور اس کے مریدوں میں بالواسطہ یا بے واسطہ اس وقت تک جاری و ساری رہتا ہے۔ جب تک کہ اس کا طریق مخصوص تغیرات اور تبدیلات کی آلودگی سے آلودہ نہ ہو جائے۔ اور مخترعات اور مبتدعات کے ملنے سے خراب نہ ہو جائے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔[1] اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض لوگ ان تبدیلات کو اس طریقہ کی تکمیلات خیال کرتے ہیں۔ اور ان الحاقات کو اس نسبت کے تتمیمات تصور کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اس کی تتمیم و تکمیل ہر بے سر انجام کا کام نہیں ہے۔ اور الحاق و اختراع ہر بے سر و سامان کے لائق نہیں ہے۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو ایں جاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

یہاں بال سے بھی باریک ہزار نکتے ہیں۔ ہر سر منڈا قلندر نہیں جاتا۔

سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں نے پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور ملت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی رونق کو امور محدثہ کی کدورتوں نے ضائع کر دیا ہے۔ پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان محدثات کو امور مستحسنہ جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں۔ اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم ڈھونڈتے ہیں اور ان امور کے بجا لانے میں ترغیبیں دیتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل اور نعمت تمام ہو چکا ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ[2] آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی

---

[1] سورہ رعد پارہ ۱۳۔ [2] سورہ مائدہ پارہ ۶۔

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ — نعمت کو تم پر پورا کر دیا۔ اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔

پس ان محدثات سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیت کریمہ کے مفہوم سے انکار کرنا ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں نے دل کا غم تھوڑا سا بیان کیا ہے، ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہوگا ورنہ باتیں بہت ہیں۔

علمائے مجتہدین نے احکام دین کو ظاہر کیا ہے۔ اور از سر نو کسی ایسے امر کو ظاہر نہیں کیا جو دین میں سے نہیں ہے۔ پس احکام اجتہادیہ امور محدثہ میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ اصول دین میں سے ہیں۔ کیونکہ اصل چہارم یہی قیاس ہے۔

اے فرزند! وہ معرفت جو رسالہ مبدء و معاد میں اسی افادہ اور استفادہ کے بارہ میں جو قطب ارشاد سے تعلق رکھتا ہے لکھی گئی ہے۔ چونکہ اس مقام کے ساتھ مناسبت رکھتی تھی۔ اور بہت مفید تھی۔ اس لیے وہ معرفت اس مکتوب میں بھی لکھی گئی ہے۔ اسی جگہ سے اعتبار حاصل کریں۔ قطب ارشاد جو کمالاتِ فردیہ کا بھی جامع ہوتا ہے۔ بہت عزیز الوجود اور نایاب ہے اور بہت سے قرنوں اور بے شمار زمانوں کے بعد اس قسم کا گوہر ظہور میں آتا ہے۔ اور عالم تاریک اس کے نور ظہور سے نورانی ہوتا ہے۔ اور اس کی ہدایت و ارشاد کا نور محیط عرش سے لے کر مرکز فرش تک تمام جہان کو شامل ہوتا ہے۔ اور جس کسی کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہونا ہوتا ہے اسی کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کے وسیلہ کے بغیر کوئی شخص اس دولت کو نہیں پا سکتا۔ مثلاً اس کی ہدایت کے نور نے دریائے محیط کی طرح تمام جہان کو گھیرا ہوا ہے۔ اور وہ دریا گویا منجمد ہے۔ اور ہرگز حرکت نہیں کرتا۔ اور وہ شخص جو اس بزرگ کی طرف متوجہ ہے۔ اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے۔ یا یہ کہ وہ بزرگ طالب کے حال کی طرف متوجہ ہے۔ تو توجہ کے وقت گویا طالب کے دل میں ایک روزن کھل جاتا ہے۔ اور اس راہ سے توجہ و اخلاص کے موافق اس دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ ایسے ہی وہ شخص جو ذکر الٰہی کی طرف متوجہ ہے اور اس عزیز کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہے۔ انکار سے نہیں بلکہ اس کو پہچانتا نہیں ہے۔ اس کو بھی یہ افادہ حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن پہلی صورت میں دوسری صورت کی نسبت افادہ بہتر اور بڑھ کر ہے۔ لیکن وہ شخص جو اس بزرگ کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے آزردہ ہے۔ اگرچہ وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔ لیکن وہ

رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم ہے۔ یہی انکار و آزار اس کے فیض کا مانع ہو جاتا ہے۔ نیز اس امر سے کہ وہ بزرگ اس کے عدم افادہ کی طرف متوجہ ہو یا اس کے ضرر کا قصد کرے۔ کیونکہ ہدایت کی حقیقت اس سے مفقود ہے۔ وہ صرف مرشد کی صورت ہے اور صورت بے معنی کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ اور وہ لوگ جو اس عزیز کے ساتھ محبت و اخلاص رکھتے ہیں۔ اگرچہ توجہ مذکورہ اور ذکر اتی سے خالی ہوں۔ لیکن فقط محبت ہی کے باعث رشد و ہدایت کا نور ان کو پہنچ جاتا ہے۔ وَلٰكِنْ هٰذِهِ الْمَعْرِفَةُ اٰخِرُ الْمَكْتُوْبِ اور یہی معرفت مکتوب کا اخیر ہے ؎

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس است
بانگ دو کردم اگر در دہ کس است

میں بس کرتا ہوں زیرک لوگوں کے لیے یہ کافی ہے۔ میں نے دو آوازیں دیدی ہیں اگر گاؤں میں کوئی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا۔

اول و آخر اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت رسول اللہ اور آپ کی آل پاک پر ہمیشہ صلوٰۃ و سلام ہو۔

مکتوب نمبر ۲۶۱

نماز کے فضائل اور معارف بلند اور حقائق ارجمند کے ضمن میں نماز کے مخصوص کمالات کے بیان میں میاں شیخ میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے عزیز بھائی کو کہ خدا اس کو ہدایت دے معلوم ہو کہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے نماز دوسرا رکن ہے۔ نماز تمام عبادات کی جامع ہے اور جزو ہے جس نے جامعیت کے سبب سے کل کا حکم پیدا کیا ہے۔ اور تمام مقربہ اعمال سے برتر ہو گئی ہے۔ اور وہ دولت رویت جو سرور عالمیان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معراج کی رات بہشت میں میسر ہوئی تھی دنیا میں نازل ہونے کے بعد اس جہان کے مناسب آپ کو وہ دولت نماز میں حاصل ہوئی۔ اسی واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:۔

اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ — نماز مومنوں کا معراج ہے۔

نیز فرمایا:۔

اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ	سب سے زیادہ لائق قرب جو بندے کو رب سے ہوتا ہے[1]
فِي الصَّلٰوةِ۔	وہ نماز میں ہے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو اس جہان میں اس دولت کا بہت سا حصہ نماز میں حاصل ہے۔ اگرچہ رویت مُیسر نہیں کیونکہ یہ جہان اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر نماز کا حکم نہ ہوتا چہرۂ مقصود سے نقاب کون کھولتا۔ اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ نماز ہی غم زدوں کی غمگسار ہے اور نماز ہی بیماروں کے لیے راحت بخش ہے:

اَرِحْنِيْ يَا بِلَالُ۔	راحت دے مجھے اے بلال۔

اسی اجرا کی رمز ہے اور:

قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ۔	نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔

میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔ وہ ذوق و مواجید اور علوم و معارف اور مقامات و انوار اور تلوینات و تمکینات اور تجلیات شکیفہ اور غیر شکیفہ اور ظہورات متلونہ اور غیر متلونہ وغیرہ جو کچھ ان میں سے نماز کے سوا مُیسر ہوں۔ اور نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے باعث ظاہر ہوں۔ ان کا منشا ظلال و امثال بلکہ وہم و خیال ہیں۔

نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے، نماز کے ادا کرنے کے وقت گویا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس دولت سے جو آخرت سے مخصوص ہے حصہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کا فائدہ پا لیتا ہے کیونکہ عالم دنیا کمالات ظلی پر منحصر ہے۔ اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ پس معراج سے چارہ نہ ہوگا۔ اور وہ مومنوں کے حق میں نماز ہے۔ یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تابعداری کے سبب کہ شب معراج میں دنیا سے آخرت میں چلے گئے۔ اور بہشت میں پہنچ کر حق تعالیٰ کی رویت کی دولت سے مشرف ہوئے۔ اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئے۔ اور اس سعادت سے فیضیاب ہوئے:

اَللّٰهُمَّ اَجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ وَاَجْزِهٖ	یا اللہ تو ہماری طرف سے ان کو ایسی جزا دے
عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزَيْتَ نَبِيًّا عَنْ	جس کے وہ لائق ہیں اور ان کو ہماری طرف سے
اُمَّتِهٖ وَاَجْزِ الْاَنْبِيَآءِ كُلَّهُمْ	اس سے افضل جزا دے جو تو نے اُمت کی طرف سے

[1] نسائی اور حاکم بروایت انس رضی اللہ عنہ۔

جَزَآءً خَيْرًا فَإِنَّهُمْ دُعَاةُ الْخَلْقِ	کسی نبی کو ہماری طرف سے تمام انبیاء کو جزائے خیر عطا
إِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَهُدَاتُهُمْ إِلٰى	کر کیونکہ وہ سب خلق کو اللہ کی طرف بلانے والے اور اس
لِقَاءِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ۔	کے لقا کی طرف اُن کو ہدایت دینے والے ہیں۔

اس گروہ میں سے بعض نے جن کو نماز کی حقیقت سے آگاہ نہ کیا۔ اور اس کے مخصوصہ کمالات پر اطلاع نہ بخشی۔ انہوں نے اپنی امراض کا علاج اور امور سے کیا۔ اور اپنی مرادوں کا حاصل ہونا اور اشیاء پر وابستہ جانا۔ بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ اور دور از کار سمجھ کر اس کی بنیاد غیر اور غیریت پر رکھی۔ اور روزہ کو نماز سے افضل جانا۔

صاحب فتوحات مکیہ کہتا ہے کہ روزہ میں جو کھانے پینے کی ترک ہے، وہ صفات صمدیت سے متحقق ہونا ہے۔ اور نماز میں غیر و غیریت کی طرف آنا اور عابد و معبود کا جاننا ہے۔

اس قسم کی باتیں اہل سکر کے احوال میں سے مسئلہ توحید وجودی پر مبنی ہیں۔ اور ایسی باتوں کا بولنا نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے سبب ہے۔ بلکہ اس طائفہ میں سے جم غفیر یعنی بہت سے لوگوں نے اپنے اضطراب و بے قراری کی تسکین سماع و نغمہ و وجد و تواجد سے حاصل کی اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردہ میں مطالعہ کیا۔ اسی واسطے رقص و رقاصی کو دیکھنا عادت بنالی۔ حالانکہ انہوں نے سُنا ہوگا کہ:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي الْحَرَامِ شِفَآءً۔	اللہ تعالیٰ نے حرام میں شفا نہیں رکھی۔
ہاں:۔ اَلْغَرِيْقُ يَتَعَلَّقُ بِكُلِّ حَشِيْشٍ وَحُبُّ	ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ اور کسی شے کی محبت اندھا
الشَّيْءِ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔	اور بہرہ کر دیتی ہے۔

اگر نماز کے کمالات کی حقیقت کچھ بھی ان پر منکشف ہو جاتی تو ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ مارتے۔ اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے ؎

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

جب حقیقت کو نہ جان سکے تو افسانے کا راستہ اختیار کیا۔

اے برادر! جس قدر فرق نماز و نغمہ میں ہے۔ اسی قدر فرق نماز کے مخصوصہ کمالات اور نغمہ سے پیدا ہونے ہوئے کمالات میں ہے:

اَلْعَاقِلُ تَكْفِيْهِ الْإِشَارَةُ	عاقل کو ایک ہی اشارہ کافی ہے۔

یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ اور آخریت سے جو اولیت کے رنگ

ﻟﮧ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ اس حدیث کو طبرانی نے حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا۔

میں ظاہر ہوئی ہے۔ شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سبب سے فرمایا ہے کہ:

اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ۔ — ان میں سے اوّل بہتر ہیں یا ان میں سے آخر۔

اور یہ نہ فرمایا کہ:

اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اَوْسَطُهُمْ — ان کے اوّل بہتر ہیں یا ان کے اوسط۔

کیونکہ آخر کو اوّل کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے جو تردد کا محل ہے۔

اور دوسری حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس امت میں سے بہترین اوّل ہیں اور آخر۔ اور درمیان میں کدورت و تیرگی ہے۔

ہاں اس امت کے متاخرین میں اگرچہ وہ نسبت بلند ہے لیکن قلیل بلکہ اقل ہے۔ اور متوسطوں میں وہ نسبت اگرچہ بلند نہیں ہے، لیکن کثیر بلکہ اکثر ہے:

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ كَمِّيَّةٌ وَّكَيْفِيَّةٌ — ہر ایک کے لیے کمیت و کیفیت کے لحاظ سے ایک جہت ہے۔

لیکن اس نسبت کے اقل ہونے نے متاخرین کو درجہ بلند میں پہنچایا۔ اور سابقین کے ساتھ مناسبت دے کر خوشخبری دی۔ جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَلْاِسْلَامُ بَدَءَ غَرِيْبًا وَّسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ۔[1] — اسلام غریب شروع ہوا، اور پھر ویسا ہی غریب ہو جائے گا پس غرباء کو خوشخبری ہے۔

اور اس امت کی آخریت کا شروع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رحلت فرما جانے کے بعد الف ثانی یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتدا ہے۔ کیونکہ الف یعنی ہزار سال کے گزرنے کو امور کے تغیر میں بڑی خاصیت ہے اور اشیاء کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے۔ اور چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیل نہیں ہے۔ اس لیے سابقین کی نسبت اسی تر و تازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور الف ثانی میں از سر نو شریعت کی تجدید اور ملت کی ترقی فرمائی ہے۔ اس معنے پر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دونوں عادل گواہ ہیں ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد!

روح القدس اگر پھر مدد فرمائے، تو دوسرے بھی وہ کر سکتے ہیں جو حضرت مسیح کرتے تھے۔

---

[1] مسلم و ابن ماجہ بروایت ابو ہریرہ اور طبرانی بروایت سلمان فارسی اور امام احمد و ترمذی اور دارمی اور خطیب اور ابن عساکر وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اے برادر! یہ بات آج اکثر لوگوں کو ناگوار اور ان کے فہم سے دور معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر انصاف کریں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ کریں۔ اور احوال کی صحت و سقم علوم شرعیہ کی مطابقت اور عدم مطابقت سے ملاحظہ کریں۔ اور شریعت و نبوت کی تعظیم و توقیر دیکھیں کہ ان میں سے کس میں زیادہ تر ہے تو امید ہے کہ یہ تعجب ان کا جاتا رہے۔ اور یہ بات ان کو فہم سے دور معلوم نہ ہو۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں۔ اور نبوت ولایت سے افضل ہے۔ اگرچہ اس نبی کی ولایت ہو اور یہ بھی لکھا ہے کہ کمالاتِ ولایت کو کمالاتِ نبوت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے کاش کہ ان کے درمیان قطرہ اور دریا کی سی نسبت ہوتی اس قسم کی بہت سی باتیں اس مکتوب میں جو طریقہ کے بیان میں اپنے فرزند کی طرف لکھا ہے خاص طور پر لکھی گئی ہیں وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

اس گفتگو سے مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہو۔ اور اس طریقہ کے طالبوں کو ترغیب ہو نہ یہ کہ دوسروں پر اپنی فضیلت و بزرگی ثابت ہو۔ خدائے تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر جانے۔ تو پھر اس شخص کا کیا حال ہو جو بزرگانِ دین سے اپنے آپ کو افضل جانے

شعر

وے چوں شدم بر داشت از خاک | سزد گر بگذرانم سر ز افلاک

من آں خاکم کہ ابر نوبہاری | کند از لطف بر من قطرہ باری

اگر بروید از تن صد زبانم | چو سوسن شکر لطفش کے توانم

ہاں جب بادشاہ نے مجھے خاک سے اوپر اٹھایا تو لائق ہے کہ اپنا سر آسمان سے اُوپر لے جاؤں۔ میں وہ خاک ہوں نوبہار کا بادل اپنی مہربانی سے مجھ پر برس رہا ہے۔ اگر میرے جسم پر سو زبانیں نکل آئیں تو بھی سوسن کی طرح میں اس کی مہربانی کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں۔

اس کے مطالعہ کے بعد اگر تم میں نماز کے سیکھنے اور اس کے مخصوص کمالات میں سے بعض کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔ اور وہ شوق تم کو بے آرام کر دے۔ تو استخاروں کے بعد ان حدود کی طرف آجائیں اور عمر کا کچھ حصہ نماز کے سیکھنے میں صرف کریں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِيْ اِلٰى سَبِيْلِ الرَّشَادِ	اللہ تعالیٰ سیدھے رستہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔
وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ	اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی
مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ	اور حضرت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو
وَالسَّلَامُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا	لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۶۲

مولانا محب علی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ ہمارا ارتباط محبّی اور ہماری نسبت انعکاسی ہے۔ اور قرب و بعد میں کچھ فرق نہیں رکھتی۔ اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ — تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو التفات و توجہ سے لکھا ہوا تھا اس کے پہنچنے سے خوشی حاصل ہوئی۔ اور چونکہ فرط محبت اور کمال اختصاص سے بھرا ہوا تھا اس لیے فرحت پر فرحت حاصل ہوئی۔ آپ نے سابقہ عہد کے پورا کرنے کے لیے لکھا ہوا تھا۔

میرے مخدوم! اوضاع شرعیہ میں سے جس وضع پر آپ رہیں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ رشتہ محبت نہ ٹوٹ جائے۔ بلکہ دن بدن قوت پیدا کرے۔ اور اس اشتیاق کی چنگاری سرد نہ ہو جائے۔ بلکہ ہر گھڑی زیادہ بھڑکتی جائے۔ کیونکہ ہمارا ارتباط محبّی ہے۔ اور ہماری نسبت انعکاسی اور انصباغی ہے۔ اور جلدی اور دیر اور طریق کے بعض خصوصیات کا علم ہونے اور نہ ہونے کے سوا قرب و بعد میں کچھ فرق نہیں رکھتی اس معنی کی تحقیق اس مکتوب کے خاتمہ سے جو اپنے فرزند ارشد کے نام طریق کے بیان میں لکھا ہے طلب فرمائیں۔ اس مکتوب کی نقل برادرم سیادت پناہ میر محمد نعمان کے دوست لے گئے ہیں۔ وہاں سے منگوا لیں۔ زیادہ طول کلام کیا کیا جائے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۶۳

جناب معارف آگاہ میاں تاج الدین کی طرف صادر فرمایا:

ان معارف کے بیان میں جو کعبہ ربانی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور نماز کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ — تمام تعریفیں اللہ کے لیے اور اس کے برگزیدہ

اَلَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے قدوم مسرت لزوم یعنی تشریف آوری کی خوشخبری سن کر مشتاق دوستوں کو بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اس پر اللہ کی حمد اور اس کا احسان ہے ؂

انصاف بدہ اے فلک مینا فام — تا زیں دو کدام خوب تر کرد خرام
خورشید جہاں تاب تو از جانب شرق — یا ماہ جہاں گرد من از جانب شام

اے مینا فام آسمان تو ہی انصاف کر کہ ان دونوں میں سے کس کا آنا زیادہ بہتر ہے۔ تیرے سورج کا مشرق سے طلوع ہونا یا میرے معشوق کا شام کے وقت تشریف لانا۔

جب آپ نے قدم رنجہ فرمایا ہے تو جلدی تشریف لائیں۔ کیونکہ مشتاق مدت سے منتظر ہیں۔ اور بیت اللہ کے حالات سننے کی آرزو رکھتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک جس طرح کعبہ کی صورت کیا، فرشتے کیا، بشر تمام خلائق کی صورتوں کے لیے مسجود الیہ ہے اسی طرح اس کی حقیقت بھی ان صورتوں کی حقائق کے لیے مسجود الیہ ہے۔ اسی لیے لازماً وہ حقیقت تمام حقائق سے برتر ہے۔ اور اس کے متعلق کمالات تمام حقائق کے متعلق کمالات سے بڑھ کر ہیں۔ گویا یہ حقیقت حقائق کونی اور حقائق الٰہی کے درمیان برزخ ہے۔ حقائق الٰہی سے مراد عظمت و کبریا کے پردے ہیں جن کے پاک دامن کو کوئی رنگ و کیفیت نہیں لگی۔ اور کسی ظلیت نے ان کی طرف راہ نہیں پایا۔ دنیوی عروجات اور ان کے ظہورات کی نہایت حقائق کونی کے انتہا تک ہے۔ اور حقائق الٰہی سے کامیاب ہونا آخرت پر مخصوص ہے۔ ہاں نماز میں جو مومن کا معراج ہے۔ اور اس معراج میں گویا دنیا سے نکل کر آخرت میں چلا جاتا ہے۔ اس حظ میں سے جو آخرت کو میسر ہوگا کچھ حصہ حاصل ہو جاتا ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ نماز میں اس دولت کے حاصل ہونے کا عمدہ ذریعہ کعبہ کی طرف جو حقائق الٰہی جل شانہٗ کے ظہورات کا مقام ہے۔ نمازی کا توجہ کرنا ہے۔ پس کعبہ دنیا میں ایک اعجوبہ ہے جو صورت میں دنیا سے ہے لیکن حقیقت میں آخرت سے ہے۔ اور نماز نے بھی اس کے وسیلہ سے یہ نسبت پیدا کر لی ہے اور صورت و حقیقت میں دنیا و آخرت کی جامع ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ حالت جو نماز کے ادا کرنے کے وقت میسر ہوتی ہے۔ ان تمام حالات سے جو نماز کے سوا حاصل ہوں بلند تر ہے۔ کیونکہ وہ حالات اگرچہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں۔ دائرہ ظل سے باہر نہیں ہیں۔ اور یہ حالت اصل سے حصہ رکھتی ہے پس جس قدر اصل اور ظل کے درمیان فرق ہے۔ اسی قدر ان حالات اور اس حالت کے درمیان فرق ہے۔ اور مشاہدہ میں آتا ہے کہ وہ حالت جو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے موت کے وقت ظاہر ہوگی۔ وہ نماز کی حالت سے برتر ہوگی۔ کیونکہ موت احوال آخرت کے مقدمات سے ہے۔ اور جو حالت

آخرت کے زیادہ نزدیک ہے وہ زیادہ اتم واکمل ہے۔ کیونکہ اس جگہ صورت کا ظہور ہے اور وہاں حقیقت کا ظہور۔ پس دونوں میں کس قدر فرق ہے۔ اور ایسے ہی وہ حالت جو اللہ جل شانہٗ کے کرم و فضل سے برزخ صغریٰ یعنی قبر میں میسر ہوگی۔ اس حالت سے جو موت کے وقت میسر ہوگی بڑھ کر ہوگی۔ اور برزخ کبریٰ یعنی روز قیامت کو کہ جہاں کا شہود اتم واکمل ہے، برزخ صغریٰ کے ساتھ یہی نسبت ہے۔ اور اسی طرح برزخ کبریٰ کی شہود کی نسبت جنات النعیم کا شہود اتم واکمل ہے۔ اور تمام مقامات سے بلند تر وہ مقام ہے جس کی نسبت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ:

إِنَّ لِلّٰهِ جَنَّةً لَيْسَ فِيهَا حُورٌ وَلَا قُصُورٌ يَتَجَلّٰى فِيهَا رَبُّنَا ضَاحِكًا۔ — اللہ تعالیٰ کی ایک جنت ہے جس میں نہ حور ہے اور نہ کوئی محل۔ اس میں اللہ تعالیٰ ہنستے ہوئے تجلی فرمائے گا۔

پس تمام ظہورات میں سے ادنیٰ ظہور دنیا و ما فیہا ہے۔ اور ان ظہورات میں سے اعلیٰ جنت۔ بلکہ دنیا بالکل ظہور کا مقام نہیں ہے وہ ظلی ظہورات اور مثالی نمائش جو دنیا کے ساتھ مخصوص ہیں۔ فقیر کے نزدیک سب امور دنیا میں شمار ہیں۔ اور حقیقت میں وہ ظہورات خواہ تجلیات صفات ہوں خواہ تجلیات ذات ہوں۔ سب دائرہ مکان میں داخل ہیں:

تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُولُ الظّٰلِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔ — اللہ تعالیٰ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بلند ہے۔

فقیر جب دنیا کو پورے طور پر ملاحظہ کرتا ہے تو محض خالی پاتا ہے۔ اور مطلوب کی کچھ بو اس کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اس جگہ مطلوب کو ڈھونڈنا اپنے آپ کو پریشان کرنا یا مطلوب کے غیر کو مطلوب جاننا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ اس میں گرفتار ہیں۔ اور خواب و خیال میں آرام کیے ہوئے ہیں۔ اس مقام میں صرف نماز ہی ہے جو اصل سے کچھ حصہ رکھتی ہے اور مطلوب کی بو لاتی ہے وَدُوْنَهٗ خَرْطُ الْقَتَادِ۔ اس کے سوا بے فائدہ رنج ہے۔

مکتوب نمبر ۲۶۴

میر سید باقر سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا:۔

اس بیان میں کہ اپنے معاملہ کو حیرت و جہالت میں سے جاننا چاہیے۔ اور احوال و کشوف پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ اور اس کے ضمن میں اس واقعہ کو ذکر اور تعبیر بیان کی ہے۔ جو گرد و نواح کے مشائخ میں سے کسی شیخ نے ظاہر کیا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو بڑی محبت اور کمال اشتیاق سے صادر فرمایا تھا، پہنچا۔ اور بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ اپنے کام کی طرف متوجہ رہیں۔ اور اسماء و صفات کے ملاحظہ کے بغیر ذکر اسم ذات تعالیٰ میں مشغول رہیں۔ یہاں تک کہ معاملہ جہالت تک پہنچ جائے اور کام حیرت تک انجام پائے کیونکہ اسماء و صفات کا ملاحظہ اکثر اوقات احوال کے ظاہر ہونے کا باعث اور مواجید کے صادر ہونے کا سبب ہو جاتا ہے اور آپ نے سنا ہوگا کہ احوال و مواجید میں خطا کا بہت احتمال ہے۔ اور اس مقام میں حق باطل کے ساتھ بہت ملا رہتا ہے۔

اور واضح ہو کہ انہی دنوں میں گرد و نواح کے مشائخ میں سے ایک شیخ نے اس فقیر کی طرف پیغام بھیجا اور اپنا احوال ظاہر کیا کہ فنا و محویت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ جس طرف نظر کرتا ہوں۔ کچھ نہیں دیکھتا ہوں اور زمین و آسمان کی طرف جب نگاہ کرتا ہوں۔ اور عرش و کرسی کی طرف جب دیکھتا ہوں تو ان کو بھی کچھ نہیں پاتا ہوں۔ اور اپنے آپ کو بھی جب ملاحظہ کرتا ہوں کچھ نہیں پاتا ہوں اور اگر کسی کے پاس جاتا ہوں تو اس کو بھی کچھ نہیں پاتا ہوں۔ اور خدائے تعالیٰ بے نہایت ہے اس کی نہایت کو کسی نے نہیں پایا ہے۔ اور مشائخ نے اسی کو کمال سمجھا ہے۔ اگر تو بھی اسی کو کمال جانتا ہے تو پھر میں طلب حق کے لیے تیرے پاس کس لیے آؤں۔ اور اگر کسی اور امر کو کمال جانتا ہے تو لکھ۔

فقیر نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ احوال قلب کے تلوینات میں سے ہیں۔ اور قلب اس راہ کا پہلا زینہ ہے۔ اور ان احوال کے صاحب نے ابھی مقام قلب سے صرف چوتھا حصہ ہی طے کیا ہے تین حصے اور قلب سے اس کو طے کرنے چاہییں۔ بعد ازاں دوسرے زینہ پر جو روح سے مراد ہے جہاں تک خدائے تعالیٰ چاہے عروج کرنا چاہیے۔

اس ماجرا سے کچھ مدت کے بعد فقیر کے دوستوں میں سے ایک دوست نے جو طریقہ اخذ کر کے اپنے وطن کو گیا ہوا تھا جب واپس آ کر حال بیان کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا حال اس شیخ کے حال کے موافق ہے جس کا حال دریافت کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ دوست اس مقام میں اس شیخ سے قدم آگے رکھتا ہے۔ اور

جب اچھی طرح اس کے حال کا ملاحظہ کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ اس کی یہ فنا و محویت عنصر ہوا میں ہے۔ جو ذرات سے ہر ذرہ کو محیط ہے۔ اور ہوا کے سوا کوئی اور امر مشہود نہیں ہے اور اسی کو اس نے خدا نے بے نہایت سمجھ لیا ہے

تَعَالَی اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے

دوسری دفعہ اس کو بلا کر پھر اس کے احوال کی تفتیش کی تو یقین ہو گیا کہ اس کی گرفتاری عنصر ہوا کے سوا کسی اور امر کے ساتھ نہیں ہے۔ اور اس کو بھی اس بات پر مطلع کیا۔ اور جب اس نے اپنے وجدان کی طرف رجوع کیا تو اس نے بھی معلوم کر لیا کہ ہوا کے سوا مجھے کچھ حاصل نہیں ہے۔ اس وقت اس نے ان احوال سے توبہ کی اور قدم آگے بڑھایا۔

جاننا چاہیئے کہ عالم خلق یعنی عالم عناصر اربعہ اور عالم ارواح کے درمیان قلب بمنزلہ برزخ کے ہے اور دونوں عالم کا رنگ رکھتا ہے۔ گویا قلب کا نصف حصہ عالم خلق سے ہے اور اس کا دوسرا نصف حصہ عالم ارواح سے ہے۔ اور جب اس کے عالم خلق والے نصف حصہ کو پھر نصف کریں تو معاملہ عنصر ہوا پر جا پڑے گا۔ پس قلب کا چوتھا حصہ مقام ہوا سے مراد ہے۔ جس کو قلب شامل ہے۔ پس یہ جو آخر ظاہر ہوا جواب اول کے موافق ہے۔ اور اس کی حقیقت کے کشف کا بیان ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے ہیں۔

اس سے زیادہ لکھنا وقت کے مناسب نہ تھا۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰۤی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا

اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر ۲۶۵

شیخ عبدالہادی بدایونی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ عزلت اور گوشہ نشینی کے اختیار کرنے میں چاہیئے کہ مسلمانوں کے حقوق ضائع نہ ہوں۔ اور حقوق اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ میرے سعادت مند بھائی کا مکتوب مرغوب پہنچا۔ بہت خوشی کا موجب ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ مفارقت اور جدائی کے زمانہ دراز نے محبت و اخلاص اور دوستی و اختصاص میں کچھ تاثیر نہیں کی۔ باوجود اس کے اگر آپ تشریف لے آتے تو بہت ہی مناسب تھا۔

وَالْخَيْرُ فِيمَا صَنَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى — اور بہتری اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے۔

آپ نے گوشہ نشینی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ہاں بے شک گوشہ نشینی صدیقین کی آرزو ہے۔ آپ کو مبارک ہو۔ آپ عزلت و گوشہ نشینی اختیار کریں۔ لیکن مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ۔[1] — مسلمان کے حق مسلمان پر پانچ ہیں، سلام کا جواب دینا، بیمار پرسی کرنا، جنازہ کے ساتھ چلنا، دعوت کا قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔

لیکن دعوت کے قبول کرنے میں چند شرائط ہیں۔

احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اگر طعام مشتبہ ہو یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال نہ ہو یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں۔ یا چھت یا دیوار پر حیوانوں کی تصویریں ہوں۔ یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو۔ یا کسی قسم کی لہو و لعب اور کھیل کود کا شغل ہو یا غیبت اور بہتان اور جھوٹ کی مجلس ہو تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے۔ بلکہ یہ سب امور اس کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں۔ اور ایسے ہی اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا مبتدع یا شریر یا تکلف کرنے والا یا فخر و مباہات کا طالب ہے تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

اور شرعۃ الاسلام[2] میں ہے کہ ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو ریا و اپنی شہرت کے لیے تیار کیا گیا ہو۔

اور محیط[3] میں ہے کہ جس بساط پر لہو و لعب یا سرود کا سامان ہو۔ یا لوگ غیبت کرتے اور شراب

---

[1] بخاری و مسلم شریف۔

[2] یہ کتاب امام محمد بن ابوبکر معروف بہ امام زادہ رحمۃ اللہ حنفی متوفی ۵۷۳ھ کی تصنیف ہے۔

[3] یہ کتاب امام رضی الدین محمد بن محمد سرخسی کی تصنیف ہے۔

پیتے ہوں تو وہاں بیٹھنا نہیں چاہیے۔ جیسے کہ مطالب المومنین میں ہے۔

اگر یہ سب موانع موجود نہ ہوں تو دعوت کے قبول کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ لیکن اس زمانہ میں ان موانع کا مفقود ہونا دشوار ہے۔ اور نیز جان لیں کہ ؏

عزلت از اغیار باید نہ زیار۔

عزلت اغیار سے چاہیے اپنوں سے نہیں۔

کیونکہ ہم رازوں کے ساتھ صحبت رکھنا اس طریقہ علیہ کی سنت مؤکدہ ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریق صحبت ہے۔ کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت۔ اور صحبت سے مراد موافقان طریقت کی صحبت ہے نہ کہ مخالفان طریقت کی کیونکہ ایک کا دوسرے میں فانی ہونا صحبت کی شرط ہے جو بغیر موافقت کے میسر نہیں ہوتا۔ اور مریض کی عیادت سنت ہے۔ اگر اس مریض کا کوئی شخص خبرگیر ہے اور اس کی بیمار پرسی کرتا ہے۔ ورنہ اس بیمار کی بیمار پرسی واجب ہے۔ جیسے کہ حاشیہ مشکوٰۃ[1] میں کہا ہے۔ اور نماز جنازہ میں حاضر ہونے کے لیے کم از کم چند قدم جنازہ کے پیچھے چلنا چاہیے تاکہ میت کا حق ادا ہو جائے۔ اور جمعہ و جماعت و نماز پنج گانہ اور نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریات اسلام سے ہے ان سے چارہ نہیں اور باقی اوقات کو تبتل و انقطاع میں بسر کریں۔ لیکن چاہیے کہ اول نیت کو درست کریں۔ اور گوشہ نشینی کو دنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ باطنی جمعیت کے حاصل ہونے اور لاطائل اور بے فائدہ اشغال سے منہ موڑنے کے سوا عزلت سے اور کچھ مقصود نہ ہو۔ اور نیت کے درست کرنے میں بڑی احتیاط کریں ایسا نہ ہو کہ اس کے ضمن میں کوئی نفسانی غرض پوشیدہ ہو۔ اور نیت کے درست کرنے میں التجا و تضرع اور عجز و انکساریت کریں۔ تاکہ نیت کی حقیقت میسر ہو جائے اور رسات استخارے اور کرکے درست نیت کے ساتھ عزلت اختیار کریں۔ امید ہے کہ بڑے بڑے فائدے اس پر مرتب ہوں گے۔ باقی احوال کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۶۶

اپنے پیرزادوں یعنی خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ کی خدمت میں صادر فرمایا:

[1] مرقاۃ حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے بیمار کی بیمار پرسی سنت ہے جبکہ اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی ہو اور اگر نہ ہو تو پھر واجب ہے۔

اہل سنت و جماعت رضوان کی کوشش قبول فرمائے، کی رائے کے موافق بعض ان عقاید کلامیہ کے بیان میں جو آپ کو اللہ کے الہام و فراست حاصل ہوئے تھے نہ از روئے تقلید و تخمین۔ ابتدائے احوال میں حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کو خواب میں دیکھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تو علم کلام کے مجتہدوں میں سے ہے اور اس واقع کو اپنے خواجہ بزرگوار کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ اسی دن سے مسائل کلامیہ میں ہر مسئلہ میں آپ کی رائے علیحدہ اور حکم جدا ہے۔ لیکن مسائل میں مشائخ ماتریدیہ سے موافقت رکھتے ہیں اور فلسفہ کے رد کرنے اور اہل فلسفہ کی مذمت اور برائی کے بیان کرنے اور ان ملحدوں اور زندیقوں کی تردید میں جو صوفیہ کی مراد کو نہ سمجھ کر گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور بعض ان فقہی احکام کے بیان میں جو نماز سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور طریقہ نقشبندیہ کے کمالات اور اس میں سنت کی متابعت کو لازم پکڑنے کے بیان میں۔ اور سماع و سرود سننے اور رقص یعنی ناچنے اور گانے والوں کی مجلس میں حاضر ہونے سے منع کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ — اے رب کام آسان کر، مشکل نہ کر اور خیریت سے تکمیل فرما۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد اپنے بزرگ مخدوم زادوں کی جناب میں عرض کرتا ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد بزرگوار کے احسانات میں غرق ہے۔ فقیر نے اس طریق میں الف و بے کا سبق انہی سے لیا ہے۔ اور اس راہ کے حروف تہجی انہی سے سیکھے ہیں اور اندراج النہایت فی البدایت کی دولت ان کی صحبت کی برکت سے حاصل کی ہے۔ اور سفر در وطن کی سعادت کو ان کی خدمت کی طفیل پایا ہے۔ ان کی شریف توجہ نے اس ناقابل کو دو اڑھائی ماہ کے عرصہ میں نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور ان بزرگواروں کا حضور خاص عطا فرمایا۔ اور وہ تجلیات اور ظہورات اور انوار اور رنگ اور بے رنگیاں اور بے کیفیتیاں جو ان کی طفیل اس عرصہ میں ظاہر ہوئیں شرح و تفصیل سے باہر ہیں۔ اور ان کی بزرگ توجہ کی برکت سے معارف توحید اور اتحاد اور قرب و معیت اور احاطہ اور سریان میں شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہوگا جو اس فقیر پر نہ کھلا ہو۔ اور اس کی حقیقت سے اطلاع نہ دی ہو۔ وحدت کا کثرت میں اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا ان معارف کے مقامات اور مبادی میں سے ہے

غرض جہاں نسبت نقشبندیہ اور ان بزرگواروں کا حضور خاص ہے وہاں ان معارف کا زبان پر لانا اور اس شہود و مشاہدہ کا نشان بتانا نادانی ہے۔

ان بزرگواروں کا کارخانہ بہت بلند ہے اور یہ زراق (مکار) اور یہ رقاص (ناچنے والے) کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جب اس قسم کے بلند درجے والی دولت جناب کے حضور سے اس فقیر کو ملی ہو، تو پھر اس کے عوض اگر تمام عمر کے لیے اپنے سر کو جناب کی بلند درگاہ کے خادموں کے پامال کرتا ہے تو بھی جناب کا حق ادا نہ ہو سکے۔ یہ فقیر اپنی تقصیروں کو کیا عرض کرے اور اپنی شرمندگیوں کا کیا اظہار کرے اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو جزائے خیر دے جنہوں نے ہم کم ہمتوں کا بار شفقت اپنے ذمے لے کر ہمت کو بلند بارگاہ کی خدمت کے لیے باندھا ہے۔ اور ہم دُور پڑے ہوؤں کو اس سے فارغ کر دیا ہوا ہے۔

گر بر تن من شود زبان ہر موئے
یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد!

اگر میرے جسم کا ہر بال زبان بن جائے تب بھی ہزار شکر سے ایک بھی ادا نہیں کر سکتا۔

یہ فقیر تین مرتبہ حضرت ایشاں یعنی خواجہ بزرگوار کی قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا۔ اخیر دفعہ حضور نے اس فقیر کو فرمایا کہ بدن کی کمال کمزوری مجھ پر غالب آگئی ہے اور زندگی کی امید کم ہے۔ بچوں کے احوال سے خبردار رہنا ہوگا۔ اور اسی وقت اپنے حضور میں آپ کو بلایا۔ اور آپ اس وقت دائیوں کی گود میں تھے یعنی دودھ پیتے بچے تھے۔ اور فقیر کو فرمایا کہ ان کی طرف توجہ کرو۔ فقیر نے حکم کے بموجب حضور کی خدمت میں آپ کی طرف توجہ کی حتیٰ کہ اس توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی ماؤں کے لیے بھی غائبانہ توجہ کرو۔ حکم کے موافق غائبانہ توجہ کی گئی۔ امید ہے کہ حضور کی برکت سے اس توجہ کے کئی قسم کے فائدے اور نتیجے حاصل ہوں گے۔ آپ ہرگز تصور نہ کریں کہ حضور کے کسی واجب الامتثال امر اور حضور کی وصیت لازمہ میں کسی قسم کی سُستی یا غفلت واقع ہوئی ہو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ کے اور اذن کا منتظر ہے۔

اب چند فقرے نصیحت کے طور پر لکھے جاتے ہیں، امید ہے کہ گوش ہوش سے سنیں گے:

اَسْعَدَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ۔ خدائے تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے۔ عقلمندوں پر سب سے اوّل فرض ہے کہ اپنے عقائد کو علمائے اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم (جو فرقہ ناجیہ ہیں) کے عقائد کے موافق درست کریں۔ بعض ان عقائد کا بیان کیا جاتا ہے۔ جن میں قدرے پوشیدگی ہے۔

عقیدۂ اوّل

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ و تقدس خود موجود ہے۔ اور تمام اشیاء اسی کی ایجاد سے موجود ہیں۔

اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے۔ اور فی التحقیق کسی امر میں خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی، کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ مشارکت اسمی اور مناسبت لفظی بحث سے خارج ہے۔

عقیدہ دوم

اللہ تعالیٰ کے صفات اور افعال اس کی ذات کی طرح بیچوں اور بیچگون ہیں۔ اور ممکنات کے صفات وافعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ مثلاً صفت العلم حق تعالیٰ کی ایک صفت قدیم اور بسیط حقیقی ہے جس میں تکثر اور تعدد کو ہرگز دخل نہیں ہے۔ اگرچہ وہ تکثر اور تعدد تعلقات کے تعدد کے اعتبار سے ہو۔ کیونکہ وہاں صرف ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ جس سے ازل وابد کے معلومات منکشف ہوتے ہیں، اور تمام اشیاء کو ان کے متضادہ اور متناسبہ احوال کے ساتھ کلی اور جزئی طور پر ہر ایک کے مخصوص اوقات میں آن واحد بسیط جانتا ہے۔ یعنی اسی آن میں زید کو موجود بھی جانتا ہے اور معدوم بھی اور جنین بھی جانتا ہے اور بچہ بھی۔ اور جوان بھی جانتا ہے اور بڑھا بھی۔ اور زندہ بھی جانتا ہے اور مردہ بھی۔ اور کھڑا ہوا جانتا ہے اور بیٹھا ہوا بھی۔ اور تکیہ لگانے والا جانتا ہے اور لیٹا ہوا بھی۔ اور ہنستا ہوا جانتا ہے اور روتا ہوا بھی۔ اور لذت پانے والا جانتا ہے اور رنج ودکھ پانے والا بھی۔ اور عزیز جانتا ہے اور ذلیل بھی۔ اور برزخ میں جانتا ہے اور حشر میں بھی۔ اور جنت میں جانتا ہے اور لذت ونعمت میں بھی۔ پس تعلق تعدد بھی اس موطن میں مفقود ہے۔ کیونکہ تعلقات کا تعدد وقتوں کا تعدد اور زمانوں کا تکثر چاہتا ہے۔ اور وہاں ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آن واحد بسیط ہے۔ جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانہ اور تقدم وتاخر کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

پس حق تعالیٰ کے علم میں اگر ہم معلومات کے ساتھ تعلق ثابت کریں تو ایک ہی تعلق ہوگا جو تمام معلومات کے ساتھ متعلق ہے۔ اور وہ تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے۔ اور صفت العلم کی طرح بیچون و بیچگونہ ہے۔

ہم اس تصور کے استبعاد (یعنی قیاس اور فہم سے دور اور بعید ہونے) کو ایک مثال بیان کر کے دور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں کلمہ کو اس کی مختلف قسموں اور متغائرہ احوال اور متضادہ اعتباروں کے ساتھ جان لے۔ یعنی ایک ہی وقت میں کلمہ کو اسم بھی اور فعل بھی اور حرف بھی اور ثلاثی بھی اور رباعی بھی اور معرب بھی اور مبنی بھی اور ممکن بھی اور غیر ممکن بھی اور منصرف بھی اور غیر منصرف بھی اور معرفہ بھی اور ماضی بھی اور مستقبل بھی اور امر بھی اور نہی بھی جان لے۔ بلکہ اگر وہ شخص یوں کہدے کہ میں کلمہ کے تمام اقسام اور اعتبارات کو کلمہ کے آئینہ میں ایک ہی وقت میں مفصل طور پر دیکھتا ہوں تو

بھی جائز ہے۔ جب ممکن کے علم بلکہ ممکن کی دید میں اضداد کا جمع ہونا متصور ہے تو پھر اس واجب الوجود وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی کے علم میں یہ بات کس طرح بعید معلوم ہوتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس جگہ اگرچہ بظاہر جمع ضدین ہے۔ مگر حقیقت میں ان کے درمیان ضدیت مفقود ہے کیونکہ ہر چند زید کو آن واحد میں موجود اور معدوم جانتا ہے کہ اس کے وجود کا وقت مثلاً ہزار سال سے کے بعد ہے اور اس کے عدم سابق کا وقت اس سال معین سے پہلے ہے اور اس کے عدم لاحق کا وقت گیارہ سو سال کے بعد ہے پس حقیقت میں ان دونوں کے درمیان زمانہ کے تغیر کے باعث کوئی ضدیت نہیں ہے۔ اور باقی احوال کو بھی اسی قیاس پر سمجھنا چاہیئے۔ فافہم ؛

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ حق تعالیٰ کا علم اگرچہ جزئیات کے ساتھ متعلق ہو۔ لیکن تغیر کی آمیزش اس میں دخل نہیں پاتی۔ اور حدوث کا گمان اس صفت میں پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ فلاسفہ نے زعم کیا ہے۔ کیونکہ تغیر اس تقدیر پر متصور ہو سکتا ہے۔ جب کہ ایک کو دوسرے کے بعد جانتا ہو۔ اور جب سب کو آن واحد میں جان لے۔ تو پھر تغیر و حدوث کی گنجائش نہیں ہے۔ پس کچھ حاجت نہیں ہے کہ ہم اس کے واسطے تعلقات متعددہ ثابت کریں تاکہ تغیر و حدوث ان تعلقات کی طرف راجع ہو نہ کہ صفت علم کی طرف جیسے کہ بعض متکلمین نے فلاسفہ کے شبہ کو دفع کرنے کے لیے کیا ہے۔ ہاں اگر معلومات کی جانب میں تعلقات کا تعدد ثابت کریں تو ہو سکتا ہے۔

اور اسی طرح کلام بسیط ہے کہ ازل سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ گویا ہے۔ اگر امر ہے، تو وہیں سے پیدا ہے۔ اور اگر نہی ہے، تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ اور اگر اعلام ہے، تو وہ بھی وہیں سے ماخوذ ہے۔ اور اگر استعلام ہے، تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ اور اگر تمنی یا ترجی ہے، تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے۔

تمام نازل شدہ کتابیں اور مرسلہ صحیفے اس کلام بسیط کا ایک ورق ہیں۔ اگر توریت ہے تو وہیں سے لکھی گئی ہے۔ اور اگر انجیل ہے تو اس نے بھی وہیں سے لفظی صورت حاصل کی ہے۔ اور اگر زبور ہے تو وہیں سے مسطور ہے۔ اور اگر فرقان ہے تو وہ بھی وہیں سے نازل ہوا ہے۔ ع

واللہ کلام حق کرعلی الحق یکیست وبس

واللہ در حقیقت ایک ہی کلام ہے اور بس۔

ان نزول میں مختلف آثار آئے ہیں۔

اور اسی طرح ایک ہی فعل ہے۔ اور اسی ایک فعل کے ذریعے اولین و آخرین مصنوعات وجود میں

آرہے ہیں۔ آیت کریمہ :

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ۔ آنکھ کے جھپکنے کی طرح ہمارا امر صرف ایک ہی ہے۱؎

میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اگر احیا اور اماتت ہے تو اسی فعل سے وابستہ ہے۔ اور اگر انعام یا ایلام ہے تو اسی فعل سے متعلق ہے۔ اور ایسے ہی اگر ایجاد ہے یا اعدام تو وہ بھی اسی فعل سے پیدا ہے پس حق تعالیٰ کے فعل میں بھی تعدد تعلقات ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ہی تعلق سے تمام اوّلین و آخرین کی مخلوقات اپنے اپنے وجود کے مخصوص اوقات میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ یہ تعلق بھی حق تعالیٰ کے فعل کی طرح بیچون و بیچگونہ ہے۔ کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں :

لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاهُ بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں

اشعری۲؎ نے چونکہ حق تعالیٰ کے فعل کی حقیقت سے اطلاع نہ پائی۔ اس لیے تکوین کو حادث کہہ دیا۔ اور حق تعالیٰ کے افعال کو بھی حادث جان لیا۔ اور نہ جانا کہ یہ سب حق تعالیٰ کے ازلی فعل کے آثار ہیں نہ کہ حق تعالیٰ کے افعال۔

اور بعض صوفیہ نے جو تجلی افعال ثابت کی ہے اور اس مقام میں ممکنات کے افعال کے آئینہ میں اس واحد جل شانہٗ کے فعل کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا ہے۔ وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ یعنی وہ تجلی درحقیقت حق تعالیٰ کے فعل کے آثار کی تجلی ہے نہ کہ حق تعالیٰ کے فعل کی تجلی کیونکہ حق تعالیٰ کے فعل کے لیے جو بیچون اور بیچگون اور قدیم اور اس کی ذات کے ساتھ قایم ہے اور جس کو تکوین کہتے ہیں۔ محدثات کے آئینوں میں کوئی گنجائش نہیں اور ممکنات کے مظہروں میں اس کا کوئی ظہور نہیں ہے

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد
در کلبۂ گدایاں سلطاں چہ کار دارد

صورت کے تنگ مقام میں معنی کیسے سما سکتا ہے۔ گداگروں کی کٹیا میں بادشاہوں کا کیا کام۔

افعال و صفات کی تجلی فقیر کے نزدیک ذات کی تجلی کے سوا متصور نہیں ہے۔ کیونکہ افعال و صفات حق تعالیٰ و تقدس کی ذات پاک سے الگ نہیں ہیں۔ تاکہ ان کی تجلی ذات کی تجلی کے سوا متصور ہو سکے۔ اور وہ چیز جو حق تعالیٰ کی ذات سے الگ ہے وہ حق تعالیٰ کی صفات اور افعال کے ظلال ہیں۔ جن کی تجلی کو افعال و صفات کے ظلال کی تجلی کہنا چاہیے نہ کہ افعال و صفات کی تجلی۔ لیکن ہر شخص کا فہم اس کمال

۱؎ سورہ قمر، پارہ ۲۷۔

۲؎ یعنی امام ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ جو علم کلام کے امام ہوئے ہیں۔

تک نہیں پہنچ سکتا:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

عقیدہ تیسرا:

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کوئی چیز اُس میں حلول کرتی ہے۔ اور حق تعالیٰ تمام اشیاء کو محیط ہے اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ہے۔ اس احاطہ اور قرب اور معیت سے وہ مراد نہیں ہے جو ہمارے فہم قاصر میں آسکے۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی جناب پاک کے لائق نہیں۔ اور جو کچھ کشف و شہود سے معلوم کرتے ہیں۔ اس سے بھی منزہ اور پاک ہے کیونکہ ممکن کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کی حقیقت سے سوائے نادانی اور حیرت کے کچھ حاصل نہیں ہے۔ غیب کے ساتھ ایمان لانا چاہیے۔ اور جو کچھ مکشوف و مشہود ہو اُس کو لا کی نفی کے نیچے لانا چاہیے ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

عنقا کسی کے شکار میں نہیں آسکتا۔ اپنا جال سمیٹ لے۔ کیونکہ یہاں جال کے ہاتھ میں ہوا کے سوا کچھ نہیں آتا۔

حضرت ایشاں یعنی خواجہ صاحب بزرگوار کی مثنوی کا یہ بیت اس مقام کے مناسب ہے۔ ؎

ہنوز ایوانِ استغنا بلند است
مرا فکر رسیدن ناپسند است

ابھی بے نیازی کا محل بہت اُونچا ہے۔ اور مجھے وہاں پہنچنے کی فکر سے نفرت ہے۔

پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ اشیاء کو محیط اور ان کے قریب اور ساتھ ہے۔ لیکن اس کے قرب اور احاطہ اور معیت کی حقیقت کو نہیں جانتے کہ کس طرح ہے۔ اس کو احاطہ و قرب علمی کہنا بھی متشابہ تاویلوں سے ہے۔ لیکن ہم ان کی تاویل کے قائل نہیں۔

عقیدہ چوتھا:

اور حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں اور نہ ہی کوئی چیز اس سے متحد ہو سکتی ہے اور جو کچھ کہ صوفیاء کی بعض عبارات سے مفہوم ہوتا ہے۔ وہ ان کی مراد کے برخلاف ہے کیونکہ ان کی مراد اس کلام سے جس سے اتحاد کا

وہم گزرتا ہے یعنی اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہُ سے یہ ہے کہ جب فقر تمام ہو جائے اور محض نیستی حاصل ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ نہ کہ یہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ کفر اور زندقہ ہے۔

تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يَتَوَهَّمُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ — اللہ تعالیٰ ظالموں کے وہم و گمان سے بہت بزرگ و بلند ہے۔

حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ عبارت انا الحق کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں حق ہوں۔ بلکہ یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق موجود ہے۔ اور تغیر و تبدل کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کی طرف راہ نہیں ہے۔

فَسُبْحَانَ الَّذِيْ لَا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهٖ وَلَا بِصِفَاتِهٖ وَلَا فِيْ أَفْعَالِهٖ بِحُدُوْثِ الْأَكْوَانِ۔ — پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات صفات و افعال میں موجودات کے حدوث سے متغیر نہیں ہوتی۔

اور صوفیہ وجودیہ نے جو تنزلات خمسہ ثابت کیے ہیں وہ مرتبہ وجوب میں تغیر و تبدل کی قسم سے نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ کفر و گمراہی ہے بلکہ ان تنزلات کو حق تعالیٰ کے کمال کے مراتب ظہورات میں اعتبار کیا ہے۔ بغیر اس بات کے کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں تغیر و تبدل راہ پائے۔

عقیدہ پانچواں:

اور حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں بھی غنی مطلق ہے۔ اور کسی امر میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے ظہور میں بھی محتاج نہیں ہے۔ اور بعض صوفیہ کی عبارت سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے اسمائی و صفاتی ظہور میں ہمارا محتاج ہے یہ بات اس فقیر پر بہت گراں ہے۔ بلکہ جانتا ہے کہ ان کی پیدائش سے مقصود ان کے اپنے کمالات کا حاصل ہونا ہے۔ نہ وہ کمال جو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف عاید ہو سکے۔ آیۂ کریمہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ أَيْ لِيَعْرِفُوْنِ۔[1] — میں نے جن و انسان کو عبادت و معرفت کے لیے پیدا کیا ہے۔

میں اسی مطلب کی تائید ہے۔

پس جن و انسان کی پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ان کو اپنی معرفت حاصل ہو جائے جو ان کا کمال ہے۔ نہ کوئی ایسا امر جو حق سبحانہٗ کی جناب کی طرف عاید ہو سکے۔ اور حدیث قدسی میں جو یہ واقع ہے

[1] سورۂ ذاریات، پارہ ۲۷۔

فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ[1] ۔ میں نے خلقت کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ پہچانا جاؤں۔

اس جگہ بھی اُن کی معرفت مراد ہے نہ کہ میں معرفت بنوں، اور ان کی معرفت کے ذریعے کمال حاصل کروں؛

تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے۔

عقیدہ چھٹا:

اور حق تعالیٰ نقصان کی تمام صفتوں اور حدوث کے نشانوں سے منزہ اور مبرا ہے نہ جسم و جسمانی ہے اور نہ مکانی اور زمانی ۔ اور صفات کمال اس کے لیے ثابت ہیں۔ جن میں سے آٹھ صفات کمال وجوب تعالیٰ پر وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں ۔ اور وہ صفات یہ ہیں ۔ حیات ، علم ، قدرت ، ارادت ، بصر ، سمع کلام اور تکوین ۔ اور یہ صفات خارج میں موجود ہیں ، اور یہ نہیں کہ وجود ذات پر علم میں وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں ۔ اور خارج میں نفس ذات تعالیٰ و تقدس ہے ۔ جس طرح کہ بعض صوفیہ وجودیہ نے گمان کیا ہے اور اس طرح کہا ہے ؎

از روئے عقل ہمہ غیر اند صفات
با ذات تو از روئے تحقق ہمہ عین

از روئے عقل و علم کے سب صفات غیر ہیں اور از روئے تحقق سب ذات کی عین ہیں ۔

کیونکہ اس میں در حقیقت صفات کی نفی ہے ۔ کیونکہ صفات کی نفی کرنے والوں یعنی معتزلہ اور فلاسفہ نے بھی تغائر علمی اور اتحاد خارجی کہا ہے اور تغائر علمی سے انکار نہیں کیا ہے اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ علم کا مفہوم عین ذات کا مفہوم ہے یا عین قدرت و ارادت کا مفہوم ہے ۔ بلکہ عینیت اور اتحاد باعتبار وجود خارجی کے کہا ہے ۔ پس جب تک وجود خارجی کا تغائر اعتبار نہ کریں صفات کی نفی کرنے والوں سے نہیں نکل سکتے ۔ کیونکہ تغائر اعتباری کچھ نفع نہیں دیتا ، کما عرفت

عقیدہ ساتواں:

اور حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے ۔ اور اس کے سوا کسی کے لیے قدم اور ازلیت ثابت نہیں ہے تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے ۔ اور جو کوئی حق تعالیٰ کے ماسوا قدیم اور ازلی ہونے کا قائل ہوا ہے ، وہ کافر ہے ۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سینا اور فارابی کی تکفیر اسی واسطے کی ہے کہ وہ عقول اور نفوس کے قدم کے قائل ہوئے ہیں اور صورت اور ہیولیٰ کے قدیم ہونے کا گمان کیا ہے ۔ اور آسمانوں کو مع اُن اشیاء کے

---

[1] حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کے معنی بالکل صحیح ہیں۔

جو ان میں ہی قدیم سمجھا ہے۔

اور ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کاملین کے ارواح کے قدم کا قائل ہوا ہے۔ اس بات کو ظاہر کی طرف سے پھیر کر تاویل پر محمول کرنا چاہیے۔ تاکہ اہل ملت کے اجماع کے مخالف نہ ہو۔

عقیدہ آٹھواں:

اور حق تعالیٰ قادر مختار ہے۔ اور ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے منزہ اور مبرا ہے۔ فلاسفہ بے خرد نے کمال کو ایجاب میں جان کر حق تعالیٰ سے اختیار کی نفی کر کے ایجاب کو ثابت کیا ہے اور ان بے وقوفوں نے اس واجب الوجود کو معطل و بے کار سمجھا ہے۔ اور سوائے ایک مصنوع کے کہ وہ بھی ایجاب سے ہے زمین و آسمان کے خالق سے صادر ہوا ہوا نہیں جانتا ہے اور حوادث کے وجود کو عقل فعال کی طرف نسبت دی ہے۔ جس کا وجود ان کے وہم کے سوا کہیں ثابت نہیں ہے۔ اور ان کے گمان میں ان کو حق تعالیٰ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے۔ پس چاہیے کہ اضطراب و اضطرار کے وقت عقل فعال کی طرف التجا کرتے۔ اور حضرت حق سبحانہ کی طرف رجوع نہ کرتے۔ کیونکہ حوادث کے وجود میں اس کا کچھ دخل نہیں جانتے، اور کہتے ہیں کہ صرف عقل فعال ہی حوادث کے ایجاد سے تعلق رکھتی ہے۔ بلکہ فعال کی طرف بھی ان کا رجوع نہیں۔ کیونکہ ان کی بلیات کے دفع کرنے میں اس کا بھی کچھ اختیار نہیں ہے یہ بدبخت اپنی نادانی اور بے وقوفی کے باعث فرقہ ضالین گمراہ فرقوں کے پیش رو ہیں۔ حالانکہ کافر بھی ان بدبختوں کے برخلاف حق تعالیٰ کی طرف التجا کرتے اور بلیات کا دفع کرنا اسی سے طلب کرتے ہیں ان بدبختوں میں بہ نسبت اور تمام فرقوں کے دو چیزیں زیادہ ہیں۔ ایک یہ کہ احکام منزلہ کا کفر اور انکار کرتے۔ اور اخبار رسل کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنے بیہودہ اور واہی مطالب اور مقاصد کے ثابت کرنے میں جس قدر اُن کو خبط لاحق ہوا ہے، اور کسی بے وقوف کو اس قدر لاحق نہیں ہوا۔ آسمان اور ستارے جو ہر وقت بے قرار اور سرگرداں ہیں۔ ان کا مدار کار ان کی اپنی حرکات اور اوضاع پر رکھا ہے۔ اور آسمانوں کے خالق اور ستاروں کے موجد اور محرک اور مدبر کی طرف سے آنکھیں بند کی ہیں۔ اور دور از معاملہ سمجھے ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی بے خرد اور بے وقوف ہیں۔ اور ان میں سے زیادہ کمینہ اور بیوقوف اور احمق وہ شخص ہے جو ان کو دانا اور عقلمند جانتا ہے۔ ان کے مشتق اور منتظم یعنی مرتبہ علوم میں سے ایک علم ہندسہ ہے جو محض لایعنی اور بیہودہ اور لاطائل ہے۔ بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا دونوں زاویہ قائمہ کے ساتھ برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکل عروسی اور مامونی جو کہ

نزدیک بڑی مشکل اور رجا نکاہ ہے۔ کس غرض کے لیے ہے۔

علم طب و نجوم اور علم تہذیب اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہتر علم ہے۔ گزشتہ انبیا علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں سے چرا کر اپنے باطل اور بیہودہ علوم کو رائج کیا ہے، جیسے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ اَلْمُنْقِذُ عَنِ الضَّلَالِ میں اس امر کی تشریح اور تصریح کی ہے۔

اہل سنت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تابعدار اگر دلائل اور براہین میں غلطی کریں تو کچھ ڈر نہیں، کیونکہ ان کے کام کا مدار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید پر ہے اور اپنے مطالب عالیہ کے ثبوت کے لیے دلائل اور براہین کو صرف تبرع کے طور پر لاتے ہیں۔ یہی تقلید اُن کے لیے کافی ہے برخلاف ان بدبختوں کے جو تقلید سے نکل کر صرف دلائل کے ساتھ اپنے مطالب کو ثابت کرنے کے پیچھے پڑے ہیں۔ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی دعوت جب افلاطون کو جو ان بدبختوں کا رئیس ہے پہنچی۔ تو اس نے جواب میں یوں کہا کہ:

نَحْنُ قَوْمٌ مُّهْتَدُوْنَ لَا حَاجَةَ بِنَا اِلٰی مَنْ يَّهْدِيْنَا
ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں ہم کو ایسے شخص کی حاجت نہیں ہے جو ہم کو ہدایت دیوے۔

اس بیوقوف کو چاہیے تھا کہ ایسے شخص کو جو مردوں کو زندہ کرتا، اور مادر زاد اندھوں، اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہے۔ جو ان کی حکمت کے طور سے خارج ہے۔ پہلے دیکھتا اور اس کے حالات کو دریافت کرتا۔ اور پھر جواب دیتا۔ بن دیکھے اس کا جواب دینا اس کی کمال عداوت اور کمینہ پن ہے ؎

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آں
ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است

فلسفہ کا اکثر حصہ جب بے وقوفی اور سفاہت کی باتوں پر مشتمل ہے تو وہ سارا ہی اسی طرح ہے کیونکہ اکثر کو حکم کل کا حکم ہے۔

نَجَّانَا اللّٰهُ عَنْ مُّعْتَقَدَاتِهِمُ السُّوْءِ
اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے برے عقائد سے بچائے۔

فرزندی محمد معصوم نے انہی دنوں میں جواہر شرح مواقف کو تمام کیا ہے اُنکا سبق میں ان بیوقوفوں کی بڑی بڑی قباحتیں ظاہر ہوئیں اور بہت سے فائدے ان پر مترتب ہوئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا
اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور

لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ أَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ | اگر وہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے کر آئے ہیں۔

اور شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض عبارتیں بھی ایجاب کی طرف ناظر ہیں۔ اور قدرت کے معنی میں فلسفہ کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں۔ یعنی ترک کی صحت قادر سے تجویز نہیں کرتا۔ اور فعل کی جانب کو لازم جانتا ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین مقبولوں میں سے نظر آتا ہے۔ اور اس کے اکثر علوم جو آرائے اہل حق کے مخالف ہیں خطا اور ناصواب ظاہر ہوتے ہیں۔ شاید خطاء کشفی کے باعث اس کو معذور رکھا ہے۔ اور خطائے اجتہادی کی طرح ملامت کو اس سے ہٹا رکھا ہے۔

شیخ محی الدین کے حق میں فقیر کا اعتقاد خاص یہی ہے کہ اس کو مقبولوں میں سے جانتا ہے اور اس کے مخالف علوم کو خطا اور مضر دیکھتا ہے۔

اس طائفہ میں سے بعض لوگ شیخ کو طعن و ملامت بھی کرتے ہیں اور اس کے علوم کو بھی خطا پر جانتے ہیں اور بعض لوگ شیخ کی تقلید اختیار کر کے اس کے تمام علوم کو بہتر اور صواب جانتے ہیں اور ان علوم کی حقیقت کو دلائل و شواہد کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ اور شک نہیں کہ ان دونوں فریقوں نے افراط و تفریط کا رستہ اختیار کیا ہے۔ اور راہ اعتدال سے دور رہے ہیں۔ شیخ کو جو مقبول اولیاء میں سے ہے خطائے کشفی کے باعث کس طرح رد کیا جائے۔ اور اس کے علوم کو جو صواب سے دور اور اہل حق کی آراء کے مخالف ہیں تقلید سے کس طرح قبول کیے جائیں:

فَالْحَقُّ هُوَ التَّوَسُّطُ الَّذِيْ وَفَّقَنِيَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ۔ | پس حق یہی درمیانی راہ ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے بخشی ہے۔

اس مسئلہ وحدت وجود میں اس گروہ میں سے ایک جم غفیر یعنی بہت سے لوگ شیخ کے ساتھ شریک ہیں۔ اگرچہ شیخ اس مسئلہ میں بھی طرز خاص رکھتا ہے۔ لیکن اصل بات میں سب کے سب باہم شریک ہیں یہ مسئلہ بھی اگرچہ بظاہر اہل حق کے مخالف ہے۔ لیکن توجیہ کے قابل اور جمع کے لائق ہے۔

اس فقیر نے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہ صاحب) قدس سرہ کی رباعیات کی شرح میں اس مسئلہ کو اہل حق کے معتقدات کے ساتھ جمع کیا ہے اور فریقین کی نزاع کو لفظ کی طرف راجع کیا ہے۔ اور دونوں طرف کے شکوک اور شبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ اُس میں کوئی شک و شبہ کا محل نہیں رہا:

كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى النَّاظِرِ فِيْهِ | جیسے کہ اس کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے۔

عقیدہ ثوان:

جاننا چاہیے کہ ممکنات کیا جواہر کیا اعراض اور کیا اجسام اور کیا عقول اور کیا نفوس اور کیا افلاک اور کیا عناصر سب کے سب اس قادر مختار کی ایجاد کی طرف منسوب ہیں جو ان کو عدم کی پوشیدگی سے وجود میں لایا ہے۔ اور جس طرح یہ سب چیزیں اپنے وجود میں حق تعالیٰ کی محتاج ہیں۔ اسی طرح بقا میں بھی اس کی محتاج ہیں۔ اور اس نے اسباب اور وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے۔ اور حکمت کو اپنی قدرت کا پردہ بنایا ہے۔ نہیں بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے لیے دلائل بنایا ہے۔ اور حکمت کو قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ دانا لوگ جن کی بصیرت کی آنکھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے سرمہ سے سرمگیں اور روشن ہوئی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اسباب و وسائل جو اپنے وجود اور بقا میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اور اپنا ثبوت و قیام اسی سے اور اسی کے ساتھ رکھتے ہیں۔ حقیقت میں جماد محض ہیں۔ وہ کس طرح دوسرے میں جو وہ بھی انہی کی طرح جماد محض ہے تاثیر کر سکتے ہیں۔ اور اس میں اختراع و احداث کس طرح پیدا کر سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے سوا اور قادر ہے جو ان کو ایجاد کرتا اور ہر ایک کے لائق اور مناسب کمالات ان کو عطا فرماتا ہے۔ اور جس طرح کہ عقلمند جماد محض سے فعل کو دیکھ کر اس کے فاعل اور محرک کی طرف سراغ لے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں، کہ یہ فعل اس جماد کے حال کے مناسب نہیں ہے۔ بلکہ اس کے سوا کوئی اور فاعل ہے جو اس فعل کو اس میں ایجاد کرتا ہے۔ پس جماد کا فعل عقلمندوں کے نزدیک فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش ثابت نہ ہوا۔ بلکہ اس کی جمادیت کی طرف نظر کرنے کے لحاظ سے اس کا وہ فعل فاعل حقیقی کے وجود پر دلیل ہے۔ پس یہاں بھی اسی طرح ہے۔ ہاں اس بیوقوف کے فعل میں جماد کا فعل فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش ہے جس نے اپنی کمال نادانی اور بیوقوفی کے باعث جماد محض کو اس فعل کے سبب صاحب قدرت سمجھا ہے اور فاعل حقیقی کی طرف سے کافر اور منکر ہوا ہے:

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا۔ — بہت کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت کو اس سے ہدایت دیتا ہے۔

یہ معرفت مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہے۔ لیکن ہر ایک شخص کا فہم یہاں تک نہیں پہنچتا۔ اکثر لوگ کمال کو اسباب کے رفع کرنے میں جانتے ہیں اور اشیا کو ابتدا ہی سے اسباب کے ذریعہ کے بغیر حضرت حق سبحانہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اسباب کے رفع کرنے میں اس حکمت کا رفع ہوتا ہے جس کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں مدنظر ہیں۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ — اے رب ہمارے تو نے اس کو باطل پیدا نہیں کیا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسباب کو مدِ نظر رکھتے ہیں اور باوجود اس رعایت کے اپنے امر و کام حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدنظری کا لحاظ کر کے اپنے بیٹوں کو فرمایا:

يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ۔ — اے میرے بیٹو ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔

اور باوجود اس رعایت کے پھر اپنے امر کو حق جل سلطانہٗ کے سپرد کر کے فرمایا:

مَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔ — میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بے پرواہ نہیں کرتا حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ میں نے اسی پر توکل کیا اور توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔

اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان کی اس معرفت کو پسند فرمایا۔ اور اپنی طرف نسبت دے کر اس طرح فرمایا ہے:

وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ — اور وہ بے شک بہت ہی صاحب علم تھا اس لیے کہ ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ بھی قرآن مجید میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اسباب کے توسط کی طرف اشارہ فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ — اے نبی تجھے اللہ اور تابعدار مومن کافی ہیں۔

باقی رہی اسباب کی تاثیر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات تاثیر کو ان میں پیدا نہ کرے اور کوئی اثر ان پر مترتب نہ ہو۔ جیسے کہ ہم روزمرہ اسباب میں اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسببات کے وجود مترتب ہوتے ہیں۔ اور کبھی کوئی اثر ان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر کا مطلق انکار کرنا مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے۔ تاثیر کو ماننا چاہیے اور اسی تاثیر کو اس سبب کے وجود کی طرح حضرت حق سبحانہٗ و

۱؎ سورۂ یوسف، پارہ ۱۳۔ ۲؎ سورۂ یوسف، پارہ ۱۳۔

۳؎ سورۂ یوسف، پارہ ۱۳۔

تعالیٰ کی ایجاد سے جاننا چاہیے۔ فقیر کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اسباب کا توسط اور وسیلہ توکل کے منافی نہیں ہے۔ جیسے کہ اکثر ناقصوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ اسباب کے توسط میں کمال توکل ہے۔

حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسباب کو مدنظر رکھ کر اپنے کام کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سپرد کرنے کو توکل فرمایا ہے:

عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔ — میں نے اسی پر توکل کیا اور توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔

عقیدہ دسواں:

اور حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا اور ان دونوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ہے۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا دقیق فرق ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اہل سنت وجماعت کو ہدایت فرمائی ہے۔ باقی تمام فرقے اس فرق کی طرف ہدایت نہ پانے کے باعث گمراہ ہو گئے۔

معتزلہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق کہتے ہیں اور کفر و معاصی کی ایجاد کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور شیخ محی الدین اور اُن کے تبعین کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان اور اعمال صالحہ اسم الہادی کے پسندیدہ ہیں۔ اسی طرح کفر و معاصی بھی اسم المضل کے پسندیدہ ہیں۔

یہ بات بھی اہل حق کے مخالف ہے اور ایجاب کی طرف میلان رکھتی ہے جو رضا کا منشا ہے۔ جس طرح کہیں کہ اشراق و افاضات آفتاب کی پسندیدہ ہے۔ اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے بندوں کو قدرت و ارادہ دیا ہے کہ اپنے اختیار سے افعال کا کسب کرتے ہیں۔ افعال کا پیدا کرنا حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ اور ان افعال کا کسب بندوں کی جانب منسوب ہے۔ عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ پہلے بندہ اپنے فعل کا قصد کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ بندہ کا فعل اپنے قصد و اختیار سے صادر ہوتا ہے۔ اس لیے مدح و ذم اور ثواب و عذاب بھی اسی کے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ بندے کا اختیار ضعیف ہے۔ تو بجا ہے۔ اور اگر اس لحاظ سے کہا ہے کہ فعل مامور کے ادا کرنے میں کافی نہیں ہے، تو صحیح نہیں ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَا یُکَلِّفُ بِمَا لَیْسَ فِیْ وُسْعِهٖ بَلْ یُرِیْدُ الْیُسْرَ — کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے فعل کے لیے تکلیف نہیں دیتا جو بندے کی طاقت سے باہر ہے بلکہ وہ تو آسانی

وَلَا يُرِيدُ الْعُسْرَ۔ ہی چاہتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں کرتا۔

غرض یہ کہ فعل موقت یعنی چند روزہ فعل پر ہمیشہ کی جزا کا مقرر کرنا حق تعالیٰ عزیز و حکیم کی تقدیر کے حوالہ ہے جس نے کفر موقت کے لیے ہمیشہ کا عذاب برابر برابر جزا فرمائی۔ اور دائمی لذت و نعمت کو ایمان موقت پر وابستہ کیا۔ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔

حق تعالیٰ کی توفیق سے اس قدر تو ہم بھی جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ کی نسبت (جو ظاہری اور باطنی نعمتوں کا دینے والا اور زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور جس کی پاک بارگاہ کے لیے ہر قسم کی زندگی اور کمال ثابت ہے) کفر اختیار کرنے کے لیے جزا بھی ایسی ہونی چاہیے جو تمام عذابوں سے بڑھ کر ہو۔ اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنا ہے اور ایسے ہی اس منعم بزرگ پر غیب کے ساتھ ایمان لانے اور نفس و شیطان کی مزاحمت کے باوجود اس کو راست گو جاننے کے لیے جزا بھی ویسی ہونی چاہیے۔ جو سب جزاؤں سے بہتر اور اعلیٰ درجہ کی ہو۔ اور وہ ناز و نعمت و لذت میں ہمیشہ رہنا ہے۔

بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بہشت میں داخل ہونا درحقیقت حق تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اور ایمان کے ساتھ اس کو وابستہ کرنا اس لیے ہے کہ جو کچھ اعمال کی جزا ہوتی ہے وہ زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔

فقیر کے نزدیک بہشت میں داخل ہونا ایمان سے وابستہ ہے لیکن ایمان حق تعالیٰ کا فضل اور اس کا عطیہ ہے۔ اور دوزخ میں داخل ہونا کفر پر منحصر ہے۔ اور کفر نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتا ہے:

مَآ أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ جو تجھے نیکی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور
وَمَآ أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ جو تجھے برائی پہنچے تو وہ تیرے نفس سے ہے۔

جاننا چاہیے کہ بہشت میں داخل ہونے کو ایمان کے ساتھ وابستہ کرنے میں درحقیقت ایمان کی تعظیم ہے۔ بلکہ مومن بہ کی تعظیم ہے۔ جس پر اتنا بڑا عظیم الشان اجر مرتب ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی دوزخ میں داخل ہونے کو کفر کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ کفر کی حقارت اور اس ذات بزرگ کی کہ جس کی نسبت یہ کفر وقوع میں آیا ہے فضیلت ہے۔ جس پر ایسا ہمیشہ کا عذاب مترتب ہوتا ہے۔ برخلاف اس بات کے جو بعض مشائخ نے کہی ہے، جو اس دقیقہ سے خالی ہے۔ اور نیز ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل ہونے کے لیے جو اس کا عدیل ہے کوئی مثال اس طرح پر جاری نہیں ہے۔ کیونکہ دوزخ میں داخل ہونا درحقیقت

له سورہ نساء، پارہ ۵۔

کفر پر موقوف ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَلْمُلْہِمُ ھٰذَا۔

عقیدہ گیارھواں:

اور آخرت میں مومن لوگ اللہ تعالیٰ کو بے جہت و بے کیف اور بے شبہ و بے مثال جنت میں دیکھیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے اہل سنت و جماعت کے سوا تمام اہل ملت و غیر اہل ملت فرقے منکر ہیں اور بے جہت اور بے کیف دیدار کو جائز نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ شیخ محی الدین بن عربی بھی دیدار آخرت کو تجلی صوری کی حالت میں بیان کرتا ہے۔ اور تجلی صوری کے سوا تجویز نہیں کرتا۔

ایک دن حضرت ایشاں قدس سرہ اپنے شیخ سے نقل کرتے تھے کہ اگر معتزلہ دیدار کو تنزیہ کے مرتبہ میں مقید نہ کرتے اور تشبیہ کے بھی قائل ہوتے اور دیدار کو اس تجلی میں بھی جانتے تو ہرگز دیدار کا انکار نہ کرتے، اور محال نہ سمجھتے۔ یعنی ان کا انکار بے جہتی اور بے کیفی سے ہے جو مرتبہ تنزیہ کے ساتھ مخصوص ہے برخلاف اس تجلی کے کہ اس میں جہت و کیف ملحوظ ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ دیدار آخرت کو تجلی صوری کی طرح بیان کرنا درحقیقت دیدار سے انکار کرنا ہے کیونکہ وہ تجلی صوری اگرچہ دنیا کی صوری تجلیات سے جدا ہے۔ تاہم حق تعالیٰ کا دیدار نہیں ہے ؎

یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ

وَاِدْرَاکٍ وَّضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

مومن اسے بے کیف اور بلا ادراک اور بغیر کسی مثال کے دیکھیں گے۔

عقیدہ بارھواں:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبعوث ہونا اہل جہان کے لیے سراسر رحمت ہے۔ اگر ان بزرگوں کا واسطہ اور ذریعہ نہ ہوتا۔ تو ہم گمراہوں کو اس واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کی معرفت کی طرف کون ہدایت فرماتا۔ اور ہمارے مولیٰ جل شانہ کی پسند اور ناپسند کی چیزوں میں کون تمیز کرتا ہماری ناقص عقلیں ان بزرگوں کے نور دعوت کی تائید کے بغیر معزول و بیکار ہیں۔ اور ہمارے ناتمام اور ادھورے فہم ان تقلید کے بغیر اس معاملہ میں بے بس و خوار ہیں۔ ہاں عقل بھی اگرچہ حجت ہے لیکن حجت ہونے میں ناتمام ہے اور مرتبہ بلوغ تک نہیں پہنچی ہے۔ حجت بالغہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہے۔ جس پر آخرت کا دائمی عذاب و ثواب وابستہ ہے۔

سوال:

جب آخرت کا دائمی عذاب بعثت پر موقوف ہے تو پھر بعثت کو رحمت عالمیان کہنا کس وجہ سے ہے؟

جواب:

بعثت عین رحمت ہے جو واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کی معرفت کا سبب ہے جو دنیا و آخرت کی سعادت کو متضمن ہے۔ اور بعثت کی بدولت معلوم ہو گیا ہے کہ یہ چیز حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے مناسب ہے اور یہ چیز نامناسب ہے۔ کیونکہ ہماری اندھی اور لنگڑی عقل جو حدوث اور امکان کے داغ سے داغدار ہے۔ کیا جانتی ہے کہ اس حضرت وجوب کے لیے جس کے واسطے قدم لازم ہے اس کے اسماء و صفات و افعال میں سے کون سے مناسب ہیں اور کون سے نامناسب۔ تاکہ ان کا اطلاق کیا جائے۔ اور ان سے اجتناب کیا جائے۔ بلکہ بسا اوقات اپنے نقص کی وجہ سے کمال کو نقصان اور نقصان کو کمال سمجھتی ہے۔ یہ تمیز فقیر کے نزدیک تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ وہ شخص بہت بدبخت ہے جو امور نامناسب کو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کرے۔ اور ناشائستہ اشیا کو حق سبحانہٗ کی طرف نسبت دے۔ بعثت ہی کی بدولت حق باطل سے جدا ہوا ہے۔ اور بعثت ہی کی وجہ سے عبادت کی مستحق ذات اور غیر مستحق میں تمیز ہوئی ہے۔ وہ بعثت ہی ہے جس کے ذریعے حق تعالیٰ کے راستہ کی طرف دعوت کرتے ہیں اور بندوں کو مولیٰ جل سلطانہٗ کے قرب اور وصل کی سعادت تک پہنچاتے ہیں۔ اور بعثت کے ذریعے حق تعالیٰ کی مرضیات پر اطلاع حاصل ہوتی ہے۔ جیسے کہ گزر چکا۔ اور بعثت ہی کے طفیل حق تعالیٰ کے ملک میں تصرف کے جواز اور عدم جواز میں تمیز ہوتی ہے۔ بعثت کے اس طرح کے فائدے بکثرت ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بعثت سراسر رحمت ہے۔ اور جو شخص اپنے نفس امارہ کی خواہش کے تابع ہو جائے اور شیطان لعین کے حکم سے بعثت کا انکار کر دے اور بعثت کے موافق عمل نہ کرے تو بعثت کا کیا گناہ ہے اور بعثت کیوں رحمت نہیں ہے۔

سوال:

عقل فی ذاتہٖ اگرچہ جل شانہٗ کے احکام میں ناقص و ناتمام ہے۔ لیکن یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ تصفیہ اور تزکیہ کے حاصل ہونے کے بعد عقل کو مرتبہ وجوب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ بے تکیف مناسبت اور اتصال پیدا ہو جائے۔ جس کے سبب احکام کو وہاں سے اخذ کر لے اور اس کو اس بعثت کی جو فرشتہ کے واسطے سے ہے کوئی حاجت نہ رہے؟

جواب:

عقل اگرچہ یہ مناسبت اور اتصال پیدا کر لے لیکن یہ تعلق جو اس کا اس مادی صورت کے ساتھ ہے پوری طرح دور نہیں ہوتا اور اس کو پورا پورا تجرد حاصل نہیں ہوتا۔ پس واہمہ ہمیشہ اس کا دامن گیر رہتا

ہے۔ اور متخیلہ ہرگز اس کا خیال نہیں چھوڑتی۔ اور قوت غضبی اور شہوی ہمیشہ اس کی دوست رہتی ہیں اور حرص وشر کی رذیل صفتیں اس کی ہمنشیں ہوتی ہیں۔ اور سہو ونسیان جو نوع انسان کا لازمہ ہے۔ اس سے دُور نہیں ہوتے۔ اور خطا اور غلطی جو اس جہان کا خاصہ ہے، اس سے الگ نہیں ہوتے۔ لہٰذا عقل اعتماد کے لائق نہیں ہے۔ اور اس کے حاصل کیے ہوئے وہم کے غلبہ اور خیال کے تصرّف سے نہیں بچ سکتے۔ اور نقصان کی آمیزش اور خطا کے گمان سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ برخلاف فرشتہ کے کہ وہ ان اوصاف سے پاک اور ان رذائل سے مبرا ہے۔ پس وہ بالضرور اعتماد کے لائق ہوگا۔ اور اس کے ماخوذہ احکام وہم وخیال کی آمیزش اور نسیان وخطا کے گمان سے محفوظ ہوں گے۔ اور بعض اوقات ان علوم میں جو تلقی روحانی سے اخذ کیے ہوتے ہیں، محسوس ہوتا ہے کہ قوٰی وحواس کے ساتھ ان کی تبلیغ کی اثناء میں بعض مقدمات مسلّمہ غیر صادقہ جو وہم وخیال وغیرہ کے ذریعے حاصل ہوئے ہوتے ہیں ان علوم میں اس طرح مل جاتے ہیں کہ اس وقت ہرگز تمیز نہیں کر سکتے۔ اور ثانی الحال میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس تمیز کا علم حاصل ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔ پس وہ علوم ان مقدمات کے مل جانے کے باعث کذب کی ہیئت پیدا کر لیتے ہیں۔ اور پھر اعتماد کے قابل نہیں رہتے یا دوسرا اس کا یہ جواب ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ تصفیہ اور تزکیہ کا حاصل ہونا ان اعمال صالحہ کے بجالانے پر موقوف ہے جو حق تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اور یہ امر بعثت پر موقوف ہے۔ جیسے کہ گزر چکا۔

پس ثابت ہوا کہ بعثت کے بغیر تصفیہ اور تزکیہ کی حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ صفائی جو کافروں اور فاسقوں کو حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے نہ قلب کی صفائی اور صفائے نفس سے گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور خسارہ کے سوا کچھ نہیں آتا۔ اور بعض امور غیبی کا کشف جو صفائی کے وقت کافروں اور فاسقوں کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ استدراج ہے جس سے مقصود ان لوگوں کی خرابی اور خسارت ہے:

نَجَّانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ هٰذِهِ الْبَلِيَّةِ	اللہ تعالیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ
بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ	وسلم کے طفیل ہم کو اس بلا سے
الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَعَلٰى اٰلِهٖ	بچائے۔

اور اس تحقیق سے واضح ہوا کہ تکلیف شرعی جو بعثت کی راہ سے ثابت ہوئی ہے وہ بھی رحمت ہے نہ کہ جس طرح تکالیف شرعی کے منکروں یعنی ملحدوں اور زندیقوں نے گمان کیا ہے۔ اور تکلیف کو کلفت سے تصوّر کر کے غیر معقول اور ناپسند جانتا ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ یہ کونسی مہربانی ہے کہ بندوں کو

سخت مشکل امور کی تکلیف دیں اور کہیں کہ اگر تم اس تکلیف کے بموجب عمل کرو گے تو بہشت میں جاؤ گے اور اگر اس کے برخلاف کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے ان کو ایسے امور کی کیوں تکلیف دیتے ہیں ان کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے کہ کھائیں پئیں اور سو رہیں اور اپنے حال میں رہیں۔ یہ بدبخت اور بیوقوف نہیں جانتے کہ منعم کا شکر از روئے عقل کے واجب ہے۔ اور یہ تکلیفات شرعیہ اس شکر کے بجا لانے کا بیان ہے پس تکلیف عقل کی رُو سے واجب ہے، اور نیز جہان کا انتظام اس تکلیف پر منحصر ہے۔ اگر ہر ایک کو اپنے اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو اُن سے سوائے شرارت اور فساد کے کچھ ظاہر نہ ہوتا۔ ہر ایک دوسرے کے جان و مال میں دست درازی کرتا اور خبث و فساد سے پیش آتا۔ اور خود بھی ضائع ہوتا اور دوسرے کو بھی ضائع کرتا۔ عَیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ اگر شرعی موانع اور زواجر نہ ہوتے۔ تو معلوم نہیں کس قدر شرارت اور فساد ظاہر ہوتا:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۱؎ اے دانا تو قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔

شعر
کند زنگئے مست در کعبہ قے
اگر چوب حاکم نباشد زپے!

زنگی مست کعبہ میں قے کرے۔ اگر حاکم کی لاٹھی سر پر نہ ہو۔

یا ہم یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ خود مختار مالک ہے اور بندے اس کے مملوک اور غلام ہیں۔ پس جو حکم و تصرف جو وہ ان میں فرماتا ہے عین خیر و صلاح ہے۔ اور ظلم و فساد کی آمیزش سے منزہ اور مبرا ہے:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ ۲؎ جو وہ کرتا ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔

شعر
کرا زہرۂ آنکہ از بیم تو
کشاید زباں جز بہ تسلیم تو

کسے طاقت ہے کہ تیرے خوف کے باعث تسلیم حکم کے سوا لب کشائی کرے

اگر سب کو دوزخ میں بھیج دے اور ان کو ہمیشہ کا عذاب فرمائے۔ کوئی اعتراض کی جگہ نہیں۔ اور غیر کے ملک میں یہ تصرف نہیں ہے جو ستم کی صورت پیدا کرے۔ برخلاف ہمارے املاک کے جو در حقیقت اسی کے اُملاک ہیں۔ ان املاک میں ہمارے تمام تصرفات عین ستم ہیں کیونکہ صاحب شرع نے بعض مصلحتوں کے باعث ان اُملاک کو ہماری طرف منسوب کیا ہے اور در حقیقت اسی کے املاک ہیں۔ پس ہمارا تصرف ان اُملاک میں اسی قدر جائز ہے جس قدر کہ اس مالک مختار نے اسی تصرف کو جائز قرار دیا ہے۔ اور ہمارے

۱؎ پارہ سیقول، سورۂ بقرہ
۲؎ پارہ اقترب، سورۂ انبیاء

لیے مباح کیا ہے۔ اور جو کچھ ان بزرگوں یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حق جل وعلا کی جناب سے خبر دی ہے۔ اور جن احکام کا بیان فرمایا ہے سب سچ اور واقع کے مطابق ہیں۔ اور اگرچہ ان بزرگواروں کے اجتہادی احکام میں خطا کو جائز کہا گیا ہے۔ لیکن خطا کی تقریر کو ان کے حق میں جائز نہیں رکھا اور کہا ہے کہ ان کو خطا پر جلدی آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ اور صواب و بہتری سے اس کا تدارک فرماتے ہیں:

فَلَا اعْتِدَادَ بِذٰلِكَ الْخَطَاءِ   لہٰذا یہ خطا کسی گنتی میں نہیں ہے۔

عقیدہ تیرھواں:

اور قبر کا عذاب کافروں کو اور بعض گنہگار مومنوں کے لیے حق ہے۔ مخبر صادق علیہ وعلی آلہ الصلوٰت والتسلیمات نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔

عقیدہ چودھواں:

اور قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر و نکیر کا سوال بھی حق ہے۔ قبر دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخ ہے۔ اس کا عذاب ایک وجہ سے عذاب دنیوی سے مناسبت رکھتا ہے اور انقطاع پذیر ہے اور دوسری وجہ سے عذاب آخرت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے جو درحقیقت آخرت کے عذاب سے ہے۔ آیت کریمہ:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۔   صبح و شام وہ آگ کے پیش کیے جاتے ہیں۔

عذاب قبر میں نازل ہوئی ہے۔ اور اسی طرح قبر کا آرام بھی دو پہلو رکھتا ہے۔ وہ شخص بہت ہی سعادت مند ہے جس کی لغزشوں اور قصوروں کو کمال کرم اور مہربانی سے بخش دیں اور اس کا مواخذہ نہ کریں۔ اور اگر مواخذہ کے مقام میں آئے بھی تو کمال مہربانی سے دنیا کے رنجوں اور مصیبتوں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیں۔ اور جو کچھ بقیہ رہ جائے تو قبر کی تنگی اور ان تکلیفوں کو جو اس مقام میں مقرر کی ہوئی ہیں اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیں تاکہ پاک و پاکیزہ حشر میں اٹھے۔ اور جس شخص کے لیے ایسا نہ کریں اور اس کا مواخذہ آخرت پر موقوف رکھیں اس کے حق میں بھی عدل ہے۔ لیکن گنہگاروں اور خسارہ والوں کے حال پر افسوس ہے ہاں جو کوئی اہل اسلام سے ہے۔ اس کا انجام رحمت سے ہے اور عذاب ابدی سے محفوظ ہے۔ یہ بھی بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ   اے ہمارے رب سید المرسلین
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ   صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل ہمارے نور کو

لہ سورہ مومن، پارہ فمن اظلم ۱۲

الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ ۔ — کامل کر اور ہمارے گناہوں کو بخش تو ہر شے پر قادر ہے۔

عقیدہ پندرھواں:

روزِ قیامت حق ہے اور اس دن آسمان و زمین اور ستارے اور پہاڑ اور سمندر اور حیوان اور نباتات اور معادن سب کے سب معدوم اور ناچیز ہو جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے پراگندہ ہو کر گر پڑیں گے۔ اور زمین و پہاڑ اڑ جائیں گے۔ یہ اعدام اور افنا نفخہ اولیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور نفخہ ثانیہ میں قبروں سے اُٹھیں گے اور حشر میں جائیں گے۔

اہلِ فلسفہ آسمانوں اور زمینوں کے نیست و نابود ہونے کو نہیں مانتے۔ اور ان کا فانی اور فاسد ہونا جائز نہیں سمجھتے۔ اور ان کو ازلی ابدی کہتے ہیں اور باوجود اس کے ان میں سے بعض لوگ اپنی بیوقوفی کے باعث اپنے آپ کو اہلِ اسلام کے گروہ سے جانتے ہیں۔ اور بعض اسلامی احکام کے بجالانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض اہلِ اسلام ان کی ان باتوں پر یقین کر لیتے ہیں اور بے تحاشا ان کو مسلمان جانتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ان لوگوں میں بعض کے اسلام کو کامل جانتے ہیں۔ اور اگر کوئی ان کو طعن و تشنیع کرے تو بہت بُرا مناتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ نصوص قطعیہ کے منکر ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے اجماع کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝[1] — جس وقت آفتاب کے نور کی چادر کو لپیٹ لیا جائے۔ اور جس وقت تارے جھڑ پڑیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ۝ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝[2] — اور جب آسمان پھٹ جائے اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سنے اور اسی لائق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۔ ای شُقَّتْ — اور آسمان پھٹ کر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔

---

١ سورہ تکویر، پارہ عم۔ ٢ سورہ انشقاق، پارہ عم۔

اس قسم کی آیتیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ صرف کلمہ شہادت کا منہ سے بول لینا اسلام میں کافی نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام چیزوں کی تصدیق ضروری ہے۔ جن کا بجا لانا اور ان پر عمل درآمد کرنا دین کی ضروریات سے سمجھا گیا ہے۔ اور کفر و کافری سے تبرا یعنی بیزار ہونا بھی ضروری ہے۔ تاکہ اسلام ثابت ہو جائے۔ وَدُونَهٗ خَرْطُ الْقَتَادِ۔ (ورنہ کچھ بھی نہیں ہے)۔

عقیدہ سولھواں :

اور حساب اور میزان اور پل صراط حق ہے کہ مخبر صادق علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی نسبت خبر دی ہے۔ اور نبوت کے حال سے بعض جاہلوں کے نزدیک ایسے امور کا بعید از عقل ہونا اعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ نبوت کی حقیقت عقل کی حقیقت سے برتر ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سچی خبروں کو نظر عقل کے ساتھ موافق کرنا درحقیقت طور نبوت سے انکار کرنا ہے۔ کیونکہ یہاں تو معاملہ تقلید پر ہے۔ نہیں جانتے کہ شان نبوت طور عقل کے مخالف ہے۔ بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید کے ایسے حال مطالب کی طرف ہدایت نہیں پا سکتی۔ مخالفت اور چیز ہے اور وہاں تک نہ پہنچنا اور شے۔ کیونکہ مخالفت مطلب تک پہنچنے کے بعد متصور ہوتی ہے۔

عقیدہ سترھواں :

بہشت و دوزخ موجود ہیں۔ قیامت کے دن حساب لینے کے بعد ایک گروہ کو بہشت میں اور ایک دوزخ میں بھیج دیں گے۔ اور ان کا ثواب و عذاب ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ جیسے کہ قطعی اور پختہ نصوص اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔

صاحب فصوص کہتا ہے کہ سب کا انجام رحمت سے ہے :

اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ   میری رحمت سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے۔

اور کفار کے لیے دوزخ کا عذاب تین حقبہ[1] تک ثابت کرتا ہے۔ اور بعد ازاں کہتا ہے کہ آگ ان کے حق میں برد اور سلام یعنی ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث بن جائے گی۔ جیسے کہ حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہو گئی تھی۔ اور حق تعالیٰ کی وعید میں خلاف جائز سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ کوئی اہل دل صوفی کفار کے ہمیشہ کے عذاب کی طرف نہیں گیا۔ اس مسئلہ میں بھی صواب سے دور جا پڑا ہے۔ اور اس نے نہیں جانا ہے کہ مومنوں اور کافروں کے حق میں رحمت کا وسیع ہونا صرف دنیا ہی میں مخصوص ہے اور آخرت میں کافروں کو رحمت کی بو بھی نہ پہنچے گی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

---

[1] حقبہ اسی برس کے عرصے کو کہتے ہیں۔

اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۔	میری رحمت سے کافروں کے سوا اور کوئی نااُمید نہ ہوگا۔

اور رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کے بعد فرماتا ہے:

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ۔	پھر میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کیلئے لکھوں گا جو متقی ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

شیخ نے آیت کے اوّل حصہ کو پڑھا ہے اور آخر حصہ پر عمل نہیں کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ	اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔

اور آیت کریمہ:

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ	بس ہرگز گمان نہ کر کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کریگا۔

خلف وعدہ کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتی۔

ہو سکتا ہے کہ اس جگہ وعدہ خلافی کے نہ ہونے کا ذکر! وانحصار اس سبب سے ہو کہ وعدہ سے اس جگہ مراد رسولوں کی نصرت اور فتح اور کفار پر ان کا غلبہ ہے۔ اور یہ بات وعدہ و وعید کو متضمن ہے۔ یعنی مومنوں کے لیے وعدہ ہے اور کفار کے لیے وعید۔ تو گویا اس آیت میں خلف وعدہ کی بھی اور خلف وعید کی بھی نفی ہے۔ فَالْاٰيَةُ مُسْتَشْهَدَةٌ عَلَيْهِ لَا لَهٗ " تو آیت مذکورہ شیخ کے خلاف ہے اس کی موید نہیں" اور نیز وعید میں خلاف ہونا وعدہ کے خلاف کی طرح کذب کو مستلزم ہے۔ اور یہ بات حق تعالیٰ کی بلند بارگاہ کے مناسب نہیں ہے۔ یعنی حق تعالیٰ نے ازل میں جان لیا تھا کہ کفار کو ہمیشہ کا عذاب نہ دوں گا۔ اور پھر باوجود اس بات کے کسی مصلحت کے لیے اپنے علم کے خلاف کہہ دیا کہ ان کو ہمیشہ کا عذاب کروں۔ اس امر کا تجویز کرنا نہایت ہی بُرا ہے۔[4]

---

[1] سورۃ یوسف، پارہ ۱۳۔ [2] سورۃ اعراف، پارہ قال الملأ۔

[3] سورہ ابراہیم، پارہ وما ابرئ۔

[4] حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام پر اس مسئلے کو بھی صاف کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ امکان کذب کے عیب سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ چنانچہ اس بارے میں حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ کے اصل فارسی الفاظ یہ ہیں:

پس گویا دریں کریمہ ہم خلف وعدہ منتفی شد و ہم خلف وعید۔	پس اس آیت میں گویا خلاف وعدہ بھی نفی ہو گئی اور خلاف وعید کی بھی۔
وایضاً خلف در وعید در رنگ خلف در وعد	نیز خلف وعید بھی خلف وعدہ کی طرح مستلزم

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ

تیرا رب جو عزت والا رب اس بات سے برتر و پاک ہے جس کے ساتھ اس کو وصف کرتے ہیں۔ اور مرسلین پر سلام ہو۔

اور کفار کے لیے دائمی عذاب کے نہ ہونے پر اہل دل کا اجماع صرف شیخ کا اپنا کشف ہے۔ اور کشف میں خطا کی مجال بہت ہے۔ اور چونکہ یہ کشف مسلمانوں کے اجماع کے مخالف ہے اس لیے اس کا کچھ اعتبار اور شمار نہیں ہے۔

عقیدہ انحصار حوال:

فرشتے اللہ جل شانہٗ کے بندے ہیں جو گناہوں سے معصوم اور خطا و نسیان سے محفوظ ہیں:

لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝

جو امر ان کو اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے۔

اور کھانے پینے اور زن و مرد ہونے سے پاک اور منزہ ہیں۔ اور قرآن مجید میں ان کے لیے مذکر ضمیروں کا استعمال اس اعتبار سے ہے کہ مردوں کا گروہ عورتوں کے گروہ سے افضل اور شریف مانا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

حاشیہ صفحہ سابقہ:

مستلزم کذب است و ناشایان آنحضرت جل سلطانہٗ این معنی را تجویز نمودن شناعت تمام دارد۔

کذب واجب تعالیٰ ہے اور اس کی شان کے لائق نہیں۔ واجب تعالیٰ کے لیے ایسے معنی کو جائز قرار دینا جس سے خلاف وعدہ یا وعید لازم آئے نہایت ہی برا ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آیۃ فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ کے تحت فرماتے ہیں:

خبر او تعالیٰ کلام ازلی او ست و کذب در کلام نقصانیست عظیم کہ ہرگز بصفات او راہ نیابد و حق او تعالیٰ کہ منزہ از جمیع عیوب و نقائص است خلاف خبر مطلق نقصان محض است۔ (تفسیر عزیزی زیر آیۃ مذکورہ)

اللہ تعالیٰ کی خبر اس کا کلام ازلی ہے، اور کلام میں جھوٹ بڑا نقصان عظیم ہے کہ ہرگز اس کی صفات تک راہ نہیں پا سکتا کیونکہ وہ تمام عیوب و نقائص سے منزہ اور خبر کا خلاف واقع ہونا خالص نقص و عیب ہے۔

علاوہ ازیں تمام خلف و سلف اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ واجب تعالیٰ کذب کے امکان سے مبرا اور منزہ ہے۔ کیونکہ جھوٹ عیب اور نقص ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل کا مطالعہ اگر درکار ہو تو کتاب مستطاب سبحان السبوح مصنفہ اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھئے۔ (مترجم عفی عنہ)

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) سلہ سورہ تحریم، پارہ قد سمع اللہ۔

حق تعالٰی نے بھی اپنی ذات کے لیے مذکر ضمیروں کا استعمال فرمایا ہے اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالٰی نے ان میں سے بعض کو رسالت کے لیے برگزیدہ کیا ہے۔ جس طرح کہ بعض انسانوں کو بھی اس دولت سے مشرف کیا ہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ — اللہ تعالٰی فرشتوں اور انسانوں سے بعض کو رسول بنالیتا ہے۔[1]

تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں۔

امام غزالیؒ اور امام الحرمین اور صاحب فتوحات مکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ خاص ملک خاص انسان سے افضل ہیں۔ اور جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ فرشتہ نبی کی ولایت سے افضل ہے۔ لیکن نبوت اور رسالت کے درمیان نبی کے لیے ایک ایسا درجہ ہے جہاں تک فرشتہ نہیں پہنچا ہے۔ اور وہ درجہ عنصر خاک کی راہ سے ظاہر ہوا ہے۔ جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس فقیر پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ کمالات ولایت کمالات نبوت کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں۔ کاش کہ ان کے درمیان وہ نسبت ہی ہوتی، جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے، مگر نہیں ہے۔ پس وہ فضیلت جو راہ نبوت سے حاصل ہو وہ اس فضیلت سے کئی گنا زیادہ ہوگی جو راہ ولایت سے حاصل ہو۔ لہٰذا افضلیت مطلق انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے اور فضل جزئی ملائکہ کرام کے لیے ہے پس بہتر وہی ہے جو جمہور علماء شکر اللہ تعالٰی سعیہم نے کہا ہے۔

اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس ولی کا سر ہمیشہ اس نبی کے قدم کے نیچے ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ میں جن میں صوفیہ وعلماء کا باہم اختلاف ہے جب اچھی طرح غور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے۔ تو حق بجانب علماء معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء کی نظر نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کیا ہے۔ اور صوفیہ کی نظر ولایت کے کمالات اور اس کے معارف تک ہی محدود ہے۔ پس وہ علم جو نبوت کی پیش گاہ سے حاصل کیا جاوے وہ بالضرور اس علم سے جو مرتبہ ولایت سے اخذ کیا جائے۔ کئی درجے بہتر اور حق ہوگا۔

بعض معارف کی تحقیق اس مکتوب میں جو اپنے فرزند ارشد کے نام طریقہ کے بیان میں لکھا ہے،

---

[1] آخر سورۃ حج، پارہ اقترب۔

درج ہو چکی ہے۔ اگر کچھ دقت اور پوشیدگی رہ جائے۔ تو اس مکتوب کی طرف رجوع کریں۔

عقیدہ انیسواں:

ایمان ان تمام دینی امور کے ساتھ جو ضرورت اور تواتر کے طریق پر ہم تک پہنچے ہیں۔ تصدیق قلبی سے مراد ہے۔ اور اقرار زبانی بھی ایمان کا رکن کہا ہے جو سقوط کا احتمال رکھتا ہے۔ اور کفر اور کافری اور کفر کے خصائص اور لوازم مثلاً زنار، باندھنی اور اس قسم کی اور رسوم سے جو اس میں پائی جاتی ہیں تبری کرنا اور بیزار ہونا اس تصدیق کی علامت میں سے ہے۔ اور اگر عیاذاً باللہ کوئی اس تصدیق کا بھی دعوی کرے۔ اور کفر سے بیزاری اور تبری بھی ظاہر نہ کرے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص دو دینوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ جو ارتداد کے نشان سے داغ دار ہے۔ اور حقیقت میں اس کا حکم منافق کا سا حکم ہے۔ لَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ (نہ ادھر کا نہ ادھر کا)۔

پس ایمان کی تحقیق میں کفر سے تبری کرنا ضروری ہے۔ ادنی تبری یہ ہے کہ دل سے ہو، اور اعلیٰ یہ ہے کہ دل اور جسم دونوں سے ہو۔ اور تبری سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی کی جائے وہ دشمنی خواہ دل سے ہو۔ جب کہ ان کے ضرر کا ڈر ہو۔ خواہ دل اور جسم سے ہو۔ جب کہ ان کے ضرر کا ڈر نہ ہو۔

آیت کریمہ:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ[1] — اے نبی کفار اور منافقوں سے جہاد کر اور ان پر سختی کر۔

اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت ان کے دشمنوں کی دشمنی کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔ اس جگہ یہ مصرعہ صادق آتا ہے ع

تولّٰی[2] بے تبرّیٰ نیست ممکن

شیعہ نے جو یہ قاعدہ اہل بیت کی محبت اور دوستی میں جاری کیا ہوا ہے۔ اور خلفائے ثلثہ کے تبری کو اس محبت کی شرط قرار دیا ہے۔ نامناسب ہے۔ کیونکہ دوستوں کی محبت کے لیے شرط ہے کہ ان کے دشمنوں سے تبری کیا جائے نہ کہ مطلق طور پر دشمنوں کے سوا غیروں سے بھی۔ اور کوئی منصف عاقل اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب اہل بیت کے دشمن ہوں۔ جب کہ ان بزرگواروں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں اپنے مالوں اور جانوں کو صرف کر دیا اور جاہ و ریاست کو برباد کر دیا ہے اور کس طرح اہل بیت کی دشمنی کو ان کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ جب کہ نص قطعی کے ساتھ آنحضرت

---

[1] سورۂ توبہ، سورۂ تحریم۔ [2] یعنی دوستی دشمنوں سے بیزاری کے بغیر ممکن نہیں۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت والوں کی محبت ثابت ہے اور دعوت کی اجرت ان کی محبت مقرر کی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا۔[1]

اے رسول ان سے کہہ دیں کہ میں تم سے اہل قرابت کی دوستی کے سوا اور کچھ اجر نہیں مانگتا۔ اور جو شخص ایک نیکی کرے گا ہم اس کی نیکیوں میں اور نیکیاں زیادہ کریں گے۔

حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو یہ بزرگی پائی اور شجرہ انبیاء بن گئے سب حق تعالیٰ کے دشمنوں سے تبرّی کرنے کے باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:[2]

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ۔

تمہارے لیے ابراہیم اور اس کے اصحاب میں نہایت اعلیٰ درجہ کی بہتر پیروی تھی۔ جب کہ انہوں نے قوم کے لوگوں کو کہا کہ ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو بیزار ہیں۔ اور ہم تم سے انکار کرتے ہیں اور جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور دشمنی ظاہر ہو چکی ہے۔

اور حق جل وعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے فقیر کی نظر میں اس تبرّے دو دشمنوں سے بیزاری کے برابر کوئی عمل نہیں ہے۔ اس بیزاری کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو کفر اور کافری کے ساتھ عداوت ہے۔ اور آلہۃ آفاقی مثل لات وعزّیٰ اور ان کے عبادت کرنے والے بالذات حق سلطانہٗ کے دشمن ہیں۔ اور دوزخ کا دائمی عذاب اس بُرے فعل کی جزا ہے۔ اور آلہۃ انفسی یعنی ہوائے نفسانی اور تمام بُرے اعمال یہ نسبت نہیں رکھتے۔ کیونکہ غضب و عداوت ان کی نسبت ذاتی نہیں ہے۔ اگر غضب ہے تو صفات کی طرف منسوب ہے اور اگر عقاب و عتاب ہے تو افعال کی طرف راجع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوزخ کا دائمی عذاب ان بُرے فعلوں کی جزا نہیں بنا۔ بلکہ ان کی مغفرت کو اپنی مشیت اور ارادہ پر منحصر کیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب کفر اور کافروں کے ساتھ ذاتی عداوت ثابت ہو چکی تو ناچار رحمت ورافت جو

---

[1] سورۃ شوریٰ پارہ الیہ یرد۔ [2] سورۃ ممتحنہ پارہ قد سمع اللہ۔

صفات جمال میں سے ہے آخرت میں کافروں کو نہ پہنچے گی۔ اور رحمت کی صفت عداوت ذاتی کو دور نہ کریگی کیونکہ وہ چیز جو ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اس چیز کی نسبت جو صفت سے تعلق رکھتی ہے زیادہ اقویٰ اور ارفع ہے۔ پس مقتضائے صفت مقتضائے ذات کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور یہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ (میری رحمت غضب پر بڑھی ہوئی ہے) اس غضب سے مراد غضب صفاتی سمجھنا چاہیے جو گنہگاروں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضب ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

سوال:

اگر کہیں کہ دنیا میں کافروں کو رحمت نصیب ہے۔ جیسے کہ تو نے اوپر تحقیق کی ہے تو پھر دنیا میں رحمت کی صفت نے ذاتی عداوت کو کیسے دور کر دیا؟

جواب:

میں کہتا ہوں کہ دنیا میں کافروں کو رحمت کا حاصل ہونا ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور درحقیقت ان کے حق میں استدراج اور مکر ہے۔

آیت کریمہ:

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۔ (پ۔ ع ۴)	کیا یہ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد سے ان کی امداد کیے چلے جا رہے ہیں (اس کے بیشتر ہیں کہ) ان کو فائدہ پہنچانے میں ہم جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ یہ لوگ (اصل مطلب کو) سمجھتے نہیں۔

اور آیت کریمہ:

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ۔ (پ۔ ع ۱۳)	ہم انہیں اس طرح سے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو آہستہ آہستہ جہنم کی طرف گھسیٹ کر لے جائیں گے اور ہم اُن کو دنیا میں مہلت دیتے ہیں ہمارا داؤ بےشک (پکا) واقع ہے۔

انہی معنوں پر شاہد ہیں۔

فائدہ جلیلہ:

دوزخ کا دائمی عذاب صرف کفر کی جزا ہے۔ پھر اگر پوچھیں کہ ایک شخص باوجود ایمان کے کفر کی رسمیں

لے ۔ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ۲ے سورۃ مومنون، پارہ قد افلح۔

۳ے سورۃ اعراف پارہ و قال الملاء

بجا لاتا اور کفر کی رسموں کی تعظیم کرتا ہے۔ اور علما اس پر کفر کا حکم لگاتے اور اس کو مرتد سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں۔ پس چاہیئے کہ علما کے فتوے کے بموجب وہ شخص آخرت کے عذاب ابدی میں گرفتار رہے۔ حالانکہ اخبار صحیحہ میں آچکا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ ایمان بھی ہوگا۔ اس کو دوزخ سے باہر نکال لیں گے۔ اور دائمی عذاب میں نہ رہنے دیں گے تیرے نزدیک اس مسئلہ کی کیا تحقیق ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر وہ شخص کافر محض ہے تو دائمی عذاب اس کے نصیب ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْہُ اور کفر کی رسموں کے بجا لانے کے باوجود ذرہ ایمان بھی رکھتا ہے تو دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ لیکن اس ذرہ بھر ایمان کی برکت سے امید ہے کہ دائمی عذاب سے نجات مل جائے گی اور دائمی گرفتاری سے نجات پائے گا۔

فقیر ایک دفعہ ایک شخص کی بیمار پرسی کے لیے گیا۔ جس کا معاملہ نزع کی حالت کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ جب یہ فقیر اس کے حال کی طرف متوجہ ہوا، تو دیکھا کہ اس کے دل پر بہت سی ظلمتیں چھائی ہوئی ہیں۔ ان ظلمتوں کو دُور کرنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ وہ ظلمتیں اس کے دل پر سے دُور ہو جائیں۔ لیکن اس کے دل نے قبول نہ کیا۔ بہت سی توجہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ظلمتیں صفات کفر سے پیدا ہوئی ہیں۔ جو اس میں پوشیدہ تھیں۔ اور وہ کدورتیں کفر اور اہل کفر کے ساتھ دوستی رکھنے کے باعث پیدا ہوئی ہیں۔ توجہ کے ساتھ یہ ظلمتیں دُور نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ ان ظلمات سے اس کا پاک ہونا دوزخ کے عذاب پر موقوف ہے جو کفر کی جزا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ذرہ بھر ایمان بھی رکھتا ہے جس کی برکت سے آخرکار اس کو دوزخ سے نکال لیں گے جب اس میں اس حال کا مشاہدہ کیا۔ تو دل میں گزرا کہ آیا اس شخص پر نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہ۔ توجہ کے بعد ظاہر ہوا کہ نماز ادا کرنی چاہیئے۔

پس وہ مسلمان جو باوجود ایمان کے کافروں کی رسمیں بجا لاتے اور ان کی تعظیم کرتے ہیں ان پر نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے۔ اور کفار کے ساتھ نہ ملانا چاہیئے۔ جیسے کہ آج اسی پر عمل ہے۔ اور امیدوار ہونا چاہیئے کہ آخر کار ایمان کی برکت سے عذاب سے نجات پا جائیں گے۔

پس معلوم ہوا کہ اہل کفر کے لیے عفو اور مغفرت نہیں ہے :

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ[1] اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا۔

اور اگر کافر محض ہے تو عذاب ابدی اس کے کفر کی جزا ہے۔ اور اگر ذرہ بھر ایمان رکھتا ہے تو اس کی جزا دوزخ کا عذاب موقت ہے۔ اور اس کے تمام صغیرہ کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں چاہے تو اس کو

[1] سورۃ نساء، پارہ ۵۔

بخش دے اور چاہے تو اُن پر عذاب دے۔

فقیر کے نزدیک دوزخ کا عذاب خواہ موقت ہو خواہ دائمی اکفر اور صفات کفر کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ اس کی تحقیق آگے آئے گی اور وہ اہل کبائر جن کے گناہ توبہ یا شفاعت یا صرف عفو و احسان کے ساتھ مغفرت میں نہیں آئے یا جن کبیرہ گناہوں کا کفارہ دنیا کے رنج اور تکلیفوں اور موت کی سکرات اور سختیوں کے ساتھ نہیں ہوا۔ امید ہے کہ ان کے عذاب میں بعض کو عذاب قبر کے ساتھ کفایت کریں گے۔ اور بعض کو قبر کی تکلیفوں کے علاوہ قیامت کی سختیوں اور ہول کے ساتھ کفایت کریں گے۔ اور ان کے گناہوں میں سے کوئی ایسا گناہ باقی نہ چھوڑیں گے جس کے لیے عذاب دوزخ کی ضرورت پڑے۔ آیت کریمہ:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ (پ۔ع ۱۵)	وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے نہ ملایا ان کے لیے امن ہے۔

اسی مضمون کی مؤید ہے کیونکہ ظلم سے مراد شرک ہے:

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا۔	اور تمام امور کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اگر کہیں کہ کفر کے سوا بعض اور برائیوں کی جزا بھی دوزخ کا عذاب ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا۔	جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا اس کی جزا جہنم ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

اور اخبار میں بھی آیا ہے کہ جو شخص ایک نماز فریضہ کو عمداً قضا کرے گا۔ اس کو ایک حقبہ دوزخ میں عذاب دیں گے۔ پس دوزخ کا عذاب صرف کفار کے ساتھ مخصوص نہ رہا۔

میں کہتا ہوں کہ قتل کا یہ عذاب اس شخص کے لیے ہے جو قتل کو حلال جانے کیونکہ قتل کو حلال جاننے والا کافر ہے، جیسے کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ اور کفر کے سوا اور برائیاں جن کے لیے دوزخ کا عذاب آیا ہے۔ وہ بھی صفات کفر کی آمیزش سے خالی نہ ہوں گی۔ جیسے کہ اس برائی کو خفیف سمجھنا اور اس کے بجا لانے کے وقت لاپرواہی کرنا اور شریعت کے امر و نہی کو خوار سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔

اور حدیث میں آیا ہے:

شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَآئِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔	میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

لہ سورۂ انعام، پارہ ۷۔   کہ ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ بروایت انس رضی اللہ عنہ۔

اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ:

أُمَّتِيْ أُمَّةٌ مَرْحُوْمَةٌ لَا عَذَابَ لَهَا فِي الْآخِرَةِ۔ میری امت امت مرحومہ ہے۔ اس کو عذاب آخرت نہ ہوگا۔

اور آیت کریمہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ اسی مضمون کی مؤید ہے، جیسے کہ مذکور ہوا۔ اور مشرکوں کے اطفال اور شاہقان جبل اور پیغمبروں کے زمانۂ فترت کے مشرکوں کا حال اس مکتوب میں جو فرزندی محمد سعید کے نام لکھا ہے مفصل ذکر ہو چکا ہے وہاں سے معلوم کریں۔

اور ایمان کے کم و زیادہ ہونے میں علما کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَلْاِيْمَانُ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ۔ ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ۔ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ایمان قلبی تصدیق اور یقین سے مراد ہے جس میں زیادت اور نقصان کی گنجائش نہیں۔ اور وہ جو زیادت اور نقصان کو قبول کرے وائرہ ظن میں داخل ہے نہ یقین میں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اعمال صالحہ کا بجا لانا اس یقین کو روشن کر دیتا ہے۔ اور بُرے اعمال کا بجا لانا اس یقین کو مکدر و سیاہ کر دیتا ہے۔ پس زیادت اور نقصان اعمال کے اعتبار سے اس یقین کے روشن ہونے میں ثابت ہوئی نہ کہ نفس یقین میں۔ بعض نے اس یقین کو جب کہ متجلی اور روشن معلوم کیا تو اس یقین کی نسبت جو انجلا اور روشنی نہیں رکھتا زیادہ نہیں کہہ دیا۔ گویا بعض نے غیر متجلی یقین کو یقین نہ جانا۔ اور انہی بعض نے متجلی کو یقین جان کر ناقص کہہ دیا۔ اور بعض دوسروں نے جو زیادہ تیز نظر رکھتے تھے، جب دیکھا کہ یہ زیادت اور نقصان صفات یقین کی طرف راجع ہے نہ کہ نفس یقین کی طرف۔ تو اس سبب سے یقین کو غیر زائد و ناقص کہہ دیا جس طرح کہ دو آئینے جو باہم برابر ہوں، لیکن انجلا اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں تو ایک شخص اس آئینہ کو جو زیادہ روشن ہے اور نمائندگی زیادہ رکھتا ہے، کہہ دے کہ یہ آئینہ بہ نسبت اس آئینے کے جس میں ویسی روشنی اور انجلا نہیں ہے زیادہ ہے۔ اور دوسرا شخص کہہ دے کہ یہ دونوں آئینے برابر ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کی زیادت اور نقصان نہیں ہے۔ فرق صرف انجلا اور نمایندگی میں ہے جو ان دونوں

ل خطیب اور ابن النجار بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آئینوں کی صفات ہیں۔ پس دوسرے شخص کی نظر صائب ہے اور حقیقت شے تک نافذ ہے۔ اور شخص اوّل کی نظر کوتاہ ہے۔ اور صفت سے بڑھ کر ذات تک نہیں پہنچتی ہے :

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو بلند کرتا ہے اور
وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۔	جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ لوگ صاحب درجات
(پ ۲۸ ع ۲)	بلند ہیں۔

اس تحقیق سے کہ جس کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کو توفیق بخشی مخالفوں کے وہ سب اعتراض جو انھوں نے ایمان کے کم و بیش نہ ہونے پر کیے ہیں۔ زائل ہو گئے۔ اور عام مومنوں کا ایمان تمام وجوہ میں انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ایمان کی طرح نہ ہوا کیونکہ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ایمان جو کامل طور پر تجلی اور نورانی ہے۔ عام مومنوں کے ایمان سے جو مومنوں کے درجوں کے اختلاف کے بموجب بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان جو وزن میں اس اُمت کے ایمان سے زیادہ ہے۔ انجلا اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیے۔ اور زیادت کو صفات کاملہ کی طرف راجع کرنا چاہیے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام نفس انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت اور ذات میں سب باہم متحد ہیں۔ تفاضل یعنی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا صفات کاملہ کے اعتبار سے ہے۔ اور جس میں یہ صفات کامل نہیں ہیں۔ گویا وہ اس نوع سے خارج ہے اور اس نوع کے فضائل اور خواص سے محروم ہے۔ لیکن باوجود اس تفاوت کے نفس انسانیت میں زیادت اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ انسانیت زیادت و نقصان کے قابل ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَلْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ

اور نیز کہتے ہیں کہ تصدیق ایمانی سے مراد بعض کے نزدیک تصدیق منطقی ہے۔ جو ظن اور یقین کو شامل ہے۔ اس تقدیر پر نفس ایمان میں زیادت اور نقصان کی گنجائش ہے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اس جگہ تصدیق سے مراد دلی یقین اور اذعان ہے۔ نہ کہ معنی عام جو ظن کو بھی شامل ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ : اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی درحقیقت ان میں نزاع لفظی ہے۔ لیکن مذہب اوّل باعتبار ایمان حال کے ہے اور مذہب ثانی باعتبار ایمان انجام اور عاقبت ہے۔ لیکن صورت استثناء سے کنارہ کرنا بہتر اور مناسب ہے كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى الْمُنْصِفِ جیسے کہ منصف آدمی پر مخفی نہیں ہے۔

عقیدہ بیسواں : اور اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں۔ اور ان سے بکثرت خرق عادات کے واقع ہونے کے

باعث ان کی یہ بات عادت مستمرہ ہو گئی۔ اور کرامت کا منکر علم عادی اور ضروری کا منکر ہے۔ نبی کا معجزہ دعویٰ نبوت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ اور کرامت اس بات سے خالی ہے۔ بلکہ اس نبی کی متابعت کے اقرار کرنے کے ساتھ ملی ہوتی ہے:

فَلَا اشْتِبَاهَ بَيْنَ الْمُعْجِزَةِ وَالْكَرَامَةِ كَمَا زَعَمَ الْمُنْكِرُوْنَ۔

پس معجزہ اور کرامت کے درمیان کوئی اشتباہ نہ رہا جیسے کہ منکروں نے گمان کیا ہے۔

عقیدہ اکیسواں:

اور فضیلت کی ترتیب خلفاء راشدین کے درمیان خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔ لیکن شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے آئمہ کی ایک جماعت نے جن میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ اس بات کو نقل کیا ہے:

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ أَبُو الْحَسَنِ الْأَشْعَرِيُّ إِنَّ تَفْضِيْلَ أَبِيْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ عَلٰى بَقِيَّةِ الْأُمَّةِ قَطْعِيٌّ

شیخ امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت باقی امت پر قطعی ہے۔

قَالَ الذَّهَبِيُّ قَدْ تَوَاتَرَ عَنْ عَلِيٍّ فِيْ خِلَافَتِهِ وَكُرْسِيِّ مَمْلَكَتِهِ وَبَيْنَ الْجَمِّ الْغَفِيْرِ مِنْ شِيْعَتِهِ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ أَفْضَلُ الْأُمَّةِ ثُمَّ قَالَ رَوَاهُ عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجْهَهُ نَيِّفٌ وَّثَمَانُوْنَ نَفْسًا وَعَدَّ مِنْهُمْ جَمَاعَةً ثُمَّ قَالَ فَقَبَّحَ اللّٰهُ الرَّافِضَةَ مَا أَجْهَلَهُمْ

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کی خلافت و مملکت کے زمانہ میں اور آپ کے تابعداروں میں سے ایک جم غفیر کے درمیان یہ بات بطریق تواتر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تمام امت میں سے افضل ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس بات کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی سے کچھ زیادہ آدمیوں نے روایت کیا ہے اور ان میں سے ایک جماعت کا نام بھی لیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رافضیوں کو برا کرے یہ کیسے جاہل ہیں۔

وَرَوَى الْبُخَارِيُّ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ أَبُوْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ ابْنُهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِيَّةِ

اور بخاری نے انہی سے روایت کی فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب لوگوں میں سے بہتر حضرت ابوبکرؓ ہیں پھر حضرت عمرؓ پھر ایک اور شخص۔ پس اس کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر تو۔ پس فرمایا

ثُمَّ أَتَتْ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ

میں تو ایک مسلمان شخص ہوں۔

وَصَحَّحَ الذَّهَبِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ عَلِيٍّ رض أَنَّهُ قَالَ أَلَا وَإِنَّهُ بَلَغَنِيْ أَنَّ رِجَالًا يُفَضِّلُوْنِيْ عَلَيْهِمَا وَمَنْ وَجَدْتُهُ يُفَضِّلُنِيْ عَلَيْهِمَا فَهُوَ مُفْتَرٍ عَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُفْتَرِيْ

امام ذہبی نے حضرت علی رض سے صحیح کیا ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ مجھے ان دونوں پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور جس کو میں پاؤں گا کہ مجھے ان پر فضیلت دیتا ہے وہ مفتری ہے اور اس کی سزا بھی وہی ہوگی جو مفتری کی ہوتی ہے۔

وَأَخْرَجَ الدَّارَقُطْنِيُّ عَنْهُ لَا أَجِدُ أَحَدًا فَضَّلَنِيْ عَلَى أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رض إِلَّا جَلَدْتُهُ جَلْدَ الْمُفْتَرِيْ۔

اور دار قطنی نے آپ سے روایت کی ہے کہ جس کو میں دیکھوں کہ مجھے حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جو مفتری کی سزا ہے۔

اس قسم کی اور بہت سی مثالیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور ان کے سوا اور بہت سے صحابہ سے متواتر آئی ہیں۔ جن میں کسی کو انکار کی مجال نہیں ہے۔ حتیٰ کہ عبدالرزاق جو اکابر شیعہ میں سے ہے کہتا ہے کہ:

أُفَضِّلُ الشَّيْخَيْنِ بِتَفْضِيْلِ عَلِيٍّ رض إِيَّاهُمَا عَلَى نَفْسِهِ وَإِلَّا لَمَا فَضَّلْتُهُمَا كَفٰى بِيْ وِزْرًا أَنْ أُحِبَّهُ ثُمَّ أُخَالِفَهُ

میں شیخین کو اس لیے فضیلت دیتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود اپنے اوپر ان کو فضیلت دی ہے ورنہ میں ان کو کبھی فضیلت نہ دیتا مجھے یہی گناہ کافی ہے کہ میں اس کو دوست رکھوں اور پھر اس کی مخالفت کرتا ہوں۔

كُلُّ ذٰلِكَ مُسْتَفَادٌ مِّنَ الصَّوَاعِقِ (یہ سب کچھ صواعق محرقہ سے لیا گیا ہے)

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر۔ پس اکثر اہل سنت اس بات پر ہیں کہ شیخین رض کے بعد افضل حضرت عثمان رض ہیں۔ حضرت علی رض اور سائمہ اربعہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور وہ توقف جو حضرت عثمان رض کی فضیلت میں امام مالک رض سے نقل کیا ہے۔ اس کے بارہ میں قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امام مالک رض نے توقف سے حضرت عثمان رض کی تفضیل کی طرف رجوع کیا ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ هُوَ الْأَصَحُّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى یہی درست ہے۔ اور ایسے ہی توقف جو بعض نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے سمجھا ہے کہ:

مِنْ عَلَامَاتِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِيْلُ الشَّيْخَيْنِ وَمَحَبَّةُ الْخَتَنَيْنِ۔

شیخین کی تفضیل اور ختنین کی محبت سنت و جماعت کی علامات میں سے ہے۔

اس فقیر کے نزدیک اس عبارت کے اختیار کرنے کا محل اور ہے۔ چونکہ حضرات ختنین رضی اللہ عنہما کی خلافت کے زمانہ میں فتنہ و فساد لوگوں میں بہت ظاہر ہو گیا تھا۔ اور اس سبب سے لوگوں کے دلوں میں بہت کدورت آگئی تھی۔ اس لیے امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو مدنظر رکھ کر ان کے حق میں محبت کا لفظ اختیار کیا ہے اور ان کی دوستی کو سنت کی علامات سے فرمایا ہے۔ بغیر اس امر کے کہ کسی قسم کا توقف ملحوظ ہو۔ اور جو علمائے حنفیہ کی کتابیں اس مضمون سے بھری ہیں کہ ان کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔

الغرض شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت یقینی ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت اس سے کمتر ہے۔ لیکن احوط یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے منکر بلکہ شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت کے منکر کو بھی کفر کا حکم نہ کریں اور مبتدع اور ضال جانیں کیونکہ اس کی تکفیر میں علما کا اختلاف ہے۔ اور اس اجماع کے قطعی ہونے میں بہت قیل و قال ہے۔ ایسا منکر یزید بدبخت کا ساتھی اور بھائی ہے کہ اسی احتیاط کے باعث علما نے اس کے لعن کرنے میں توقف کیا ہے۔ وہ ایذا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلفائے راشدین کی جہت سے پہنچی ہے۔ وہ بعینہٖ اسی ایذا کی طرح ہے جو امامین کی جہت سے پہنچی ہے۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔

قَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَهٗ۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور ان کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے گویا میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا۔ اور جس نے ان سے بغض کیا اس نے گویا میرے ہی بغض کے باعث ان سے بغض رکھا۔ اور جس نے ان کو ایذا دی۔ اس نے گویا مجھے ایذا دی۔ اور جس نے مجھ کو ایذا دی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔ اور جس نے اللہ اور رسول کو ایذا دی وہ اس کو مواخذہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔[2]

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

اور جو کچھ مولانا سعد الدین نے شرح عقائد نسفی میں اس افضلیت کے حق میں انصاف سمجھا ہے۔ وہ

[1] ترمذی شریف۔ [2] سورۃ احزاب، پارہ ومن یقنت۔

انصاف سے دُور ہے۔ اور وہ تردید جو اس نے کی ہے وہ سراسر لاحاصل ہے۔ کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اس جگہ افضلیت سے وہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بکثرت ثواب کے اعتبار سے ہے نہ کہ وہ افضلیت جو فضائل اور مناقب کے بکثرت ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ ایسی افضلیت عقلمندوں کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں رکھتی۔ کیونکہ سلف صحابہ و تابعین نے جس قدر فضائل و مناقب حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی نسبت نقل کیے ہیں وہ اور کسی صحابی کی نسبت منقول نہیں ہیں حتّٰی کہ امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ:

مَا جَاءَ لِاَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ مِنَ الْفَضَائِلِ مَا جَاءَ لِعَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ — اور جو فضائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں آئے ہیں وہ کسی اور صحابی کی نسبت نہیں آئے۔

اور باوجود اس امر کے امام مذکورؒ نے خلفائے ثلاثہ کی افضلیت کا حکم کیا ہے پس معلوم ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان فضائل و مناقب کے سوا کچھ اور ہے۔ اور اس افضلیت پر اطلاع پانا دولت وحی کی ان مشاہدہ کرنے والوں کو میسر ہے جنہوں نے صریح طور پر یا قرائن سے معلوم کی ہے۔ اور وہ صحابہ پیغمبر علیہ و علیہم الصلوٰت والتسلیمات ہیں پس جو کچھ شارح عقائد نسفی نے کہا ہے اگر مراد افضلیت سے کثرت ثواب ہے تو پھر توقف کی جہت بیان فقط ہے۔ کیونکہ توقف کی تبھی گنجائش ہوتی ہے جب کہ اس افضلیت کو صاحب شریعت کی طرف سے صریح طور پر یا دلالت کے طور پر معلوم نہ کیا ہو۔ اور جب معلوم ہو چکی ہو تو پھر کیوں توقف کریں۔ اور اگر معلوم نہ کیا ہو تو پھر افضلیت کا حکم کیا کریں۔ اور جو شخص سب کو برابر جانے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا فضول سمجھے۔ وہ بوالفضول اور احمق ہے۔ وہ کیسا عجب بوالفضول ہے جو اہل حق کے اجماع کو فضول جانتا ہے۔ شاید فضل کا لفظ اس کو اس فضول کی طرف لے گیا ہے اور یہ جو صاحب فتوحات مکیہ نے کہا ہے کہ ان کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے۔ فضیلت میں مساوات پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ خلافت امر دیگر ہے۔ اور افضلیت کی بحث دیگر اور اگر مان بھی لیں تو یہ بات اور اس قسم کی اور باتیں اس کے شطحیات کی قسم سے ہیں جو تمسک کے لائق نہیں ہیں۔ اس کے اکثر کشفیہ معارف جو اہل سنت کے علوم سے جدا واقع ہوئے ہیں صواب اور بہتری سے دور ہیں۔ ایسی باتوں کی وہی شخص متابعت کرتا ہے جس کا دل بیمار ہے یا مقلد صرف ہے۔

اور جو کچھ صحابہ کے درمیان لڑائی جھگڑے واقع ہوئے ہیں ان کو نیک توجیہ پر محمول کرنا چاہیے۔ اور ہوا و تعصب سے دُور سمجھنا چاہیے۔

تفتازانی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت میں افراط کرنے کے باوجود فرمایا ہے:

وَمَا وَقَعَ مِنَ الْمُخَالَفَاتِ وَالْمُحَارَبَةِ لَمْ يَكُنْ عَنْ نِزَاعٍ فِي خِلَافَةٍ بَلْ عَنْ خَطَاءٍ فِي الْاِجْتِهَادِ

اور جو لڑائی جھگڑے ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں وہ خلافت کے بارہ میں نزاع کے باعث نہ تھے۔ بلکہ اجتہاد میں خطا کے سبب تھے۔

اور اس کے حاشیہ خیالی میں ہے:

فَإِنَّ مُعَاوِيَةَ وَاَحْزَابَهُ بَغَوْا عَنْ طَاعَتِهِ مَعَ اعْتِرَافِهِمْ بِاَنَّهُ اَفْضَلُ اَهْلِ زَمَانِهِ وَالْاَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ مِنْهُ بِشُبْهَةٍ هِيَ تَرْكُ الْقِصَاصِ عَنْ قَتَلَةِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ۔

کہ معاویہ اور اس کے لشکر نے اس کی طاعت سے سرکشی کی، باوجودیکہ وہ مانتے تھے کہ وہ تمام اہل زمانہ سے افضل ہے۔ اور نیز وہ اس سے امامت کا زیادہ حق ہے از روئے شبہ کے اور وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص کا ترک کرنا ہے۔

اور حاشیہ قرہ کمال قریمی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت علی رض نے فرمایا ہے:

إِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا وَلَيْسُوا كَفَرَةً وَلَا فَسَقَةً لِمَا لَهُمْ مِنَ التَّاوِيْلِ۔

ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی حالانکہ نہ وہ کافر ہیں اور نہ ہی فاسق کیونکہ ان کے لیے تاویل ہے۔

اور شک نہیں کہ خطائے اجتہادی ملامت سے دور ہے اور طعن و تشنیع سے مرفوع ہے۔

حضرت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتحیات کی صحبت کے حقوق کو مدنظر رکھ کر تمام اصحاب کرام کو نیکی سے یاد کرنا چاہیے۔ اور پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی دوستی کے باعث ان کو دوست رکھنا چاہیے:

مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ۔

جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت سے ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا۔

یعنی وہ محبت جو میرے اصحاب کے متعلق ہے وہ وہی محبت ہے جو مجھ سے متعلق ہے۔ اور ایسے ہی وہ بغض جو ان سے متعلق ہے وہ وہی بغض ہے جو مجھ سے متعلق ہے۔ ہم کو حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں سے کچھ آشنائی نہیں ہے۔ بلکہ مناسب ہے کہ ہم ان سے بیزار ہیں۔ لیکن چونکہ سب کے سب حضرت پیغمبر صلوات اللہ وسلامہ کے اصحاب کرام ہیں جن کی محبت کے لیے ہم مامور اور ان کے بغض و ایذا سے ممنوع ہیں اس لیے ہم حضرت پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی دوستی کے باعث سب کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے بغض و ایذا سے دور بھاگتے ہیں۔ کیونکہ ان کا بغض و ایذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغض و ایذا

تک پہنچا دیتا ہے۔ لیکن محق کو محق اور مخطی کو مخطی کہتے ہیں۔ یعنی حضرت امیر رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر اس سے زیادہ کہنا فضول ہے۔

اس بحث کی تحقیق اُس مکتوب میں جو خواجہ محمد اشرف کی طرف لکھا ہے، مفصل ذکر ہو چکی ہے۔ اگر کوئی بات مخفی رہ گئی ہو تو اس مکتوب کی طرف رجوع کریں۔

عقائد کے درست کرنے کے بعد احکام فقہ کا سیکھنا ضروری ہے۔ اور فرض و واجب و حلال و حرام و سنت و مندوب و مشتبہ و مکروہ کے جاننے سے چارہ نہیں ہے اور ایسے ہی اس علم کے موافق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروری سمجھیں اور اعمال صالحہ کے بجا لانے میں بڑی کوشش مدنظر رکھیں۔ نماز جو دین کا ستون ہے اس کے تھوڑے سے فضائل اور ارکان بیان کیے جاتے ہیں، غور سے سنیں۔

اوّل وضو کے کامل اور پورے طور پر کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ ہر عضو کو تین بار تمام و کمال طور پر دھونا چاہیے تاکہ وضو بروجہ سنت ادا ہو۔ اور سر کا مسح بالاستیعاب (یعنی سارے سر کا مسح) کرنا چاہیے۔ اور کانوں اور گردن کے مسح میں احتیاط کرنی چاہیے۔ اور بائیں ہاتھ کی خنصر یعنی چھنگلی سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی طرف سے خلال کرنا لکھا ہے اس کی رعایت رکھیں اور مستحب کے بجا لانے کو تھوڑا نہ جانیں۔ مستحب اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور دوست ہے اگر تمام دنیا کے عوض اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ فعل معلوم ہو جائے، اور اس کے مطابق عمل میسر ہو جائے تو بھی غنیمت ہے۔ اس کا بعینہٖ یہی حکم ہے کہ کوئی خزف ریزوں یعنی ٹھیکروں سے قیمتی موتی خرید لے۔ یا بے ہودہ اور بے فائدہ جماد یعنی پتھر سے روح کو حاصل کرے۔

کمال طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہیے۔ جو مومن کا معراج ہے۔ اور کوشش کرنا چاہیے کہ فرض نماز جماعت کے بغیر ادا نہ ہونے پائے بلکہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ ترک نہ کرنی چاہیے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہیے۔ اور قرأت میں قدر مسنون کو مدنظر رکھنا چاہیے اور رکوع و سجود میں طمانیت ضروری ہے کیونکہ بقول مختار یا فرض ہے یا واجب اور قومہ میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہیے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ اور سیدھا کھڑا ہونے کے بعد طمانیت درکار ہے۔ کیونکہ فرض ہے یا واجب یا سنت علی اختلاف الاقوال۔ ایسے ہی جلسہ میں جو دو سجدوں کے درمیان ہے۔ درست بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے جیسے کہ قومہ میں۔ اور رکوع و سجود کی کم سے کم تسبیحیں تین بار ہیں اور زیادہ سے زیادہ سات بار یا گیارہ بار ہیں، علی اختلاف الاقوال۔ اور امام کی تسبیح

مقتدیوں کے حال کے موافق ہے۔ عزم کی بات ہے کہ انسان اکیلا ہونے کی حالت میں باوجود طاقت کے اقل تسبیحات پر کفایت کرے۔ اگر زیادہ نہ ہو سکے تو پانچ یا سات بار تو کہے۔ اور سجدہ کرنے کے وقت اوّل وہ اعضا زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں۔ پس اوّل دونوں زانو زمین پر رکھے پھر دو ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی اور زانو اور ہاتھ رکھنے کے وقت دائیں طرف سے شروع کرنا چاہیے۔ اور سر کے اٹھانے کے وقت اوّل ان اعضا کو اٹھانا چاہیے جو آسمان سے نزدیک ہیں۔ پس پہلے پیشانی اٹھانی چاہیے الخ اور قیام کے وقت اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر اور رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر، اور سجدہ کے وقت نوک بینی پر اور جلوس کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر یا دونوں بغلوں کی طرف رکھنا چاہیے۔ جب نظر کو پراگندہ ہونے سے روک رکھیں اور مذکورہ بالا جگہوں پر لگائے رکھیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ نماز جمعیت کے ساتھ میسر ہو گئی۔ اور خشوع والی نماز حاصل ہو گئی جس طرح کہ نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے۔ اور ایسے ہی رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا کھلا رکھنا اور سجود کے وقت انگلیوں کا ملانا سنت ہے۔ اس کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ انگلیوں کا کھلا رکھنا یا ملانا بے تقریب اور بے فائدہ نہیں ہے۔

صاحب شرع نے اس میں کئی قسم کے فائدے ملاحظہ کر کے اس پر عمل کیا ہے۔ ہمارے لیے صاحب شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے برابر کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ سب احکام مفصل اور واضح طور پر کتب فقہیہ میں مذکور ہیں۔ یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ علم فقہ کے مطابق عمل بجا لانے پر ترغیب ہو۔

رَزَقَنَا اللهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ عَلَى الْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ الْمُوَافِقَةِ لِلْعُلُوْمِ الشَّرْعِيَّةِ بَعْدَ اَنْ وَفَّقَنَا اللهُ سُبْحَانَهٗ بِتَصْحِيْحِ الْعَقَائِدِ الدِّيْنِيَّةِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى اٰلِ كُلٍّ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔

اللہ تعالیٰ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہم کو اور آپ کو دینی اعتقاد کے درست ہونے کے بعد شرعی علوم کے موافق اعمال صالحہ کے بجا لانے کی بھی توفیق دیوے۔

اگر نماز کے فضائل اور اس کے مخصوص کمالات کے معلوم کرنے کا شوق ہو۔ تو تین مکتوبوں کو جو ایک دوسرے کے قریب و متصل ہیں مطالعہ کریں۔ پہلا مکتوب فرزندی محمد صادق کے نام پر۔ اور دوسرا میر محمد نعمان کے نام پر۔ اور تیسرا شیخنا آب میاں شیخ تاج کے نام لکھا ہے۔

ان اعتقادی اور عملی دو پروں کے حاصل ہونے کے بعد اگر اللہ جل سلطانہٗ کی توفیق رہنمائی کرے

تو صوفیہ کے طریقہ علیہ کا سلوک کرے۔ نہ اس غرض کے لیے کہ اس اعتقاد اور عمل سے بڑھ کر کچھ چیز حاصل ہو اور کوئی نئی بات ہاتھ آئے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ معتقدات کی نسبت ایسا یقین اور اطمینان حاصل کریں۔ جو ہرگز کسی مشکک سے زائل نہ ہو۔ اور کسی شبہ کے وارد ہونے سے باطل نہ ہو۔ کیونکہ استدلال کے چوپاؤں ہوتے ہیں اور مستدل بے تمکین ہوتا ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ خبردار اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے

اور اعمال کی نسبت آسانی اور سہولت حاصل کریں۔ اور سرکشی کو جو نفس امارہ سے پیدا ہوتی ہے دور کریں۔ اور طریقہ صوفیہ کے سلوک سے یہ مقصود نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ کریں اور الوان وانوار کا معائنہ کریں۔ یہ بات خود لہو ولعب میں داخل ہے۔ کیا حسی صورتیں اور شکلیں کم ہیں کہ ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے ساتھ غیبی صورتوں اور انوار کی تمنا کریں۔ یہ صورتیں اور وہ صورتیں اور یہ انوار اور وہ انوار سب حق جل وعلیٰ کے مخلوق اور اس کے وجود پر دلالت کرنے والے نشانات ہیں۔

اور طرق صوفیہ میں سے طریقہ علیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت مناسب اور بہتر ہے کیونکہ ان بزرگواروں نے سنت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو۔ اور احوال کچھ بھی نہ ہوں تو خوش ہیں۔ اور اگر احوال کے باوجود متابعت میں قصور جانیں تو احوال کو پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے سماع ورقص کو جائز نہیں سمجھا اور ان احوال کا جو ان پر مترتب ہوتے ہیں کچھ اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ ذکر جہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع کیا ہے۔ اور وہ فائدے اور ثمرے جو اس پر مترتب ہوتے ہیں ان کی طرف التفات نہیں کی۔

ایک دن میں حضرت ایشاں رحمۃ اللہ علیہ کی ملازمت میں مجلس طعام میں حاضر تھا۔ شیخ کمال نے جو حضرت خواجہ قدس سرہ کے مخلص دوستوں میں تھا کھانا شروع کرتے وقت حضرت ایشاں کے حضور میں اسم اللہ کو بلند کہا۔ حضور کو بہت ناخوش معلوم ہوا۔ اور یہاں تک جھڑکا اور فرمایا کہ اس کو کہہ دو کہ ہماری مجلس طعام میں حاضر نہ ہوا کرے۔

اور میں نے حضرت ایشاں سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر قدس سرہ کی خانقاہ میں لے گئے تھے تاکہ ان کو ذکر جہر سے منع کریں۔ علما نے حضرت امیر کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکر جہر بدعت ہے نہ کیا کریں انھوں نے جواب میں فرمایا کہ نہ کریں گے۔

جب اس طریقہ کے بزرگوار ذکر جہر سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع اور رقص اور وجد کا ذکر کیا ہے اور احوال و مواجید جو غیر شرعی اسباب پر مترتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم

سے ہیں کیونکہ استدراج والوں کو بھی احوال و اذواق حاصل ہوتے ہیں۔ اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کشف و توحید اور مکاشفہ و معائنہ ان کو ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس امر میں حکمائے یونان اور ہند کے جوگی اور برہمن سب برابر ہیں۔ احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت علوم شرعیہ کے ساتھ ان کا موافق ہونا اور محرمہ اور مشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ سماع و رقص درحقیقت لہو و لعب میں داخل ہے۔ آیت کریمہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ	اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی (کالائق) ہے جو
الْحَدِيْثِ۔ (سورۂ لقمٰن)	واہیات (خرافات، قصے کہانیاں) مول لے لیتا ہے۔

سرود کے منع ہونے کے شان میں نازل ہوئی ہے۔

چنانچہ مجاہدؒ جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شاگرد ہے اور کبار تابعین سے ہے کہتا ہے، لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے مراد سرود ہے۔

فِي الْمَدَارِكِ: لَهْوَ الْحَدِيْثِ، اَلسَّمَرُ وَالْغِنَاءُ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ مَسْعُوْدٍ يَحْلِفَانِ اَنَّهُ الْغِنَاءُ۔ تفسیر مدارک میں ہے کہ لہو الحدیث سے مراد سمر یعنی بے ہودہ قصے کہانیاں اور سرود ہے۔ اور حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم قسم کھاتے تھے کہ بے شک وہ غنا اور سرود ہے۔

حضرت مجاہد اللہ تعالیٰ کے قول لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (وہ زور میں حاضر نہیں ہوتے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اَىْ لَا يَحْضُرُوْنَ الْغِنَاءَ۔	یعنی سرود و سماع میں حاضر نہیں ہوتے۔

اور امام الہدیٰ ابو منصور ماتریدی سے حکایت کی گئی ہے کہ:

مَنْ قَالَ لِمُقْرِئٍ زَمَانِنَا اَحْسَنْتَ	جس نے ہمارے زمانے کے کسی قاری کو قرأت کے
عِنْدَ قِرَاءَتِهٖ يَكْفُرُ وَبَانَتْ مِنْهُ	وقت کہا کہ تو نے بہت اچھا پڑھا کافر ہو جاتا ہے اور اس
اِمْرَاَتُهٗ وَاَحْبَطَ اللّٰهُ تَعَالٰى كُلَّ	کی عورت اس سے جدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کی تمام نیکیاں
حَسَنَاتِهٖ	دور ہو جاتی ہیں۔

اور ابو نصیر الدبوسی سے نقل کی گئی ہے اور انھوں نے قاضی ظہیر الدین خوارزمی سے نقل کی ہے کہ:

مَنْ سَمِعَ الْغِنَاءَ مِنَ الْمُغَنِّيْ	جس نے کسی گانے والے یا کسی اور سے سرود سنا
وَغَيْرِهٖ اَوْ يَرٰى فِعْلًا مِّنَ	یا فعل حرام کو دیکھا اور اس کو اچھا جانا از روئے اعتقاد

لے سورۂ لقمان، پارہ ۲۱۔

الحرام يستحسن ذلك باعتقاد او بغير اعتقاد يصير مرتدا في الحال بناء على انه ابطل حكم الشرع بعينه ومن ابطل حكم الشرع بعينه فلا يكون مؤمنا عند كل مجتهد ولا يقبل الله تعالى طاعته واحبط الله تعالى كل حسناته

کرے یا بغیر اعتقاد کے تو اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا۔ اور جس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا، وہ کسی مجتہد کے نزدیک مومن نہیں رہتا اور نہ اللہ تعالیٰ اس کی طاعت کو قبول کرتا ہے اور اس کی سب نیکیوں کو دور کر دیتا ہے۔

اعاذنا الله سبحانه من ذلك۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے۔

آیات و احادیث اور روایات فقہیہ غنا اور سرود کی حرمت میں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اگر کوئی شخص منسوخ حدیث یا روایت شاذہ کو سرود کے مباح ہونے میں پیش کرے تو اس کا ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ کسی فقیہ نے کسی زمانہ میں سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ اور نہ ہی رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام ہمام ضیاء الدین شامی کی ملتقط میں مذکور ہے۔ اور صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں ہے۔ صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا امر اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں۔ یہاں تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ ابوبکر شبلیؒ اور ابی حسن نوریؒ کا عمل۔

اس زمانہ کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ کر کے سرود و رقص کو اپنا دین و ملت بنا لیا ہے۔ اور اسی کو طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے:

اولئك الذين اتخذوا دينهم لهوا ولعبا — یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنا لیا۔

اور روایت سابقہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ جو شخص فعل حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔ تو پھر خیال کرنا چاہیے کہ سماع و رقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو طاعت و عبادت سمجھنا کیسا برا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس امر میں مبتلا نہ ہوئے۔ اور ہم تابعداروں کو اس قسم کے امور کی تقلید سے چھڑا دیا۔

سننے میں آتا ہے کہ مخدوم زادے سرود کی طرف رغبت کرتے ہیں۔ اور سرود و قصیدہ خوانی کی مجلس جمعہ کی راتوں میں منعقد کرتے ہیں۔ اور اکثر یار اس امر میں موافقت کرتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ دوسرے سلسلوں کے مرید تو اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور شرعی حرمت کو اپنے

پیروں کے عمل سے دفع کرتے ہیں۔ اگرچہ فی الحقیقت اس امر میں حق پر نہیں ہیں۔ بھلا اس سلسلہ کے یار اس ارتکاب میں کونسا عذر پیش کریں گے۔ ایک طرف حرمت شرعی اور دوسری طرف اپنے پیروں کی مخالفت نہ اہل شریعت اس فعل سے راضی ہیں۔ اور نہ ہی اہل طریقت۔ اور اگر حرمت شرعی بھی نہ ہوتی۔ تو پھر بھی طریقت میں صرف کسی نئے امر کا پیدا کرنا بُرا تھا۔ پھر ایسے امر کیوں کر بُرے نہ ہوں۔ جب کہ حرمت شرعی بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ جناب مرزا جی اس امر سے راضی نہ ہوں گے۔ لیکن آپ کے آداب کو مدنظر رکھ کر صریح طور پر منع نہ کرتے ہوں گے۔ اور یاروں کو اس اجتماع سے نہ روکتے ہوں گے اس فقیر نے چونکہ اپنے کہنے میں کچھ توقف دیکھا ہے اس لیے چند فقرے جمع کر کے لکھ کر بھیج دیے ہیں۔ اس سبق کو مرزا جی کی خدمت میں لے جائیں۔ اور اوّل سے آخر تک ان کے سامنے پڑھیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۶۷

مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:۔

اس بیان میں کہ وہ اسرار و دقائق جن کے ساتھ حضرت ایشاں یعنی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ متمیز ہوئے ہیں۔ ان میں سے تھوڑا حصہ بھی ظہور میں نہیں لا سکتے۔ بلکہ رمز و اشارہ کے ساتھ بھی ان کی نسبت گفتگو نہیں کی جا سکتی۔ اور وہ اسرار چراغ نبوت سے مقتبس ہیں اور علمائے یقین بھی اس دولت میں شریک ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو ازرُوئے کرم اس حقیر کے نام لکھا ہوا تھا، اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ خَیْرًا۔ (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے)۔

(یہ فقیر) حق جل سلطانہٗ کے انعامات کیا کیا لکھے اور ان کا کیا شکر ادا کرے۔ وہ علوم و معارف جن کا فیضان ہوتا ہے۔ خداوند جل سلطانہٗ کی توفیق سے ان میں سے اکثر لکھے جاتے ہیں۔ اور ہر اہل و نااہل یعنی کس و ناکس کے کانوں تک پہنچتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ خاص اسرار و دقائق جن کے ساتھ یہ فقیر متمیز ہے ان کا تھوڑا سا حصہ بھی ظہور میں نہیں لا سکتا۔ بلکہ رمز و اشارہ کے ساتھ بھی اس مقولہ کی نسبت گفتگو نہیں کر سکتا۔ بلکہ اپنے فرزند عزیز کے ساتھ بھی جو فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقامات سلوک و جذبہ کا نسخہ ہے۔ ان اسرار و دقائق کی کوئی رمز بیان نہیں کرتا۔ اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں بڑی کوشش

کرتا ہے۔ حالانکہ فقیر جانتا ہے کہ فرزند عزیز محرمانِ اسرار سے ہے۔ اور خطا و غلط سے محفوظ ہے۔ لیکن کیا کرے کہ معانی کی دقت اور باریکی زبان پکڑ لیتی ہے۔ اور اسرار کی لطافت لبوں کو بند کر دیتی ہے:

وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ — میرا سینہ بند ہو جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی

نقد وقت ہے۔ اور وہ اسرار اس قسم کے نہیں ہیں کہ فقیر ان کو بیان نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ایسے ہیں کہ بیان میں لائے ہی نہیں جا سکتے۔

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست

حافظ کی یہ تمام فریاد بے فائدہ نہیں — وہ اصل قصہ بھی غریب اور حالت بھی عجیب ہے

یہ دولت جس کے چھپانے میں ہم کوشش کرتے ہیں انبیائے علیہم الصلوات والتسلیمات کے چراغ نبوت سے مقتبس ہے۔ اور ملائکہ ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات بھی اس دولت میں شریک ہیں۔ اور انبیائے علیہم الصلوات والتسلیمات کے تابعداروں میں سے جس کسی کو اس دولت سے مشرف فرمائیں وہ بھی اس دولت میں میرا شریک ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو طرح کے علم سیکھے ہیں۔ ایک تو وہ علم ہے جس کو میں تمہارے سامنے منتشر اور بیان کرتا ہوں اور دوسرا وہ علم ہے کہ اگر میں اس کو تمہارے پاس ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ دو۔[1]

اور یہ دوسرا علم، علم اسرار ہے کہ جس علم تک کسی کا فہم نہیں پہنچتا:

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ — یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے
وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ — اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

دوسرے امید ہے کہ وہ مکتوب جو حضرت خواجہ زادگان کی خدمت میں لکھا ہے آپ کی نظر شریف سے گزرا ہوگا۔

میرے مکرم مخدوم! کوئی نئی بات جو طریقت میں پیدا کریں فقیر کے نزدیک اس بدعت سے کم نہیں ہے جو دین میں پیدا کریں۔ طریقت کی برکتیں اسی وقت تک فائز ہوتی رہتی ہیں جب تک کہ طریقت میں کوئی نئی بات پیدا نہ ہو۔ اور جب کوئی نیا امر طریقت میں پیدا ہو جائے تو اسی وقت اس طریق کے فیوض و برکات کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ پس طریقت کی محافظت کرنا اور طریقت کی مخالفت سے بچنا

[1] مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیح بخاری

نہایت ہی ضروری ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ جہاں کہیں اپنی طریقت کی مخالفت کسی سے دیکھیں زجر و مبالغہ سے اس کو منع فرمائیں اور طریقت کی ترویج و تقویت میں کوشش کریں۔ والسلام والاکرام

مکتوب نمبر ۲۶۸

خانخاناں کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت کا علم کونسا ہے اور ان علماء سے جو حدیث عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ میں واقع ہوئے ہیں کون سے ہیں۔ اور اس بیان میں کہ علم اسرار جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت سے باقی رہا ہے وہ علم توحید وجودی کے ان اسرار سے جدا ہے جن کے ساتھ اولیائے امت نے تکلم کیا ہے۔ اور احاطہ و سریان و قرب و معیت اور ان کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

ان حدود کے فقراء کے احوال و اوضاع شکر کے لائق ہیں:

وَالْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ سَلَامَتُكُمْ وَعَافِيَتُكُمْ وَثَبَاتُكُمْ وَاسْتِقَامَتُكُمْ

اور آپ کی تندرستی اور عافیت اور ثابت قدمی اور استقامت اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں۔

چونکہ علم وراثت کی بحث درمیان آگئی ہے اس لیے چند کلمے اس کی نسبت بمقتضائے وقت لکھے جاتے ہیں:

اخبار میں آیا ہے کہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ[1] (علماء انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں) وہ علم جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے باقی رہا ہے، دو قسم کا ہے۔ ایک علم احکام، دوسرے علم اسرار۔ اور عالم وارث وہ شخص ہے جس کو ان دونوں علموں سے حصہ حاصل ہو۔ نہ کہ وہ شخص جس کو ایک ہی قسم کا علم نصیب ہو۔ اور دوسرا علم اس کے نصیب نہ ہو کہ یہ بات وراثت کے منافی ہے کیونکہ وارث کو مورث کے سب قسم کے ترکہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے نہ کہ بعض کو چھوڑ کر بعض سے۔ اور وہ شخص جس کو بعض معین سے حصہ ملتا ہے۔ وہ غرماء یعنی قرض خواہوں میں داخل ہے کہ جن کا حصہ اس کے حق کی جنس سے متعلق ہے اور ایسے ہی آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

[1] اس حدیث کو احمد ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ و دارمی نے روایت کیا۔ مشکوٰۃ شریف۔

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ — میری اُمت کے علما بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔

ان علما سے مراد علمائے وارث ہیں نہ کہ غرما کہ جنہوں نے بعض ترکہ سے حصہ لیا ہے۔ کیونکہ وارث کو قرب و جنسیت کے لحاظ سے مورّوث کی مانند کہہ سکتے ہیں۔ برخلاف غریم کے کہ اس علاقہ سے خالی ہے۔ پس جو شخص وارث نہ ہو وہ عالم بھی نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ اس کے علم کو ایک نوع کے ساتھ مقید کریں۔ اور مثال کے طور پر یوں کہیں کہ علم احکام کا عالم ہے اور عالم مطلق وہ ہے جو وارث ہو۔ اور اس کو دونوں قسم کے علم سے پورا حصہ حاصل ہو۔ اکثر لوگوں کا یہ گمان ہے کہ علم اسرار علم توحید وجودی سے مراد ہے۔ اور کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کا مشاہدہ کرنا اور حق تعالیٰ کے احاطہ اور سریان وجود اور قرب و معیت سے کنایہ ہے، جس طرح پر کہ ارباب احوال کے نزدیک مکشوف و مشہود ہے۔ حَاشَا وَكَلَّا ثُمَّ حَاشَا وَكَلَّا۔ کہ اس قسم کے علوم و معارف علم اسرار سے ہوں۔ اور مرتبۂ نبوت کے لائق ہوں۔ کیونکہ ان معارف کی بنا سکر وقت اور غلبۂ حال پر ہے جو صحو کے منافی ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا علم کیا علم احکام اور کیا علم اسرار سب صحو در صحو ہے کہ سکر کا ایک شمہ بھی اس کے ساتھ نہیں ملا ہے۔ بلکہ یہ معارف اس مقام ولایت کے مناسب ہیں جو سکر میں قدم راسخ رکھتا ہے۔ پس یہ علوم اسرار ولایت کے ہیں نہ کہ انبیا کی نبوت کے اسرار سے۔ اگرچہ نبی سے ولایت بھی ثابت ہے لیکن اس کے احکام مغلوب ہیں اور احکام نبوت کے مقابلہ میں مضمحل اور ناچیز ہیں ؎

بجنّے ہرجا شود مہر آشکارا
سہا را جز نہاں بودن چہ یارا

فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے اور تحقیق کی ہے کہ کمالات نبوت دریائے محیط کا حکم رکھتے ہیں۔ اور کمالات ولایت ان کے مقابلہ میں ایک قطرۂ ناچیز کا حکم۔ لیکن کیا کریں جن لوگوں کو کمالات نبوت تک رسائی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ:

اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ — ولایت نبوت سے افضل ہے۔

اور ایک جماعت نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔ ان دونوں گروہوں نے نبوت کی حقیقت کو نہ سمجھ کر غائب پر حکم کیا ہے۔ صحو پر سکر کو ترجیح دینے کا حکم بھی اسی حکم کے نزدیک ہے۔ اگر صحو کی حقیقت کو جانتے ہرگز سکر کو صحو کے ساتھ نسبت نہ دیتے۔ ع

لہ اس حدیث کو شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات کے باب ۱۰ میں بیان کیا ہے لیکن محدثین نے اس حدیث میں قیل و قال کی ہے۔

کہ اس جہان جہاں سورج چمکے اور وہاں سہا ستارہ کو چھپنے کے بغیر چارہ نہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جن لوگوں نے خواص کے صحو کو عوام کے صحو کی مانند سمجھ کر سکر کو اس پر ترجیح دی ہے۔ کاش کہ خواص کے سکر کو بھی عوام کے سکر کی طرح سمجھتے اور اس حکم پر جرأت نہ کرتے۔ کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات ثابت و مقرر ہے کہ صحو، سکر سے بہتر ہے۔ اگر صحو و سکر مجازی ہے تو یہ حکم ثابت ہے۔ اور اگر حقیقی ہے تو پھر ولایت کو نبوت سے افضل کہنا۔ اور سکر کو صحو پر ترجیح دینے کا حکم ایسا ہے۔ جیسے کہ کوئی کفر کو اسلام پر ترجیح دے۔ اور جہل کو علم سے بہتر جانے۔ کیونکہ کفر و جہل مقام ولایت کے مناسب ہے اور اسلام و معرفت مرتبۂ نبوت کے مناسب۔ منصور کہتا ہے ؎

کَفَرْتُ بِدِیْنِ اللّٰہِ وَالْکُفْرُ وَاجِبٌ
لَدَیَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِیْنَ قَبِیْحٌ[1]

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفر سے استعاذہ اور پناہ مانگتے ہیں:

قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ[2]۔ کہ ہر ایک اپنی وضع و طرز پر عمل کرتا ہے۔

جس طرح عالم مجاز میں اسلام کفر سے بہتر ہے۔ اسی طرح حقیقت میں بھی اسلام کو کفر سے بہتر جاننا چاہیے: فَاِنَّ الْمَجَازَ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃِ۔ مجاز حقیقت کا پل ہے۔

اگر کہیں کہ مقام ولایت میں جس طرح کہ مرتبہ جمع میں کفر و سکر و جہل ثابت ہے۔ اسی طرح مرتبہ فرق بعد الجمع میں اسلام و صحو و معرفت بھی متحقق و ثابت ہے۔ تو کفر و سکر و جہل کو مقام ولایت کے مناسب کہنا کس معنی سے ہے۔

میں کہتا ہوں کہ صحو وغیرہ کو مرتبہ فرق ثابت کرنا مرتبہ جمع کی نسبت سے ہے جو سراسر سکر و استتار ہے۔ ورنہ اس مرتبہ کا صحو بھی سکر کے ساتھ اور اس کا اسلام کفر کے ساتھ اور اس کی معرفت جہل کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اگر فقیر کتاب میں گنجائش جانتا تو مرتبہ فرق کے احوال و معارف کو مفصل طور پر ذکر کرتا۔ اور اس مرتبہ میں سکر وغیرہ کے ملنے کو بیان کرتا۔ دانا لوگ شاید اس معنے کو دانائی سے بھی معلوم کر لیں گے۔ العجب کل العجب۔ نہایت ہی عجب ہے کہ یہ لوگ کمالات نبوت سے کیسے بے خبر رہے ہیں۔

اس قدر تو سمجھنا چاہیے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے جو اس قدر بڑائی اور بزرگی حاصل

[1] میں نے اللہ کے دین سے کفر کیا اور میرے نزدیک کفر ضروری ہے اور دوسرے مسلمانوں کے نزدیک کفر قبیح ہے یاد رہے کہ منصور حلاج کا یہ قول شطحیات اور کلمات سکر یہ میں سے ہے اسکو دلیل نہیں بنا سکتے۔

[2] سورہ بنی اسرائیل پارہ سُبحان الذی۔

کی ہے تو وہ نبوت کی راہ سے حاصل کی ہے، نہ ولایت کی راہ سے۔ ولایت نبوت کے لیے خادم کی طرح ہے۔ اگر ولایت کو نبوت پر کچھ زیادتی ہوتی تو ملائکہ ملائے اعلیٰ جن کی ولایت تمام ولایات سے اکمل ہے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے افضل ہوتے۔ اور اس طائفہ میں سے ایک گروہ نے جب ولایت کو نبوت سے افضل جان کر ملائے اعلیٰ کی ولایت کو انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت سے اکمل خیال کیا، تو ناچار ملائے اعلیٰ کے ملائکہ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے افضل قرار دے دیا اور جمہور اہل سنت سے دور جا پڑے۔ یہ سب کچھ ان سے نبوت کی حقیقت سے واقف نہ ہونے کے باعث ہوا۔

اور جب کہ لوگوں کی نگاہ میں عہد نبوت کے دور ہو جانے کے باعث کمالات نبوت ولایت کے کمالات کے سامنے حقیر معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے (اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے) اس باب میں (فقیر نے) کلام کو طوالت دی ہے۔ اور حقیقت معاملہ کو تھوڑا سا ظاہر کر دیا ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔[1]

میرے برادر ارشد میاں شیخ داؤد چونکہ آپ کی طرف آ رہے تھے اس لیے اس دردسری کے باعث بن گئے والسلام۔

اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور فضل و کرم سے حصہ چہارم دفتر اول کا ترجمہ اختتام پذیر ہوا۔ رب قدیر اسے سب اہل اسلام کے لیے ذریعہ ہدایت اور مترجم کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین ثم آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

خاکسار

محمد سعید احمد نقشبندی

غفرلہ

[1] اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ بخش اور اعمال و افعال میں ہماری زیادتیوں کو بخش دے۔ اور ہمارے قدم ثابت رکھ، اور قوم کفار کے خلاف ہماری مدد و نصرت فرما۔